

خطبات، فرمودات و مکتوبات

حسین ابن علیؑ

مدینہ تا کربلا

اَشِدَّاءُ الْيَعْرَابِ
وَأَنْزَلْنَاهُ عَنِ الْكَافِرِ
وَأَنْزَلْنَاهُ عَنِ الْكَافِرِ
وَأَنْزَلْنَاهُ عَنِ الْكَافِرِ
وَأَنْزَلْنَاهُ عَنِ الْكَافِرِ

محمد صادق نجمی

خطبات، فرمودات و مکتوبات

حسین ابن علی

مدینہ تا کربلا

تالیف

حجت الاسلام محمد صادق نجمی (قم - ایران)

ترجمہ

سید علی مرتضیٰ زیدی

یکے از مطبوعات

دارالنفلیین



پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳۳ - کراچی ۷۴۶۰۰ - پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



P.O. Box No. 2133,
Karachi-74600 Pakistan

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: خطبات، فرمودات و مکتوبات حسین ابن علیؑ مدینہ تا کربلا

تالیف: حجت الاسلام محمد صادق نجفی

ترجمہ: سید علی مرتضیٰ زیدی

نظر ثانی: سید سعید حیدر زیدی

ناشر: دارالانقلاب

طبع اول: صفر المظفر ۱۴۲۲ھ، اپریل ۲۰۰۳ء

طبع چہارم: محرم الحرام ۱۴۳۲ھ، مطابق دسمبر ۲۰۱۰ء

قیمت: ۱۸۰ روپے

فہرست

- ۲۱ _____ عرضِ ناشر
- ۲۳ _____ پیش لفظ
- ۲۷ _____ پہلا حصہ: مدینہ سے مکہ تک
- ۲۸ _____ ۱: مدینہ کے گورنر سے خطاب
- ۲۸ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۹ _____ خطبات یا امام حسینؑ کے فضائل
- ۲۹ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۳۵ _____ ۲: مروان بن حکم کے جواب میں
- ۳۵ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۳۵ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۳۶ _____ ائمہ اطہار کی جدوجہد کے دو مختلف انداز
- ۴۰ _____ ۳: قبر رسولؐ پر
- ۴۰ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

- ۴۰ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۴۲ _____ ۴: دوبارہ مرقدِ رسولؐ پر حاضری
- ۴۲ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۴۴ _____ ۵: عمر اطرف کے جواب میں
- ۴۴ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۴۴ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۴۷ _____ ۶: زوجہ رسولؐ حضرت ام سلمہؓ کے جواب میں
- ۴۷ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۴۸ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۴۸ _____ مستقبل کے واقعات کے بارے میں امام کا علم
- ۵۱ _____ ۷: محمد حنفیہ کے جواب میں
- ۵۱ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۵۵ _____ ۸: امام حسینؑ کا وصیت نامہ
- ۵۶ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۵۶ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۵۷ _____ امام حسینؑ کے قیام کے اسباب
- ۵۹ _____ ۹: مدینہ سے روانگی کے وقت امامؑ کے کلمات
- ۵۹ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۵۹ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۶۱ _____ ۱۰: مکہ میں داخل ہوتے وقت
- ۶۱ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

- ترجمہ اور تشریح _____ ۶۱
- انہی دو آیات کی تلاوت کی وجہ؟ _____ ۶۱
- ۱۱: عبد اللہ ابن عمر کے جواب میں _____ ۶۳
- اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح _____ ۶۳
- ترجمہ اور تشریح _____ ۶۳
- عبد اللہ ابن عمر کا کردار _____ ۶۵
- ۱- عبد اللہ ابن عمر اور امیر المومنین کی مخالفت _____ ۶۶
- ۲- عبد اللہ ابن عمر اور یزید کی بیعت _____ ۶۷
- ۳- عبد اللہ ابن عمر اور حجاج بن یوسف _____ ۶۹
- دواہم نکات _____ ۷۱
- ۱۲: بنی ہاشم کے نام ایک خط _____ ۷۲
- اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح _____ ۷۲
- ترجمہ اور تشریح _____ ۷۲
- ۱۳: اہل بصرہ کے نام حسین ابن علی کا خط _____ ۷۴
- اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح _____ ۷۵
- ترجمہ اور تشریح _____ ۷۵
- اہم اور اہم ترین کالکراؤ _____ ۷۶
- ۱۴: امام حسین کا مکتوب اہل کوفہ کے خطوط کے جواب میں _____ ۷۸
- اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح _____ ۷۹
- ترجمہ اور تشریح _____ ۷۹
- ۱۵: مسلم بن عقیل کے نام خط _____ ۸۲

- ۸۲ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۸۲ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۸۴ _____ خوفزدہ ہونے کا خدشہ
- ۸۵ _____ ۱۶: مکہ میں امام حسینؑ کا خطاب
- ۸۶ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۸۶ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۸۸ _____ امام کیوں جانتے بوجھتے موت کے منہ میں گئے؟
- ۹۱ _____ ۱۷: ابن عباس کے جواب میں
- ۹۱ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۹۱ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۹۱ _____ عراق جانے کی مخالفت میں امامؑ کو دیئے جانے والے مشورے
- ۹۴ _____ عبد اللہ ابن عباس کا مشورہ
- ۹۵ _____ ابن عباس کو امامؑ کا جواب
- ۹۷ _____ ۱۸: عبد اللہ ابن زبیر کے جواب میں
- ۹۸ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۹۸ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۱۰۱ _____ امامؑ کی پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی
- ۱۰۲ _____ اسلام کو ڈھال بنانا اور اسلام کے لئے ڈھال بننا
- ۱۰۴ _____ عبد اللہ ابن زبیر کا کردار
- ۱۰۷ _____ دوسرا حصہ: مکہ سے کربلا تک

- ۱۰۸ _____ ۱۹: محمد بن حنفیہ کے جواب میں
- ۱۰۸ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۱۰۸ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۱۱۰ _____ کیا امام حسینؑ شہادت پر مجبور تھے؟
- ۱۱۳ _____ امام نے شہادت کا راستہ آزادی کے ساتھ اختیار کیا
- ۱۱۵ _____ پہلے سے معلوم شہادت کی کیا اہمیت ہے؟
- ۱۱۷ _____ ۲۰: عبد اللہ بن جعفر اور عمرو بن سعید کے جواب میں
- ۱۱۸ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۱۱۸ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۱۲۰ _____ امام کی گفتگو کے چند نکات
- ۱۲۲ _____ ۲۱: فرزدق سے ملاقات
- ۱۲۲ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۱۲۲ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۱۲۴ _____ دو توجہ طلب نکات
- ۱۲۶ _____ ۲۲: شتر بانوں کو پیشکش
- ۱۲۶ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۱۲۶ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۱۲۷ _____ اس عمل کی حکمت
- ۱۲۹ _____ ۲۳: اہل کوفہ کے نام دوسرا خط
- ۱۲۹ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۱۲۹ _____ ترجمہ اور تشریح

- ۱۳۰ _____ کوفہ کے انتخاب کی وجہ
- ۱۳۴ _____ ۲۴: کوفہ کے راستے میں
- ۱۳۴ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۱۳۵ _____ امام علیہ السلام کی پیش گوئی
- ۱۳۶ _____ اہل کوفہ کی ذلت و خواری
- ۱۳۷ _____ حجاج کے بعض مظالم
- ۱۴۰ _____ ۲۵: حضرت زینبؓ کے جواب میں
- ۱۴۰ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۱۴۱ _____ قضا سے کیا مراد ہے؟
- ۱۴۲ _____ ۲۶: ثعلبیہ کے مقام پر
- ۱۴۲ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۱۴۵ _____ ۲۷: ثعلبیہ کے مقام پر ایک سوال کے جواب میں
- ۱۴۵ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۱۴۶ _____ رہنماؤں کی اقسام
- ۱۴۷ _____ ۲۸: ایک اور سوال کے جواب میں
- ۱۴۷ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۱۴۷ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۱۴۹ _____ امام کی گفتگو سے سامنے آنے والی بات
- ۱۵۱ _____ ۲۹: شقوق کے مقام پر
- ۱۵۱ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۱۵۱ _____ ترجمہ اور تشریح

- آہنی ارادہ _____ ۱۵۲
- ۳۰: زبالہ کے مقام پر _____ ۱۵۴
- اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح _____ ۱۵۴
- ترجمہ اور تشریح _____ ۱۵۴
- صاف گوئی _____ ۱۵۵
- امام کی اس پیشکش کا سبب اور نتیجہ _____ ۱۵۶
- ۳۱: بطن عقبہ کے مقام پر _____ ۱۵۸
- اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح _____ ۱۵۸
- ترجمہ اور تشریح _____ ۱۵۸
- ۳۲: شراف کے مقام پر نمازِ ظہر کے بعد امام کا خطاب _____ ۱۶۱
- اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح _____ ۱۶۱
- ترجمہ اور تشریح _____ ۱۶۲
- فرزندِ فاطمہ کی نرم دلی _____ ۱۶۲
- نمازِ باجماعت _____ ۱۶۳
- امام کا خطاب _____ ۱۶۴
- ۳۳: شراف کے مقام پر نمازِ عصر کے بعد امام کا خطاب _____ ۱۶۶
- اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح _____ ۱۶۶
- ترجمہ اور تشریح _____ ۱۶۶
- خطاب میں موجود تین اہم نکات _____ ۱۶۷
- کیا امام مدینہ تشریف لے جاتے؟ _____ ۱۶۸
- ۳۴: حر کے جواب میں _____ ۱۷۱

- ۱۷۱ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۱۷۲ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۱۷۵ _____ ۳۵: بیضہ کے مقام پر
- ۱۷۶ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۱۷۶ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۱۷۸ _____ ایک بار پھر جدوجہد کے اسباب کا بیان
- ۱۷۹ _____ گواہی یا اعتراف حقیقت
- ۱۸۰ _____ کیا امام حسینؑ نے امر بالمعروف کی شرائط کو مد نظر نہیں رکھا؟
- ۱۸۳ _____ کفر آمیز خاموشی
- ۱۸۵ _____ ۳۶: ابوہرم کے جواب میں
- ۱۸۵ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۱۸۵ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۱۸۷ _____ ۳۷: طرماح بن عدی اور اسکے ساتھیوں کے جواب میں
- ۱۸۷ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۱۸۸ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۱۹۱ _____ انسانی اقدار کی ترویج
- ۱۹۳ _____ ۳۸: عبید اللہ ابن حریص کے ساتھ گفتگو
- ۱۹۴ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۱۹۴ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۱۹۷ _____ انکی کوشش تھی کہ ڈوبتے کو بچالیں
- ۲۰۰ _____ ۳۹: عمرو بن قیس اور اسکے چچا زاد بھائی کے جواب میں

- ۲۰۰ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۰۰ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۲۰۱ _____ سخت سزا
- ۲۰۲ _____ حراماں نصیبی کی ایک اور مثال
- ۲۰۵ _____ ۴۰: کربلا کے نزدیک
- ۲۰۵ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۰۶ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۲۰۹ _____ تیسرا حصہ: کربلا میں
- ۲۱۰ _____ ۴۱: کربلا پہنچنے کے وقت
- ۲۱۰ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۱۰ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۲۱۲ _____ ان جملات کا مفہوم
- ۲۱۴ _____ ۴۲: کربلا پہنچنے کے بعد امام کا خطاب
- ۲۱۴ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۱۵ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۲۱۶ _____ امام کے اس خطبے کا مفہوم
- ۲۱۸ _____ ۴۳: محمد بن حنفیہ کے نام ایک خط
- ۲۱۸ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۲۲۱ _____ ۴۴: ابن زیاد کے خط کے جواب میں
- ۲۲۱ _____ ترجمہ اور تشریح

- ۲۲۳ _____ ۴۵: عمر ابن سعد سے گفتگو
- ۲۲۳ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۲۲۵ _____ امام کے ان جملات کا مفہوم
- ۲۲۶ _____ ۴۶: نویں محرم کے دن عصر کے وقت امام کی گفتگو
- ۲۲۶ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۲۶ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۲۲۹ _____ نماز کی اہمیت
- ۲۳۰ _____ ۴۷: شبِ عاشور امام حسینؑ کا خطاب
- ۲۳۱ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۳۲ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۲۳۳ _____ آخری امتحان
- ۲۳۶ _____ ایک مشہور اور غلط جملہ
- ۲۳۸ _____ ۴۸: شجاعت کا ایک بیان
- ۲۳۸ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۳۸ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۲۴۳ _____ ۴۹: امام کا شعر پڑھنا اور شبِ عاشور اپنی بہن اور دیگر خواتین کو وصیت کرنا
- ۲۴۴ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۴۴ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۲۴۶ _____ ۵۰: شبِ عاشور امام کا تلاوت کرنا
- ۲۴۶ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۴۶ _____ ترجمہ اور تشریح

- ۲۴۸ _____ آزمائش کا وقت
- ۲۴۹ _____ ۵۱: شبِ عاشور امام کا خواب
- ۲۴۹ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۵۰ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۲۵۱ _____ خواب کی صورت میں حقیقت کا اظہار
- ۲۵۲ _____ ۵۲: صبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگو
- ۲۵۲ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۵۳ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۲۵۴ _____ پامردی اور استقامت کی دعوت
- ۲۵۶ _____ ۵۳: صبحِ عاشور امام کی دعا
- ۲۵۶ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۵۷ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۲۵۸ _____ ۵۳: عاشور کے دن امام کی پہلی تقریر
- ۲۵۸ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۵۹ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۲۵۹ _____ اتمامِ حجت
- ۲۶۱ _____ امام کی تقریر میں توقف
- ۲۶۳ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۶۳ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۲۶۴ _____ دوسرے حصے کے نتائج
- ۲۶۶ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

- ۲۶۶ ————— ترجمہ اور تشریح
- ۲۶۷ ————— پروپیگنڈے کا توڑ
- ۲۶۹ ————— امام علیہ السلام کی گفتگو قطع کی گئی
- ۲۷۰ ————— اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۷۰ ————— ترجمہ اور تشریح
- ۲۷۲ ————— آخری حصے کا نتیجہ
- ۲۷۳ ————— ۵۵: عاشور کے دن امام کی دوسری تقریر
- ۲۷۴ ————— اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۷۵ ————— ترجمہ اور تشریح
- ۲۷۹ ————— اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۸۰ ————— ترجمہ اور تشریح
- ۲۸۲ ————— خطبے میں موجود اہم ترین نکات
- ۲۸۴ ————— ۱- حق سے روگردانی میں حرام خوری کے اثرات
- ۲۸۵ ————— ۲- اسلام کی طاقت اسلام کے خلاف
- ۲۸۶ ————— ۳- عزم راسخ
- ۲۸۸ ————— ۵۶: امام کی بددعا
- ۲۸۸ ————— اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۸۸ ————— ترجمہ اور تشریح
- ۲۹۲ ————— ۵۷: عمر ابن سعد کے ساتھ گفتگو
- ۲۹۲ ————— اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۹۲ ————— ترجمہ اور تشریح

- ۲۹۳ _____ امام کی بددعا اور عمر ابن سعد کا انجام
- ۲۹۷ _____ ۵۸: عمر و ابن حجاج کے جواب میں
- ۲۹۷ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۲۹۷ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۲۹۹ _____ ۵۹: جنگ کے آغاز پر اپنے اصحاب سے خطاب
- ۲۹۹ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۳۰۲ _____ ۶۰: خدا کی ناراضگی کے اسباب
- ۳۰۲ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۳۰۲ _____ ۶۱: اصحاب کی شہادت کے موقع پر امام کی گفتگو
- ۳۰۲ _____ حضرت مسلم بن عوجہ سے فرمایا
- ۳۰۲ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۳۰۸ _____ ۶۲: عبداللہ ابن عمیر کی والدہ سے فرمایا
- ۳۰۸ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۳۱۰ _____ ایک تاریخی غلطی کا جائزہ
- ۳۱۱ _____ عبداللہ ابن عمیر یا وہب ابن عبداللہ؟
- ۳۱۲ _____ غلط فہمی کا اصل سبب کیا ہے؟
- ۳۱۴ _____ ۶۳: ابو ثمامہ صاندی سے فرمایا
- ۳۱۴ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۳۱۶ _____ راہ حق میں لڑنے والوں کے لئے ایک درس
- ۳۱۶ _____ ابو ثمامہ کون ہیں؟
- ۳۱۷ _____ ابو ثمامہ کا اخلاص

- ۶۴: سعید ابن عبداللہ حنفی سے فرمایا ————— ۳۱۹
- ترجمہ اور تشریح ————— ۳۱۹
- ۶۵: عمرو ابن قرظہ کعمی سے فرمایا ————— ۳۲۱
- ترجمہ اور تشریح ————— ۳۲۱
- خوبصورتی اور بدصورتی ————— ۳۲۲
- ۶۶: نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد امام کی تقریر ————— ۳۲۵
- اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح ————— ۳۲۵
- ترجمہ اور تشریح ————— ۳۲۵
- ۶۷: حبیب ابن مظاہر کی شہادت کے موقع پر ————— ۳۲۷
- اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح ————— ۳۲۷
- ترجمہ اور تشریح ————— ۳۲۷
- ۶۸: ابو شعساء کے لئے امام کی دعا ————— ۳۳۰
- اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح ————— ۳۳۰
- ترجمہ اور تشریح ————— ۳۳۲
- ۶۹: حرا بن یزید ریاحی سے فرمایا ————— ۳۳۲
- اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح ————— ۳۳۳
- ترجمہ اور تشریح ————— ۳۳۳
- سعادت اور کامیابی کا حقیقی مفہوم ————— ۳۳۵
- سعد ابن حارث اور اس کا بھائی ————— ۳۳۶
- ۷۰: زہیر ابن قین سے فرمایا ————— ۳۳۸
- اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح ————— ۳۳۸

- ۳۳۸ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۳۴۱ _____ ۷۱: حنظلہ شہابی سے فرمایا
- ۳۴۱ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۳۴۲ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۳۴۴ _____ ۷۲: سیف بن حارث اور مالک بن عبد سے فرمایا
- ۳۴۴ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۳۴۴ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۳۴۶ _____ احساسِ ذمے داری
- ۳۴۸ _____ ۷۳: جون سے فرمایا
- ۳۴۸ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۳۵۰ _____ ۷۴: عمر ابن جنادہ کے بارے میں فرمایا
- ۳۵۰ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۳۵۲ _____ ۷۵: حضرت علی اکبرؓ کی شہادت کے موقع پر
- ۳۵۳ _____ اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۳۵۳ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۳۵۷ _____ حضرت علی اکبرؓ کے بارے میں دو اہم موضوعات
- ۳۶۰ _____ کیا حضرت علی اکبرؓ صاحبِ اولاد تھے؟
- ۳۶۱ _____ کیا حضرت علی اکبرؓ کی والدہ کربلا میں موجود تھیں؟
- ۳۶۳ _____ ۷۶: آلِ ابی طالب سے فرمایا
- ۳۶۳ _____ ترجمہ اور تشریح
- ۳۶۵ _____ ۷۷: قاسم ابن حسنؓ کے سرہانے

- ۳۶۵ ————— اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۳۶۶ ————— ترجمہ اور تشریح
- ۳۶۸ ————— ۷۸: شیرخوار بچے کی شہادت کے موقع پر
- ۳۶۸ ————— اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۳۶۹ ————— ترجمہ اور تشریح
- ۳۷۵ ————— ۷۹: حضرت ابوالفضل العباسؑ کی شہادت
- ۳۷۵ ————— اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۳۷۵ ————— ترجمہ اور تشریح
- ۳۷۶ ————— حضرت ابوالفضل العباسؑ معصومینؑ کی نظر میں
- ۳۷۶ ————— بچنے میں حضرت عباسؑ کی بلند معرفت
- ۳۷۸ ————— ۱- امام جعفر صادق علیہ السلام کا بیان
- ۳۷۹ ————— ۲- امام زین العابدین علیہ السلام کا بیان
- ۳۸۱ ————— ۳- امام حسین ابن علیؑ کا بیان
- ۳۸۲ ————— ۸۰: عبداللہ بن حسنؑ کی شہادت کے موقع پر
- ۳۸۲ ————— اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۳۸۲ ————— ترجمہ اور تشریح
- ۳۸۷ ————— ۸۱: رخصت کے موقع پر
- ۳۸۷ ————— خواتین سے رخصت ہوتے وقت فرمایا
- ۳۸۷ ————— اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۳۸۸ ————— ترجمہ اور تشریح
- ۳۹۲ ————— امام سجاد علیہ السلام سے رخصت ہوتے ہوئے فرمایا

- ۳۹۳ ————— اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۳۹۴ ————— ترجمہ اور تشریح
- ۳۹۴ ————— ۱- پروردگار کے حضور توجہ
- ۳۹۵ ————— ۲- بدترین ظلم سے بچو
- ۳۹۸ ————— الف: وصیت کا خصوصی پہلو
- ۳۹۸ ————— ب: وصیت کا عمومی پہلو
- ۳۹۹ ————— حسین ابن علیؑ کے عقیدہ مندوں کے لئے ایک یاد دہانی
- ۴۰۸ ————— ۸۲: میدان شہادت میں امام حسینؑ کی رجز خوانی
- ۴۰۹ ————— اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۴۰۹ ————— ترجمہ اور تشریح
- ۴۱۲ ————— ۸۳: قتل گاہِ کربلا سے امامؑ کا آفاقی پیغام
- ۴۱۲ ————— اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۴۱۲ ————— ترجمہ اور تشریح
- ۴۱۳ ————— آفاقی پیغام
- ۴۱۶ ————— ۸۴: حسین ابن علیؑ کی آخری مناجات
- ۴۱۷ ————— اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح
- ۴۱۷ ————— ترجمہ اور تشریح



عرضِ ناشر

زیر نظر کتاب 'سید الشہد حسین ابن علیؑ کے ان خطبات' فرمودات اور مکتوبات کے متن، ان کے ترجمے اور تشریح پر مشتمل ہے جو اپنی انقلابی تحریک کے دوران مدینہ سے مکہ، مکہ سے کربلا اور وہاں اپنی شہادت تک کے درمیانی عرصے میں آپؑ کی زبانِ مبارک سے صادر ہوئے یا جنہیں آپؑ نے مختلف افراد اور گروہوں کے نام تحریر فرمایا۔

یہ کتاب حوزہ علمیہ قم سے تعلق رکھنے والے عالمِ دین حجت الاسلام محمد صادق نجفی کی قلمی کاوش ہے۔ فاضل مولف نے اس کتاب میں سن ساٹھ ہجری کے ماہِ رجب سے اکٹھ ہجری کے ماہِ محرم کی دس تاریخ کو وقتِ عصر تک امام حسینؑ کے ارشاد فرمائے ہوئے خطبات اور مختصر کلمات نیز تحریر کردہ مکتوبات اور وصایا کو ترتیب کے ساتھ کچھ اس انداز سے جمع کیا ہے، ان کی ایسی محققانہ تشریح کی ہے اور ان سے مربوط تاریخی واقعات اور شخصیات کے احوال کو کچھ اس طرح ضبط تحریر میں لائے ہیں کہ یہ کتاب واقعہ کربلا کی ایک تفصیلی روئداد ہونے کے ساتھ ساتھ حسین ابن علیؑ کی تحریک کے مقاصد و محرکات پر بھی روشنی ڈالتی ہے اس دور کے معاشرے اور دینی شخصیات کے اندازِ فکر کو بھی سامنے لاتی ہے ساتھ ہی روزِ عاشور انصار و اصحابِ حسینؑ جو انان بنی ہاشم اور خود امام

حسینؑ کی جنگ و جہاد رجز خوانی اور شہادت کے احوال کے بیان کی وجہ سے ایک مستند مقتل بھی بن گئی ہے۔

فارسی زبان میں یہ کتاب «جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم» سے وابستہ اشاعتی ادارے «دفتر انتشارات اسلامی» نے «سخنان حسین ابن علیؑ از مدینہ تا کربلا» کے نام سے شائع کی جسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور اب تک اسکے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اپنی ندرت، انداز اور اعتبار کے حوالے سے علمائے کرام کے حلقوں میں مقبول اس کتاب کا اردو ترجمہ جناب حجت الاسلام سید علی مرتضیٰ زیدی نے کیا ہے جس کیلئے ہم جناب عالی کے ممنون اور شکر گزار ہیں اور ان تمام احباب کیلئے دعا گو ہیں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون کیا۔ امید ہے یہ کتاب اردو دارقارئین سے بھی قبولیت کی سند پائے گی۔

ہم اپنے معزز قارئین کی آراء، مشوروں اور تجاویز کے ہمیشہ منتظر رہتے ہیں۔

والسلام



بسم الله الرحمن الرحيم

پیش لفظ

اکثر مصنفین اور تجزیہ نگاروں نے حسین ابن علیؑ کی مقدس تحریک اور آپؑ کے بپا کردہ انقلاب کا کسی ایک پہلو اور کسی ایک رخ سے جائزہ لیا ہے اور صرف اسی پہلو کو اس تحریک کا محرک اور سبب قرار دیا ہے۔ اس دوران کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ مختلف محرکات و اسباب جو اس تحریک اور انقلاب کی صورت گیری میں موثر تھے اور جو اہمیت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف درجے رکھتے تھے آپس میں خلط ملط ہو گئے اور فروعی مسائل اور اصل اور بنیادی مسائل کے درمیان تمیز نہ رہی۔ نیز کبھی یوں بھی ہوا کہ فروعی پہلو اتنی زیادہ توجہ کا مرکز رہے اور ان کے بارے میں اتنا زیادہ اہتمام کیا گیا کہ اصل اور بنیادی اسباب و محرکات فراموش ہو گئے۔

اس ابہام اور عدم توازن کی وجہ یہ ہے کہ اس حیرت انگیز قیام و انقلاب اور اس عظیم تاریخی تحریک کے دوران کبھی تو انکار بیعت کی بات آئی ہے اور کبھی امامؑ نے اپنے خطبات میں برائیوں کے پھیلاؤ اور اسلامی احکام میں تغیر و تبدل کے مسئلے پر شدید تنقید کی ہے اور حلال خدا کے حرام کئے جانے اور حرام خدا کے حلال کئے جانے کو اپنے قیام کا محرک اور سبب بیان کیا

ہے۔ کسی دوسرے مقام پر ہم دیکھتے ہیں کہ امامؑ کو دی جانے والی اہل کوفہ کی دعوت کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور اسی طرح دوسرے محرکات کا تذکرہ ملتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام کے وہ خطبات، تقاریر، مختصر گفتگوئیں اور آپؑ کے متعدد مکتوبات جو مدینہ سے کربلا تک سفر کے دوران اور آپؑ کے جامِ شہادت نوش کرنے تک آپؑ سے نقل ہوئے ہیں، ان تشریحات کے ساتھ جن کا اس کتاب میں اضافہ کیا گیا ہے، اس مسئلے کی وضاحت کر سکتے ہیں اور ایک حد تک ان مذکورہ محرکات و اسباب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

قیامِ عاشوراء کے محرک و سبب کے اس انتہائی اہم اور حساس موضوع سے قطع نظر کسی بھی کتاب مقالے اور کسی بھی مورخ، مصنف اور عالم کے اظہارِ خیال سے زیادہ خود حسین ابن علیؑ کے کلام کے ذریعے آنجنابؑ کی شخصیت، ثباتِ قدم، عالیٰ نسب، شجاعت اور معنویت سے آگاہ ہوا جاسکتا ہے۔

امامؑ کے فرمودات کی اس خاص اہمیت کے باوجود جہاں تک ہمارے علم میں ہے، امامؑ کے یہ کلمات جو تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں جگہ جگہ اور مختلف مناسبتوں سے نقل ہوئے ہیں اب تک مکمل طور پر ایک علیحدہ مجموعے کی صورت میں جمع نہیں کئے جاسکے ہیں۔ اسی بنیاد پر راقم نے امام حسینؑ کے ان کلمات کو جو مدینہ سے کربلا اور پھر آپؑ کی شہادت تک کے درمیانی عرصے میں آپؑ کی زبانِ مبارک پر جاری ہوئے اور ان مکتوبات کو جو آپؑ نے اس عرصے میں تحریر کئے مختلف ماخذ سے جمع کر کے ایک مجموعے کی صورت میں مجاہدِ حسینؑ کی خدمت میں پیش کرنے کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لی۔

پھر اس غرض سے کہ یہ کلام عام لوگوں کے لئے بھی قابلِ استفادہ ہو جائے اور اس کے ذریعے حسین ابن علیؑ کے قیام و انقلاب کا اصل محرک اور سبب بھی بیان ہو جائے، اس کلام کے ترجمے کے ساتھ ساتھ بعض مقامات پر ضروری تشریحات اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج کا اضافہ بھی کیا ہے۔ البتہ یہاں چند نکات کی یاد دہانی ضروری ہے:

۱- جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس میں امام حسینؑ کے صرف وہی خطبات، کلمات اور مکتوبات جمع کئے گئے ہیں جو مدینہ سے کربلا تک کے سفر کے دوران آپؑ سے نقل ہوئے ہیں۔ امامؑ کی پوری زندگی میں آپؑ سے صادر ہونے والے لازوال اشعار اور عمدہ اور کثیر احادیث جنہیں حدیث اور تاریخ کی مختلف کتب میں نقل کیا گیا ہے ان کے لئے علیحدہ سے ایک یا متعدد مجموعوں کی ضرورت ہے اور امید ہے کہ (انشاء اللہ) مستقبل قریب میں »مواعظ و سخنان حسین ابن علی« کے نام سے قارئین کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔

۲- مدینہ سے شہادت تک امام حسینؑ کے کلام کے بارے میں بھی ہمارا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ اس مجموعے میں امامؑ کا تمام کلام جمع کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ معتبر اور موثق منابع و ماخذ (Sources) سے امامؑ کے کلام کی جمع آوری کے لئے ہماری انتہائی کوششوں کے باوجود ممکن ہے کسی ایسے مجموعے تک ہماری رسائی نہ ہو سکی ہو جس میں امامؑ کا ایسا کلام موجود ہو یا دوسرے اسباب مثلاً کسی معتبر ماخذ تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے اسے اس مجموعے میں درج کرنے سے گریز کیا ہو۔ اس بنیاد پر اگر اس کتاب کو »سخنان حسین ابن علی« کی بجائے »حسین ابن علی کا منتخب کلام« کا عنوان دیا جائے تو حقیقت سے زیادہ قریب ہوگا۔

۳- اس تالیف میں امام حسین علیہ السلام کے خطبات، کلمات، مکتوبات کے عین متن کو جمع کیا گیا ہے، مدینہ سے کربلا تک سفر کے مختلف مراحل میں امامؑ کی وہ باتیں جن کے مفہوم و معنی نقل کئے گئے ہیں وہ اس کتاب کے موضوع سے خارج ہیں۔

آخر میں اس نکتے کی جانب بھی توجہ مبذول رہنی چاہئے کہ امامؑ کے پر نور کلمات کے ساتھ ساتھ کتاب میں ان تاریخی، علمی اور کلامی نکات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جن سے آشنائی ہر دیندار مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب سلیمان کربلا حضرت ابا عبد اللہ الحسین روحی و ارواح العالمین لہ

الفدا کی بارگاہ میں ایک حقیر نذرانہ اور اس دن کے لئے ایک ذخیرہ ثابت ہوگی جس دن نہ مال
کام آئے گا نہ آل اولاد۔

محمد صادق نجمی

قم المقدس

۲۰ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ

یوم ولادت حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام





مدینہ سے مکہ تک

مدینہ کے گورنر سے خطاب

«أَيُّهَا الْأَمِيرَانَا أَهْلُ بَيْتِ النَّبُوَّةِ وَمَعْدَنُ الرِّسَالَةِ
وَمُخْتَلَفُ الْمَلَائِكَةِ وَمَهْبَطُ الرَّحْمَةِ بِنَا فَتَحَ اللَّهُ
وَبِنَايَحْتِمُ . وَيَزِيدُ رَجُلٌ شَارِبُ الْخَمْرِ وَقَاتِلُ النَّفْسِ
الْمُحْتَرَمَةِ مُعْلِنٌ بِالْفُسْقِ وَمِثْلِي لَا يُبَايِعُ مِثْلَهُ وَلَكِنْ
نُصَبِحُ وَتُصْبِحُونَ وَنَنْظُرُ وَتَنْظُرُونَ أَيُّنَا أَحَقُّ بِالْخِلَافَةِ
وَالْبَيْعَةِ.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مُخْتَلَف (لام پر زبر کے ساتھ): آمدورفت کی جگہ۔ مَهْبَط: اترنے کا مقام۔ نفس
محترمة: ہر وہ انسان جس کا قتل (خون بہانا) حرام ہو۔ نُصَبِحُ وَتُصْبِحُونَ (أَصْبَحَ
سے ماخوذ ہے): صبح کرنا، یہاں کنائے کے طور پر مستقبل کے لئے استعمال ہوا ہے۔ نَنْظُرُ
(نَظَرَ سے ماخوذ ہے): انتظار اور کسی کام پر غور و فکر کے معنی میں ہے۔

۱۔ تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۲۱۶ اور ۲۱۸، تاریخ ابن اثیر۔ ج ۳۔ ص ۲۶۳ اور ۲۶۴، ارشاد مفید۔ ص ۲۰۰، شیر
الاحزان۔ ص ۱۰، مقتل خوارزمی۔ ص ۱۸۲، مقتل لہوف۔ ص ۱۹۔

خطبات یا امام حسینؑ کے فضائل

امام حسینؑ کے خطبات کی تشریح سے پہلے ہم اس نکتے کی جانب توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ عام طور پر حسین ابن علیؑ کی حیات طیبہ سید الشہداء کی شہادت یا امام عالی مقام کی شخصیت کے بارے میں جو کتب لکھی جاتی ہیں ان کے ابتدائی صفحات امام حسینؑ کے ذاتی اوصاف ان کے مذہبی روحانی اور معاشرتی مقام اور ان کے فضائل کے بارے میں نقل ہونے والی احادیث اور روایات کے لئے مخصوص کئے جاتے ہیں۔ اس دستور کے برخلاف ہم نے اس کتاب میں ابتداء ہی سے اصل موضوع یعنی «امام حسینؑ کے کلام» سے گفتگو کا آغاز کیا ہے۔ ہم نے اپنی اس کتاب میں عام طور پر رائج اس طریقہ کار کو اپنانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ نہ صرف اس کتاب کی ابتدا از خود حسین ابن علیؑ کی ایک نمایاں ترین فضیلت: اِنَّا اَهْلُ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَ مَعْدِنُ الرِّسَالَةِ سے ہوئی ہے بلکہ اس کا اختتام بھی امامؑ کی ایک انتہائی نفیس مناجات «اللّٰهُمَّ مُتَعَالٰی الْمَكَانِ عَظِيْمَ الْجَبَرُوْتِ» سے ہوا ہے جو آپ کے فضائل کے بیان کے لئے کافی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کتاب کے تمام ہی صفحات پر امام عالی مقام کے خطبات و کلمات پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر خطبہ اور کلام اہل معرفت کے نزدیک امامؑ کی عظمت اور عالی مرتبت کو بیان کرنے میں فضائل کے مکمل دیوان سے بڑھ کر ہے۔ لہذا اگر ہم اس کتاب کا عنوان «سخنان حسین ابن علیؑ» کی بجائے «فضائل حسین ابن علیؑ» رکھیں تب بھی غلط نہ ہوگا۔

ترجمہ اور تشریح

سن ساٹھ ہجری کے ماہِ رجب کے تقریباً نصف میں معاویہ کی موت کے بعد یزید ابن معاویہ تخت خلافت پر بیٹھا۔ حکومت سنبھالتے ہی اس نے مختلف علاقوں میں تعینات اپنے گورنروں اور سرداروں کے نام خطوط ارسال کئے اور ان خطوط کے ذریعے انہیں اپنے باپ کی

موت اور اپنی جانشینی سے مطلع کیا۔

معاویہ کی زندگی ہی میں یزید کی خلافت کا بندوبست کیا جا چکا تھا اور لوگوں سے اسکے لئے بیعت بھی لے لی گئی تھی۔ مذکورہ خطوط میں یزید نے ایک تو ان سب (گورنروں) کو ان کے عہدوں پر باقی رکھنے کی اطلاع دی اور دوسرے انہیں حکم دیا کہ وہ لوگوں سے اسکے لئے دوبارہ بیعت لیں۔

اسی مضمون کا ایک خط یزید نے ولید ابن عتبہ کے نام بھی ارسال کیا جسے معاویہ نے مدینہ کا گورنر بنایا تھا۔ البتہ اس خط کے ساتھ علیحدہ سے ایک مختصر رقعہ بھی تحریر کیا جس میں خاص طور پر ان تین معروف شخصیات سے بیعت لینے کی تاکید کی گئی تھی جنہوں نے معاویہ کے زمانے میں یزید کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس رقعہ میں تحریر تھا: خذِ الْحُسَيْنَ وَ عَبْدَ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ زُبَيْرٍ أَخِذْ أَشَدَّ أَلَيْسَتْ فِيهِ رُحْمَةٌ حَتَّى يُبَايَعُوا . وَالسَّلَامُ (حسین ابن علی، عبد اللہ ابن عمر اور عبد اللہ ابن زبیر پر سختی کرو اور جب تک بیعت نہ کر لیں انہیں کوئی مہلت اور موقع نہ دو۔ والسلام)

رات کے ابتدائی حصے میں اس خط کے ملنے کے بعد ولید ابن عتبہ نے مدینہ کے سابق گورنر مروان ابن حکم کو بلایا اور اس سے مذکورہ خط اور یزید کے حکم کے بارے میں مشورہ کیا۔ مروان نے تجویز دی کہ جس قدر جلدی ممکن ہو ان افراد کو طلب کرو اور معاویہ کی موت کی خبر شہر میں پھیلنے سے پہلے ان حضرات سے یزید کے لئے بیعت لے لو۔

ولید نے اسی وقت اپنے ایک کارندے کے ذریعے ان شخصیات کو یہ پیغام بھجوایا کہ ایک اہم اور حساس مسئلہ پیش آیا ہے لہذا آپ فوراً تشریف لے آئیے۔

امام حسینؑ اور ابن زبیرؓ مسجد نبویؐ میں ایک دوسرے سے گفتگو میں مصروف تھے کہ ولید کا کارندہ اس کا یہ پیغام لے کر ان کے پاس آیا۔ ابن زبیرؓ رات کے اس پہر اس بے وقت بلاوے پر خوفزدہ ہو گئے لیکن امامؑ نے معاملے کو بھانپ لیا اور حالانکہ ابھی ولید سے آپؑ کی

ملاقات نہیں ہوئی تھی، پھر بھی ابن زبیر کو اصل معاملے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: اری انّ طاغیّتهم قد هلك (میرے خیال میں ان (بنی امیہ) کا حاکم مر گیا ہے اور اس وقت ہمیں بلانے کا مقصد اس کے بیٹے کیلئے بیعت لینا ہے۔)

»مثیر الاحزان« میں نقل ہونے والی روایت کے مطابق امام نے اپنی رائے کی تائید میں مزید فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ معاویہ کے گھر سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں اور اس کا منبر منہدم ہو چکا ہے۔

اسکے بعد امام نے اپنے اصحاب اور قریبی رشتے داروں میں سے تیس افراد کو مسلح ہو کر اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا اور انہیں ہدایت کی کہ دربار کے باہر تیار کھڑے رہیں اور جوں ہی ضرورت پیش آئے مدد کیلئے اندر آ جائیں۔

جیسا کہ امام پیش گوئی فرما چکے تھے، ولید ابن عتبہ نے معاویہ کی موت کی اطلاع دی اور امام کے سامنے یزید کی بیعت کا معاملہ پیش کیا۔

امام نے جواب دیا: مجھ جیسے شخص کے لئے غیر علانیہ طور پر بیعت کرنا مناسب نہیں اور تم بھی ایسی بیعت پر راضی نہیں ہو گے، اور کیونکہ تم مدینہ کے تمام افراد کو تجدید بیعت کی دعوت دے رہے ہو، لہذا فیصلہ کر لینے کی صورت میں، ہم بھی اس مجلس میں تمام مسلمانوں کے ساتھ انہی کی طرح بیعت کر لیں گے۔

یعنی کیونکہ یہ بیعت خدا کی رضا اور خوشنودی کے لئے نہیں ہے، بلکہ لوگوں کی توجہ مبذول کرانے اور انہیں دکھانے کے لئے ہے، لہذا اگر یہ ہو تو اسے علانیہ ہونا چاہئے، مخفیانہ نہیں۔

ولید نے امام کی بات سے اتفاق کیا اور رات کے اس پہر بیعت لینے پر اصرار نہ کیا۔ امام واپسی کے لئے اٹھنے لگے تو مروان بن حکم نے جو اس مجلس میں موجود تھا، ولید کو اشارے سے یہ بات سمجھائی کہ اگر رات کے اس وقت خاموشی سے حسین ابن علی سے بیعت نہ لے سکے تو اسکے بعد قتل و خوں ریزی کے بغیر ان سے بیعت لینا ممکن نہیں ہوگا۔ لہذا بہتر یہی ہے

کہ انہیں یہیں روک کر بیعت لے لو اور اگر انکار کریں تو یزید کے حکم کے مطابق ان کی گردن مار دو۔

امامؑ نے مروان کی یہ حرکت دیکھ لی اور اسے مخاطب کر کے فرمایا: يَا بَنَ الزَّرْقَاءِ أَنْتَ تَقْتُلُنِي أَمْ هُوَ كَذِبٌ وَاثْمٌ؟ (اے زرقا کے بیٹے! مجھے تو مارے گا یا ولید؟ تم جھوٹ بولتے اور گناہ کرتے ہو)۔ اسکے بعد آپؑ نے خود ولید کو مخاطب کیا اور فرمایا:

«أَيُّهَا الْأَمِيرُ إِنَّا أَهْلُ بَيْتِ النَّبُوَّةِ..... اے امیر! ہم خاندان نبوت اور

معدن رسالت ہیں۔ ہمارے گھروں پر فرشتوں کی رفت و آمد رہا کرتی ہے اور ہمارے خاندان پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ہمارے گھرانے سے شروع کیا اور آخر تک ہمیشہ ہمارا گھرانہ اسلام کے ہمراہ رہے گا۔ لیکن یزید جس کی بیعت کی تم مجھ سے توقع کر رہے ہو اس کا کردار یہ ہے کہ وہ شراب خور ہے بے گناہ افراد کا قاتل ہے اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو پامال کیا اور برسر عام فسق و فجور کا مرتکب ہوتا ہے۔ مجھ جیسا شخص کسی صورت اس جیسے شخص کی بیعت نہیں کرے گا۔ اب ہم اور تم دونوں آنے والے وقت کا انتظار کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہم میں سے کون خلافت اور بیعت کا زیادہ مستحق ہے»۔

دوران گفتگو اٹھنے والا شور و غل سن کر امامؑ کے ہمراہ آنے والے افراد نے خطرہ محسوس کیا اور ان میں سے کچھ افراد ولید کے دربار میں داخل ہو گئے اور اس طرح امام حسینؑ یزید ابن معاویہ کی بیعت یا اس موضوع پر کسی بھی قسم کی ساز باز کے سلسلے میں ولید کی امیدوں پر پانی پھیر دینے والی یہ گفتگو کر کے واپس تشریف لے گئے۔

نتیجہ: امامؑ کی اس گفتگو سے درج ذیل نکات حاصل ہوتے ہیں:

۱- امام نے اس گفتگو میں اپنا یہ موقف کھلے لفظوں میں بیان کر دیا کہ وہ یزید کی بیعت اور اس کی حکومت کو غیر قانونی سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے خاندان کی ممتاز صفات اور معاشرے میں اپنے مقام کی وضاحت کرنے کے بعد (جو امت اسلامیہ کی امامت و رہبری کے لئے ان کے استحقاق کی بہترین دلیل ہے) یزید کی خامیوں کو بھی بیان کیا جو امت اسلامیہ کی رہبری اور قیادت کے سلسلے میں اسکے دعوے کے جھوٹے ہونے اور اس منصب کے لئے اس کی نالائقی کی دلیل ہیں۔

۲- امام نے اس گفتگو کے ذریعے اپنے قیام کے اسباب اور آئندہ کی پالیسی کو بھی مکمل طور پر واضح کر دیا۔

واضح رہے کہ امام نے اپنی یہ پالیسی اس وقت بیان کی ہے جبکہ ابھی اہل کوفہ کے خطوط اور ان کی دعوت کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ کیونکہ جب ولید کی طرف سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا تو اس وقت یا تو اہل کوفہ معاویہ کی موت سے بے خبر تھے یا انہیں اسی وقت پتا چلا تھا جس وقت ولید نے امام کو مطلع کیا تھا۔

جہاں تک امام حسینؑ کو اہل کوفہ کی دعوت کی بات ہے تو جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے یہ اس وقت دی گئی جب انہیں خبر ملی کہ امام نے مطالبہ بیعت مسترد کرنے کے بعد مکہ کی جانب روانہ ہو کر اپنے جراثمدانہ جہاد کا آغاز کر دیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگرچہ ظاہری طور پر امام حسینؑ کی جدوجہد اور ان کی شہادت کے پس پشت متعدد عوامل کارفرما تھے لیکن اس عظیم جہاد کا اہم ترین مقصد اس طاقت کو مٹانا تھا جو نہ صرف یہ چاہتی تھی کہ اپنی تمام تر کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود خلافت اسلامیہ کے منصب پر قابض ہو اور ظلم و فساد کی ترویج کرے اور امت اسلامی کو تباہی و بربادی سے دوچار کر دے بلکہ درپردہ اس کی خواہش یہ بھی تھی کہ مخالفت نہ ہونے کی صورت میں خلافت اسلامی کے نقاب میں چھپ

کر اسلام اور قرآن کے خلاف خاندان ابوسفیان کے ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنائے جو رسولِ گرامیؐ کے زمانے میں جنگ و جدال کے ذریعے کامیاب نہیں ہو پائے تھے۔ درحقیقت اسی یزیدی قوت کو نیست و نابود کرنا وہ ذمے داری ہے جسے امامؑ نے اپنے بعض کلمات میں «امر بالمعروف اور نہی عن المنکر» سے تعبیر کیا ہے۔

امامؑ نے نہ صرف ولید کے ساتھ ہونے والی مذکورہ گفتگو میں اس نکتے کی طرف اشارہ فرمایا بلکہ دوسری مرتبہ اس وقت اس نکتے کو مکمل صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا جب مروان بن حکم سے آپؐ کا سامنا ہوا۔ وہی مروان بن حکم جو اہل بیتؑ کا دیرینہ دشمن اور بنی امیہ کا خاص آلہ کار تھا اور جسے معاویہ نے مدینہ کا گورنر منصوب کیا تھا۔

مروان بن حکم سے ہونے والی امامؑ کی اس گفتگو کو آئندہ صفحات میں بیان کیا جائے

گا۔



مروان بن حکم کے جواب میں

«إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ وَعَلَى الْإِسْلَامِ السَّلَامُ إِذَا
بُلِيتِ الْأُمَّةُ بِرَاعٍ مِثْلَ يَزِيدَ وَلَقَدْ سَمِعْتُ جَدِّي رَسُولَ
اللّٰهِ (ص) يَقُولُ : الْخِلَافَةُ مُحَرَّمَةٌ عَلَى الْإِبْرَاهِيمِيِّينَ
فَإِذَا رَأَيْتُمْ مَعَاوِيَةَ عَلَى مَنبَرٍ فَأَبْقِرُوا بَطْنَهُ وَقَدْرَآهُ
أَهْلُ الْمَدِينَةِ عَلَى الْمَنبَرِ فَلَمْ يَبْقِرُوا فَأَبْتَلَاهُمْ اللَّهُ بِيَزِيدَ
الْفَاسِقِ...» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

بُلِيتِ (بلی سے یلو کا صیغہ مجہول): مصیبت میں مبتلا ہونا۔ اَبْقِرُوا (بقر یبقر سے): پھاڑ دینا، شکم چاک کرنا، کسی کو ذلت و خواری کے ساتھ قتل کرنے کا کنایہ ہے۔

ترجمہ اور تشریح

کتاب ((لہوف)) کے مصنف اور بعض دوسرے مورخین کے مطابق اسی رات (جس کا

ذکر گزشتہ گفتگو میں ہوا) کے بعد آنے والی صبح کو سرِ راہ امام اور مروان کا آ منا سامنا ہوا۔ مروان نے کہا: اے ابا عبد اللہ! مجھے اپنا خیر خواہ سمجھئے آپ کے لئے میرے پاس ایک تجویز ہے جسے قبول کر لیں تو آپ کی بھلائی ہے۔ امام نے فرمایا: تمہاری تجویز کیا ہے؟ اس نے کہا: جیسا کہ کل رات ولید بن عتبہ کی مجلس میں بات ہوئی تھی، آپ یزید کی بیعت کر لیں، اسی میں آپ کے دین اور دنیا کی بھلائی ہے۔

مروان کی یہ تجویز سن کر امام نے فرمایا:

«إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ»..... اگر امت کی رہبری یزید جیسے شخص کے ہاتھوں میں ہو تو پھر اسلام پر فاتحہ پڑھ لینا چاہئے۔ میں نے اپنے جد رسول اکرمؐ سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا: خلافت خاندانِ ابوسفیان پر حرام ہے اور اگر کبھی معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اسے قتل کر دو۔ لیکن اہلِ مدینہ نے معاویہ کو منبر پر دیکھنے کے باوجود اسے قتل نہیں کیا اور اب (اس کی سزا میں) خدا نے انہیں یزید جیسے فاسق و فاجر (کی حکمرانی کی مصیبت) میں مبتلا کر دیا ہے۔»

ائمہ اطہار کی جدوجہد کے دو مختلف انداز

جیسا کہ گزشتہ خطبے کی تشریح کے دوران بیان ہوا، امام کے اس کلام سے بھی بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ نے مدینہ سے نکلنے سے قبل اور حکومتِ یزید کے ابتدائی ایام ہی میں اس حکومت کے خلاف اپنے موقف (یعنی اس کے خلاف جہاد) کو انتہائی واضح الفاظ میں بیان کر دیا تھا اور آخر تک امام اسی موقف پر قائم رہے تھے۔

البتہ ہم اس موقع پر ظالموں اور جابروں کے مدِ مقابل ائمہ ہدیٰ (علیہم السلام) کے بظاہر مختلف اور ایک دوسرے سے جدا نظر آنے والے رویوں کے بارے میں ایک انتہائی بنیادی اور اصولی موضوع کی جانب قارئین کی توجہ مبذول کرانا انتہائی مناسب سمجھتے ہیں اور وہ

یہ ہے کہ:

ظلم و ستم اور باطل حکومتوں کے خلاف جدوجہد صرف حسین ابن علیؑ کا خاصا نہیں ہے بلکہ تمام ائمہ ہدیٰ علیہم السلام نے (جو اسلام کی بقا اور اس کے تحفظ کے ذمے دار تھے) اپنے اپنے ادوار میں یہ فریضہ انجام دیا ہے اور اس جدوجہد کی قیادت کی ہے۔ البتہ ائمہ اطہارؑ نے اپنے ان دشمنوں کے خلاف جو اسلام کو اپنے مقاصد اور تمناؤں کے لئے استعمال کرتے تھے اپنے حالات کے مطابق دو ایک دوسرے سے علیحدہ نظر آنے والے اور مختلف دکھائی دینے والے اسلوب اختیار کئے ہیں۔ ایک علانیہ جدوجہد کا اسلوب اور دوسرا خفیہ جدوجہد کا طریقہ۔

۱۔ مخفی جدوجہد: جس موقع پر صورتحال ایسی ہو کہ دشمن کے مضبوط اور قوی ہونے کی بنا پر اس سے براہ راست مقابلے کا نتیجہ محض شکست اور اپنی طاقت کی بربادی دکھائی دیتا ہو اور دوسری طرف ان حالات کی وجہ سے اس مقابلے کا مستقبل بعید میں بھی کوئی فائدہ نظر نہ آ رہا ہو بلکہ اس کے برخلاف دشمن کی مزید طاقت، مضبوطی اور مکمل تسلط کا باعث بننا دکھائی دے رہا ہو تو ایسی صورت حال میں ائمہ اطہارؑ براہ راست اور علانیہ جدوجہد کی بجائے مخفیانہ جدوجہد کا راستہ اختیار کرتے تھے۔ یعنی براہ راست انقلابی اور مسلحانہ جدوجہد سے اجتناب کرتے ہوئے ظالم و جابر حکام کے ساتھ مسلسل پنچہ آزمائی اور ان کی مخالفت جاری رکھتے تھے اور یہی مخالفانہ جدوجہد تھی جس کے نتیجے میں انہیں سختیوں اور قید و بند کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور آخر کار دشمنوں کے ہاتھوں مسموم کئے جاتے اور جام شہادت نوش فرماتے تھے۔

ہمارے ائمہؑ کی اس مخالفانہ جدوجہد کے مظاہر میں سے ایک یہ ہے کہ ائمہؑ اپنے ماننے والوں کے ان ظالم حکام کے ساتھ ہر قسم کے تعاون کو حرام سمجھتے تھے ان سے کسی بھی قسم کی وابستگی کو ممنوع قرار دیتے تھے حتیٰ اپنے تنازعات کے حل و فصل اور اپنے جائز حقوق کے حصول

کے لئے بھی ان حکام سے وابستہ عدالتوں سے رجوع کرنے کی مخالفت کرتے تھے۔

اسی قسم کی مخالفانہ جدوجہد کے نمونوں اور شواہد میں سے ایک وہ گفتگو ہے جو حضرت امام موسیٰ ابن جعفرؑ اور صفوان جہال کے درمیان اس وقت ہوئی جب صفوان نے اپنے اونٹ محض سفر حج کے لئے اپنے زمانے کے آمر ہارون رشید کے درباریوں کو کرائے پر دیئے تھے۔ امام نے سختی کے ساتھ صفوان کو اس عمل سے منع کیا اور وہ امام کی اطاعت میں اس حد تک آگے بڑھے کہ اسی وقت اپنے تمام اونٹ فروخت کر دیئے۔

البتہ یہ معاملہ ہارون سے چھپا نہ رہ سکا، لہذا اس نے صفوان کو طلب کیا اور انہیں قتل کی دھمکی دی۔ (۱)

مخفیانہ جدوجہد کے نتیجے میں نہ صرف حکومت کمزور ہوتی تھی بلکہ کچھ نہ کچھ لوگ ظالم حکمرانوں کے ساتھ تعاون سے گریز کرنے لگتے تھے اور یہ عمل حکومت کی مخالفت اور اسکے غیر قانونی ہونے کی ایک سند بھی ہے۔ درحقیقت ائمہ اطہارؑ کا یہ رویہ عوام الناس کو حکمرانوں کی حقیقت سے مطلع کرتا تھا جس کے نتیجے میں علانیہ جدوجہد کا راستہ ہموار ہو جاتا تھا۔

۲۔ علانیہ جدوجہد: لیکن اگر علانیہ جدوجہد شمر بخش ہوتی نظر آتی یا حتیٰ اس کے سودمند اثرات مستقبل بعید میں بھی مرتب ہوتے دکھائی دیتے تو ائمہ اطہارؑ علانیہ جدوجہد کا راستہ اختیار کرتے تھے اور ایسے حالات میں نہ صرف خاموشی بلکہ مخفی جدوجہد کو بھی ناپسند فرماتے تھے یہاں تک کہ امیر المومنینؑ کے قول (کفر بما انزل اللہ) کے مطابق یہ فعل کفر کی حد میں شمار کیا جاتا تھا۔

امام حسینؑ کی سیرت میں ان دونوں ہی اقسام کی جدوجہد نمایاں صورت میں نظر آتی ہے۔ کیونکہ آپؑ پچاس ہجری سے ساٹھ ہجری تک (امام حسنؑ کی شہادت سے معاویہ کی موت

۱۔ مکاسب شیخ انصاری، فصل حرمت معاونت بہ ظالمان (ظالموں سے تعاون کی حرمت)

تک) دس سال کے عرصے تک بعض دوسرے ائمہ کی مانند حالات کے پیش نظر مخفی جدوجہد کا راستہ اختیار کئے رہے اور معاویہ کی موت کے بعد حالات کے تبدیل ہوتے ہی جب علانیہ جدوجہد کے مواقع میسر ہوئے تو آپؐ نے بلا کسی تاثر اور اپنے تمام دوستوں اور اعزہ کی مخالفت کے باوجود علانیہ جدوجہد کا آغاز کیا اور یزید کے خلاف اپنے انقلابی موقف کا کھل کر اظہار کیا اور اعوان و انصار کی کمی لوگوں کی بے وفائی اور عوام الناس پر چھائے ہوئے خوف و ہراس کو جاننے کے باوجود اس راستے کا انتخاب کیا جو آپؐ کی شہادت پر تمام ہوتا تھا۔ اگرچہ اس راہ میں آپؐ کا جسد اقدس تیرو سناں کا نشانہ بنا اور اسے گھوڑوں کے سموں سے پامال کیا گیا۔

لیکن اب حالات ایسے ہو چکے تھے جن کی وجہ سے یہ پاک و پاکیزہ خون رائیگاں نہیں گیا اور اپنی وسیع پروپیگنڈا مشنری کے باوجود بنی امیہ اسے چھپانہ سکے۔ سوال کیا جاتا ہے کہ اگر معاویہ کا دور ہوتا اور ایسے ہی حالات پیش آ جاتے تو کیا امام حسینؑ کا یہ راہ اختیار کرنا مناسب ہوتا؟

جواب میں عرض ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً امام حسینؑ بھی اپنے والد امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی مانند معاویہ کے خلاف مخفی کی بجائے علانیہ جدوجہد کا راستہ اختیار کرتے۔



۳

قبر رسولؐ پر

«السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ فَاطِمَةَ
فَرْخُكَ وَابْنُ فَرْخَتِكَ وَ سِبْطُكَ الَّذِي خَلَفْتَنِي فِي
أُمَّتِكَ فَاشْهَدْ يَا نَبِيَّ اللَّهِ أَنَّهُمْ خَذَلُونِي وَلَمْ يَحْفَظُونِي
وَهَذِهِ شَكْوَايَ إِلَيْكَ حَتَّى الْفَاقِ.....» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

فَرْخُ اور فَرْخَةُ: درخت کی شاخ، کنائے کے طور پر ہر قابلِ محبت اولاد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ سِبْطُ: انسان کے بدن کا ٹکڑا، اولاد اور ان کی نسلوں کو بھی سبط کہا جاتا ہے۔
خَذَلُونِي (خذل سے ماخوذ ہے): بے یار و مددگار چھوڑ دینا۔

ترجمہ اور تشریح

ولید سے ہونے والی گفتگو کے بعد امامؑ نے حکومتِ یزید کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا، لیکن اس کے لئے ایک ایسا انداز اختیار کیا کہ آپؐ کی یہ جدوجہد صرف مدینہ ہی میں محدود ہو کے نہ رہ جائے بلکہ شجاعت کی ایک ایسی علامت بن جائے جو تا قیامت

زندہ رہے۔

کتبِ تاریخ کے مطابق، اپنے سفر کے آغاز سے قبل، امام حسینؑ کئی مرتبہ اپنے جد امجد رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قبر مطہر کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ البتہ وہ تمام اسرار اور راز و نیاز ہم پر واضح نہیں جو ان زیارات کے دوران امامؑ نے اپنے جد امجد کے حضور عرض کئے لیکن کتبِ تاریخ میں نقل ہونے والی ایسی دو زیارتوں کے متن سے بخوبی واضح ہے کہ ان زیارتوں میں امامؑ نے اپنے سفر کی وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

زیر نظر صفحات میں پہلی زیارت اور آئندہ صفحات میں دوسری زیارت کا متن درج کر کے ہم ان زیارتوں میں موجود قابل توجہ نکات کی نشاندہی کریں گے۔

«خطیب خوارزمی» کے بیان کے مطابق، امامؑ اسی رات دارالامارہ سے واپسی پر حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے اور یہ کہتے ہوئے مرقد انور کی زیارت کی:

«الْسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ..... اے رسول اللہ! آپ پر میرا سلام ہو، میں، حسینؑ آپ کا فرزند اور آپ کا نواسہ ہوں، میں آپ کا وہ فرزند ہوں جسے امت کی ہدایت اور رہبری کے لئے آپ نے اپنا جانشین بنایا ہے۔ اے رسول اللہ! آپ گواہ رہئے گا کہ انہوں نے مجھے بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے اور میری حفاظت نہیں کی ہے۔ یہ آپ کی بارگاہ میں میری شکایت ہے، یہاں تک کہ میں آکر آپ سے مل جاؤں۔»



دوبارہ مرقدِ رسولؐ پر حاضری

«اللَّهُمَّ إِنَّ هَذَا قَبْرُ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ (ص) وَأَنَا ابْنُ بِنْتِ
نَبِيِّكَ وَقَدْ حَضَرَنِي مِنَ الْأُمْرِ مَا قَدْ عَلِمْتَ اللَّهُمَّ إِنِّي
أَحِبُّ الْمَعْرُوفَ وَأُكْرِهُ الْمُنْكَرَ وَأَسْأَلُكَ يَا ذَا الْجَلَالِ
وَالْإِكْرَامِ بِحَقِّ الْقَبْرِ وَمَنْ فِيهِ إِلَّا اخْتَرْتُ لِي مَا هُوَ
لَكَ رِضَى وَلِرَسُولِكَ رِضَى» (۱)

ترجمہ اور تشریح

مکہ روانگی کا فیصلہ کرنے کے بعد دوسری رات امامؑ ایک بار پھر قبرِ رسولؐ کی زیارت کے لئے تشریف لائے اور ان جملات سے اپنے جدِ امجد کی زیارت کی:

«اللَّهُمَّ إِنَّ هَذَا قَبْرُ نَبِيِّكَ..... بَارِ الْهَآءِ! یہ تیرے نبی محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی قبر ہے اور میں تیرے نبی کا نواسہ ہوں اور جو کچھ میرے لئے پیش آیا ہے تو اس سے آگاہ ہے۔ بَارِ الْهَآءِ! میں نیکی اور بھلائی سے پیار کرتا ہوں اور برائی سے نفرت۔ اے ذوالجلال والاکرام! اس قبر اور صاحبِ قبر کے

واسطے سے (تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ) میرے لئے وہ (راہ) پسند فرما جس میں تیری اور تیرے رسول کی رضا اور خوشنودی ہو۔»

«خوارزمی» کے بیان کے مطابق اس رات امام صبح تک قبر رسولؐ پر کچھ اسطرح عبادات و مناجات میں مشغول رہے کہ مناجات کے دوران اس شب زندہ دار مرد میدان کے نالہ و فغاں کی بلند ہونے والی صدا میں دوسروں کو بھی سنائی دے رہی تھیں۔

نتیجہ: ان دو زیارات میں امامؑ نے اپنی پالیسی کا خاکہ کھینچ دیا اور اس کی اہمیت کی جانب اشارہ کیا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا، پہلی زیارت میں بنی امیہ کے طرزِ عمل کی شکایت کرتے ہوئے ایک مختصر جملے میں شہادت کے لئے اپنی آمادگی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: اور یہ آپؐ کے حضور میری شکایت ہے، یہاں تک کہ میں آپؐ سے جا ملوں۔

دوسری زیارت میں آپؐ کو پیش آنے والے ایک اہم واقعے کا ذکر ہے جو ایک عام فرد کے لئے تو شاید اہم نہ ہو، لیکن فرزندِ رسولؐ کی نگاہ میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس زیارت میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ امامؑ نیکوں سے شدید انس و محبت رکھتے ہیں اور برائیوں سے شدید متنفر ہیں اور خدا اور رسولؐ کی رضا و خوشنودی کا باعث بننے والی اس محبت اور نفرت کے تقاضے کے تحت امامؑ نیکوں کی ترویج اور برائیوں کے سد باب کے لئے اپنی جان تک فدا کرنے پر تیار ہیں۔



عمر اطرف کے جواب میں

«حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ (ص) أَخْبَرَهُ بِقَتْلِهِ وَقَتْلِي وَأَنَّ
تُرْبَتَهُ تَكُونُ بِالْقُرْبِ مِنْ تُرْبَتِي أَتَظُنُّ أَنَّكَ عَلِمْتَ مَا لَمْ
أَعْلَمْهُ؟ وَاللَّهِ لَا أُعْطِي الدُّنْيَا مِنْ نَفْسِي أَبَدًا وَلَتَلْقَيْنَ
فَاطِمَةَ أَبَاهَا شَاكِيَةً مَا لَقِيَتْ ذُرِّيَّتَهَا مِنْ أُمَّتِهِ وَلَا يَدْخُلُ
الْجَنَّةَ أَحَدٌ أَذَاهَا فِي ذُرِّيَّتِهَا.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

تُرْبَت: مقبرے کی خاک۔ دُنْيَا اور دُنَائَا: ذلت و حقارت۔

ترجمہ اور تشریح

جب امامؑ کے انکارِ بیعت، یزید کے خلاف جدوجہد اور مدینہ منورہ سے آپؑ کے کوچ کے فیصلے کی اطلاع، مدینہ کے سرکردہ افراد خاص کر بنی ہاشم تک پہنچی، تو ان میں سے چند افراد جو مقامِ امامت اور اس کی ذمہ داریوں سے بے خبر تھے اور امامؑ کی سلامتی انہیں بہت زیادہ عزیز تھی وہ امامؑ سے اپنی اسی چاہت کی وجہ سے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں یزید کے

ساتھ سمجھوتا کر لینے کی تجویز پیش کی۔ انہی افراد میں سے ایک «عمر اطرف» تھے جو حضرت علیؑ کے فرزندوں میں سے ہیں۔

کتاب «لہوف» کے مطابق انہوں نے یہ موضوع کچھ اس طرح امامؑ کی خدمت میں پیش کیا: اے برادر! بھیا حسنؑ نے والدِ گرامی امیر المومنینؑ سے روایت نقل کرتے ہوئے مجھے بتایا تھا کہ آپؑ کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور میرا خیال ہے کہ یزید ابن معاویہ کی مخالفت کے نتیجے میں آپؑ قتل کر دیئے جائیں گے اور یہ اطلاع حقیقت بن جائے گی۔ لیکن اگر آپؑ یزید کی بیعت کر لیں تو یہ خطرہ ٹل جائے گا اور آپؑ کی جان محفوظ رہے گی۔

امامؑ نے ان کے جواب میں فرمایا:

«حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ (ص)..... میرے والدِ گرامی نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ایک روایت بیان کرتے ہوئے اپنے مارے جانے اور اسی طرح میرے مارے جانے کی اطلاع مجھے بھی دی تھی اور والدِ محترم نے مزید یہ بھی فرمایا تھا کہ میری قبر ان کی قبر کے نزدیک واقع ہوگی۔ کیا آپؑ یہ سمجھتے ہیں کہ جو چیز آپؑ کو معلوم ہے، میں اس سے بے خبر ہوں؟ خدا کی قسم میں کبھی ذلت اور پستی برداشت نہیں کروں گا اور جب میری والدہ فاطمہؑ (روزِ قیامت) اپنے والد سے ملیں گی تو ان کے حضور اس سلوک کی شکایت کریں گی جو امتِ رسولؐ نے اولادِ فاطمہؑ کے ساتھ روا رکھا۔ اور جو کوئی اولادِ فاطمہؑ کو اذیت پہنچا کے جنابِ فاطمہؑ کو رنجیدہ کرے گا، وہ ہرگز جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔»

نتیجہ: امامؑ نے اس گفتگو اور اپنے بھائی کے جواب میں نہ صرف اپنے مارے جانے کی اطلاع دی، جس سے ان کے بھائی خود بھی آگاہ تھے، بلکہ اس کی بعض تفصیلات کا بھی ذکر کیا، جو انہوں

نے براہِ راست اپنے والد حضرت علی علیہ السلام سے اور انہوں نے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھیں۔ ان ہی تفصیلات میں سے ان دونوں ائمہ کی قبور کا ایک دوسرے کے نزدیک واقع ہونا بھی ہے۔ اور جیسا کہ سب جانتے ہیں حضرت علیؑ کی مرقدِ مطہر نجف اشرف میں اور امام حسینؑ کا روضہ اقدس کربلائے معلیٰ میں واقع ہے۔



زوجہ رسول حضرت ام سلمہؓ کے جواب میں

«يَا أُمّاهُ وَأَنَا أَعْلَمُ أَنِّي مَقْتُولٌ مَذْبُوحٌ ظُلْمًا وَعُدُوًّا أَنَا وَقَدْ
شَاءَ عَزَّوَجَلَّ أَنْ يَرَى حَرَمِي وَرَهْطِي مُشَرَّدِينَ وَأَطْفَالِي
مَذْبُوحِينَ مَا سُورِينَ مُقَيَّدِينَ وَهُمْ يَسْتَغِيثُونَ فَلَا
يَجِدُونَ نَاصِرًا.....» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

حَرَم (ح اور د پر زبر کے ساتھ): بیوی بچے۔ رَهْط: زوجہ کے علاوہ قوم و قبیلے کے
دوسرے تمام افراد اور رشتے داروں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مُشَرَّد (مصدر تشرید کا
صیغہ مفعول): منتشر کر دینا یا کسی شخص کو اس کے آبائی وطن سے نکال دینا۔ مَا سُورِينَ
(مَا سُور کی جمع جو کہ اسر سے ماخوذ ہے): اسیر کئے جانے والے۔ مُقَيَّدِينَ (مادہ قیلکا
اسم مفعول اور اس کی جمع ہے): زنجیروں میں بندھے ہوئے۔ يَسْتَغِيثُونَ (استغاثہ سے
ماخوذ ہے): مدد طلب کرنا۔

ترجمہ اور تشریح

مرحوم راوندی، بحرانی اور دوسرے محدثین کی روایت کے مطابق جب زوجہ رسول حضرت ام سلمہ کو امام حسینؑ کے سفر کی اطلاع ملی تو وہ امام کی خدمت میں تشریف لائیں اور عرض کیا: لا تحزنی بخروجک الی العراق..... اس طرح عراق کی سمت روانہ ہو کر مجھے غمگین نہ کیجئے کیونکہ میں نے آپ کے نانا رسول خدا سے سنا ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ: میرا فرزند حسینؑ سرزمین عراق میں کر بلانا می مقام پر مارا جائے گا۔

امامؑ نے انہیں جواب دیا:

»یا اُمّاه وَاَنَا اَعْلَمُ اَنّی مَقْتُولٌ مَذْبُوحٌ ظُلْمًا..... اے اماں! (یہ نہ سمجھئے کہ اس معاملے سے صرف آپ آگاہ ہیں) میں خود آپ سے زیادہ واقف ہوں کہ میں ظلم و ستم اور دشمنی کے نتیجے میں مارا جاؤں گا (اور میرا سرتن سے جدا کر دیا جائے گا)۔ خداوند عزوجل نے چاہا ہے کہ میرے اہل حرم اور رشتے دار بے وطن ہوں، میرے بچے ذبح ہوں، قیدی بنائے جائیں اور انہیں زنجیروں میں جکڑا جائے اور وہ مدد کے لئے پکاریں اور کوئی ان کا ناصر و مددگار نہ ہو۔«

مستقبل کے واقعات کے بارے میں امام کا علم

امامؑ کی «عمر اطرف» اور «ام سلمہ» کے ساتھ ہونے والی گفتگو اور آپؑ کے دوسرے بیانات کی روشنی میں (جنہیں ہم دوسری مختلف مناسبتوں پر نقل کریں گے) یہ امر واضح ہے کہ امامؑ اس جدوجہد کے دوران پڑنے والے تمام مصائب و آلام اپنے اہل بیتؑ کی اسیری، اپنی مرقد مطہر کے مقام اور ایسی ہی دوسری تفصیلات سے بخوبی آگاہ تھے۔

ہم امام کی اس آگاہی کو صرف آپ کے «علم امامت» سے وابستہ نہیں سمجھتے (جو عقائد کی ایک بحث ہے) بلکہ امام حسینؑ کو ان خاص امور کی تمام معلومات «علم امامت» کے علاوہ عام طریقوں سے اور اپنے والد اور نانا کے ذریعے سے بھی حاصل ہوئی تھیں، جیسے کہ رسول اکرمؐ کی بعض ازواج اور اصحاب بھی ان معاملات سے مطلع تھے۔

اسلامی تحریک اور اس عظیم الشان انقلاب کے قائد (امام حسینؑ) نے مقصد تک رسائی اپنے شرعی فریضے کی ادائیگی، اسلام و قرآن کو اس صورتحال سے نجات دلانے اور ظلم و ستم سے مقابلے کے لئے ان تمام مصائب اور آلام کو مکمل علم و آگاہی کے ساتھ قبول کیا تھا۔

جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، حضرت ام سلمہؓ کے جواب میں امام کی گفتگو (کچھ فرق کے ساتھ) حدیث اور تاریخ کی متعدد کتب میں درج ہوئی ہے (۱) اور ممکن ہے کہ ان تمام کتب میں یہ روایت ایک ہی ماخذ سے نقل ہوئی ہو، اور وہ ماخذ بھی وثوق اور اعتبار کے لحاظ سے مشکوک ہو۔ خود ہم بھی اس روایت کے وثوق پر اصرار نہیں کرتے اور نہ ہی مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات سے امام کی واقفیت کے بارے میں صرف اس ایک روایت کو دلیل سمجھتے ہیں بلکہ اہل تشیع (۲) اور اہل تسنن (۳) دونوں فرقوں کے علما نے گزشتہ انبیاءؑ نبی اکرمؐ اور امیر المومنینؑ سے منسوب دسیوں ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں کربلا کے واقعات اور تاریخ عاشورا کو بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ روایات ہمیں حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے بے نیاز کر دیتی

۱۔ خراج راوندی۔ ص ۲۶، مدینۃ المعاجز بحرانی۔ ص ۲۴۴، اثبات الوصیہ۔ ص ۱۶۲، بحار الانوار۔ ج ۴۴۔ ص ۳۳۱۔

۲۔ صرف مرحوم مجلسی نے بحار الانوار کی جلد ۴۴ میں اس سلسلے میں ۱۷ روایات درج کی ہیں۔

۳۔ صرف علامہ امینی نے اپنی گرانقدر کتاب «سیرتنا و سنتنا» میں اس بارے میں اہل سنت کی کتب سے ۲۰ سے زیادہ روایات نقل کی ہیں اور ان روایات کے رجال اور راویوں کے وثوق کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

ہیں۔ یہاں ہم نے اس روایت کو صرف امام کے جواب اور کلام کے متن کی مناسبت سے نقل کیا ہے۔

تعجب کا مقام ہے کہ ایک مصنف نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ امام واقعاتِ کربلا کے بارے میں پہلے سے مطلع نہیں تھے ہزار کوشش کی ہے کہ ام سلمہؓ کی روایت کو ضعیف اور غیر معتبر ثابت کرے۔ نہیں معلوم مصنف موصوف ان دوسری دسیوں روایات کا کیا جواب دیں گے اور وہ کیوں ان تمام دوسری روایات کو نظر انداز کر کے ان کے بارے میں خاموش ہیں؟ اب رہی یہ بات کہ جب امام جانتے تھے کہ وہ اس راہ میں شہید کر دے جائیں گے تو آخر کیوں انہوں نے یہ قیام فرمایا؟ اور آپؐ کے اس جملے کا کیا مطلب ہے کہ: خدا نے چاہا ہے کہ میں اس راہ میں مارا جاؤں.....؟ یہ وہ مسائل ہیں جن کے جواب اسی کتاب کے آئندہ صفحات میں آپ کو مل جائیں گے۔



۷

محمد حنفیہ کے جواب میں

«يَا أَخِي لَوْ لَمْ يَكُنْ فِي الدُّنْيَا مَلْجَأٌ وَلَا مَأْوَى لَمَّا بَايَعْتُ
يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ..... يَا أَخِي جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا لَقَدْ
نَصَحْتُ وَأَشَرْتُ بِالصَّوَابِ وَأَنَا عَازِمٌ عَلَى الْخُرُوجِ
إِلَى مَكَّةَ وَقَدْ تَهَيَّأْتُ لِذَلِكَ أَنَا وَإِخْوَتِي وَبَنُو أَخِي
وَشِيعَتِي وَأَمْرُهُمْ أَمْرِي وَرَأْيُهُمْ رَأْيِي وَأَمَّا أَنْتَ فَلَا
عَلَيْكَ أَنْ تُقِيمَ بِالْمَدِينَةِ فَتَكُونَ لِي عَيْنًا عَلَيْهِمْ لَا
تُخْفِي عَنِّي شَيْئًا مِنْ أُمُورِهِمْ» (۱)

لَا ذَعَرْتُ السَّوَامَ فِي فَلَقِ الصُّبْحِ مُغِيرًا وَلَا دُعِيْتُ يَزِيدًا
يَوْمَ أُعْطِيَ مَخَافَةَ الْمَوْتِ كَفَا وَالْمَنَايَا يَرُصُّدَنِي أَنْ أَحِيدَا (۲)

ترجمہ اور تشریح

امیر المومنین کے ایک اور فرزند محمد حنفیہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حسین ابن علی

۱۔ مقتل عوالم۔ ص ۵۴، مقتل خوارزمی۔ ج ۱۔ ص ۱۸۸۔

۲۔ تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۲۲۱، تاریخ کامل ابن اثیر۔ ج ۳۔ ص ۲۶۵، ارشاد مفید۔ ص ۲۰۲۔

کے فیصلے پر خوف و وحشت کا اظہار کیا۔ ((طبری)) اور دوسرے مورخین کے مطابق وہ امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا: بھائی! آپ مجھے تمام انسانوں میں سب سے زیادہ محبوب اور محترم ہیں اور یہ میری ذمہ داری ہے کہ جس چیز کو آپ کے حق میں بھلا اور بہتر سمجھوں اس سے آپ کو آگاہ کروں۔ میرے خیال میں جس حد تک ممکن ہو آپ کسی ایک شہر میں نہ ٹھہریں اور اپنے خاندان کے ہمراہ کسی ایسی جگہ تشریف لے جائیں جو یزید کی دسترس سے باہر اور ان شہروں سے دور ہو۔ پھر وہاں رہتے ہوئے آپ اپنے نمائندے بھیجیں اور اپنے لئے لوگوں کی حمایت حاصل کریں۔ اس صورت میں اگر لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تو خدا کا شکر اور اگر کسی اور کی بیعت کر لی تب بھی آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ لیکن اگر آپ ان شہروں میں سے کسی ایک شہر میں گئے تو مجھے ڈر ہے کہ لوگوں میں اختلاف پھوٹ پڑے گا۔ کچھ لوگ آپ کی حمایت کریں گے اور کچھ آپ کی مخالفت میں اٹھیں گے اور معاملہ خون خرابے تک جا پہنچے گا اور اس جنگ و جدال کے دوران آپ ظلم و ستم کا نشانہ بن جائیں گے۔ یوں اس قوم کے بہترین افراد کا خون ضائع ہوگا اور آپ کے اہل بیت کو ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہ سن کر امام نے فرمایا: آپ کے خیال میں مجھے کس علاقے میں جانا چاہئے؟

محمد حنفیہ نے کہا: میرا خیال ہے کہ آپ مکہ تشریف لے جائیں اور اگر وہاں حالات سازگار نہ ہوں تو صحرا اور بیابان کے راستے ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتے رہیں تاکہ لوگوں کے حالات اور مستقبل کا جائزہ لے سکیں۔ آپ کی بصیرت اور دوراندیشی کو دیکھتے ہوئے مجھے امید ہے کہ آپ ہمیشہ صحیح راستے کا انتخاب کریں گے اور تمام مشکلات کو کمال دانائی اور احتیاط کے ساتھ حل کرتے چلے جائیں گے۔

امام نے محمد حنفیہ کے جواب میں فرمایا:

«يَا اَخِي لَوْ لَمْ يَكُنْ فِي الدُّنْيَا مَلْجَا وَلَا مَأْوٰى بھیا! (آپ جو

مجھے یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ میں یزید کی بیعت سے بچنے کے لئے ایک شہر سے دوسرے شہر جاؤں تو یہ جان لیجئے کہ) اگر اس وسیع و عریض دنیا میں میرے لئے کوئی پناہ گاہ یا ٹھکانا نہ رہے تب بھی میں ہرگز یزید ابن معاویہ کی بیعت نہیں کروں گا۔»

اس حال میں کہ محمد حنفیہ کے آنسو ان کے رخساروں پر بہہ رہے تھے امام نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

«يَا أَحْيَىٰ جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا لَّقَدْ نَصَحْتُ..... اے بھائی! خداوند متعال اس خیر خواہی اور ہمدردی کے عوض آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے لیکن میں (اپنی ذمے داری کو آپ سے بہتر جانتا ہوں اور میں) نے مکہ کی سمت روانگی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میرے بھائی، بھتیجے اور پیروکاروں میں سے چند افراد اس سفر کے لئے تیار ہیں۔ کیونکہ یہ افراد مجھ سے متفق ہیں اور ان کے اہداف اور مقاصد بھی وہی ہیں جو میرے پیش نظر ہیں۔ ہاں! آپ کی ذمے داری یہ ہے کہ آپ مدینہ میں میری آنکھ بن کر رہیں اور کوئی اہم بات آپ سے پوشیدہ نہ رہے (یعنی میری غیر موجودگی میں یہاں بنی امیہ کے کارندوں کی رفت و آمد اور حرکات پر نظر رکھیں اور اس سلسلے میں ضروری اطلاعات مجھے فراہم کرتے رہیں)۔»

محمد حنفیہ سے گفتگو کے بعد امام ایک بار پھر مسجد نبوی اور حرم مطہر کی سمت روانہ ہوئے۔ آپ راستے میں یزید ابن مفرغ کے دو شعر پڑھتے جاتے تھے جن میں شاعر نے خطرات کے باوجود اپنی عزت اور وقار کی حفاظت کے عزم کا اظہار کیا ہے۔

لاذعرت السوام في فلق الصبح مغير اولاد عيت يزيديا
يوم اعطى مخافة الموت كفا والمنايا يرصدني ان حيدا

» مجھے کوئی خوف نہیں کہ صبح کے وقت مجھ پر حملہ ہو یا رات کی تاریکی میں نشانہ بنوں۔ اگر میں موت کے ڈر سے ذلت قبول کر لوں اور خطروں سے بچنے کی کوشش کروں تو مجھے یزید (بن مفرغ) نہ کہنا۔«

ابوسعید مقبری کہتے ہیں: جب میں نے مسجد نبوی کی سمت جاتے ہوئے امام حسینؑ کو یہ شعر پڑھتے سنا، تو میں سمجھ گیا کہ وہ کوئی انتہائی بڑا اور اہم فیصلہ کر چکے ہیں۔ (۱)

نتیجہ: امامؑ نے محمد حنفیہ کے ساتھ ہونے والی اس گفتگو میں اور یزید بن مفرغ کے اشعار کے ذریعے اپنے جہاد کے اہم ترین مقصد یعنی یزید بن معاویہ کی مخالفت کو صاف الفاظ میں بیان کر دیا اور اپنے اس دو ٹوک عزم کا اعلان کیا کہ اگر اس وسیع و عریض زمین پر ان کے لئے کوئی بھی پناہ گاہ باقی نہ رہے تب بھی وہ کسی صورت یزید کی بیعت نہیں کریں گے اور اپنے عظیم مقصد کی راہ میں تمام تر خطرات کا پامردی اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔

یہی امامؑ کا مقصد تھا جسے آپؑ نے کبھی لوگوں سے اپنی گفتگو اور کبھی شعر کے ذریعے واضح الفاظ میں بیان کیا تھا۔



۱- تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۲۲۱، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۶۵، جیسا کہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۵۳ میں بیان کیا ہے یہ دو شعر جو امامؑ پڑھ رہے تھے یزید بن مفرغ حمیری کے ہیں۔

امام حسینؑ کا وصیت نامہ

«بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ، هَذَا مَا أَوْصَى بِهِ الْحُسَيْنُ
 بْنُ عَلِيٍّ إِلَى أَخِيهِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ أَنَّ الْحُسَيْنَ يَشْهَدُ
 أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ
 وَرَسُولُهُ جَاءَ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِهِ وَأَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَالنَّارَ حَقٌّ
 وَالسَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ
 وَأَنِّي لَمْ أَخْرُجْ أَشْرًا وَلَا بَطِرًا وَلَا مُفْسِدًا وَلَا
 ظَالِمًا وَأَنَّمَا خَرَجْتُ لَطَلَبِ الْإِصْلَاحِ فِي أُمَّةٍ جَدِّي
 (ص) أُرِيدُ أَنْ أَمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَأَنْهِيَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَسِيرَ
 بِسِيرَةِ جَدِّي وَأَبِي عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَمَنْ قَبِلَنِي بِقَبُولِ
 الْحَقِّ فَاللَّهُ أَوْلَى بِالْحَقِّ وَمَنْ رَدَّ عَلَيَّ هَذَا أَصْبِرُ حَتَّى
 يَقْضِيَ اللَّهُ بَيْنِي وَبَيْنَ الْقَوْمِ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ وَهَذِهِ
 وَصِيَّتِي إِلَيْكَ يَا أَخِي وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

وَالِيهِ اُنِيبُ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اَشْرِيَا شِرُّ سے اَشِر: سرکشی، بغاوت اور گھمنڈ۔ بَطْر: حق سے روگرداں ہونا اور اسکے مقابل اکڑنا۔

ترجمہ اور تشریح

امامؑ نے مدینہ سے مکہ کی جانب روانگی کے وقت، یہ وصیت نامہ تحریر فرمایا اور اپنی مہر لگانے کے بعد اسے محمد حنفیہ کے سپرد کر دیا:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ یہ حسین ابن علی کی وصیت ہے اپنے بھائی محمد حنفیہ کے نام۔ حسین گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے اور محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں جو اس کی طرف سے دین حق لے کر آئے ہیں۔ اور (حسینؑ یہ بھی) گواہی دیتا ہے کہ جنت اور دوزخ حق (حقیقت) ہیں اور روز جزا کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے اور (اس روز) یقیناً اللہ تمام اہل قبور کو زندہ کرے گا۔»

اپنے اس وصیت نامے میں امامؑ نے توحید، نبوت اور قیامت کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کرنے کے بعد اپنے اس سفر کے مقاصد ان الفاظ میں بیان کئے:

«وَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشِرًا وَلَا بَطْرًا وَلَا مُفْسِدًا..... (مدینہ سے) میرا نکلنا نہ خود پسندی اور تفریح کی غرض سے ہے اور نہ فساد اور ظلم و ستم میرا مقصد ہے۔ میں تو صرف اس لیے نکلا ہوں کہ اپنے نانا کی امت کی اصلاح کروں۔

میں چاہتا ہوں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو انجام دوں اور یوں (اس انجام دہی میں) اپنے نانا اور اپنے والد گرامی کی سیرت کی پیروی کروں۔

»فَمَنْ قَبِلْنِي بِقَبُولِ الْحَقِّ فَإِنَّ اللَّهَ أَوْلَىٰ بِالْحَقِّ..... اب اگر کوئی میری دعوت کو حق سمجھ کر قبول کرے تو اس نے اللہ کا راستہ اختیار کیا ہے اور اگر میری دعوت کو مسترد کر دے تو میں صبر کروں گا، یہاں تک کہ اللہ میرے اور ان افراد کے درمیان فیصلہ کرے اور اللہ ہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ اے برادر! یہی آپ کے لئے میری وصیت ہے اور میری توفیقات تو صرف اللہ کی جانب سے ہیں، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی جانب مجھے پلٹنا ہے۔«

امام حسینؑ کے قیام کے اسباب

امام حسین علیہ السلام نے ولید اور مروان کے جواب میں اپنی جدوجہد کے اولین محرک اور یزید ابن معاویہ کی مخالفت کا سبب بیان کیا اور اب آپؑ مدینہ سے روانگی کے وقت اپنی وصیت میں ایک دوسرے محرک یا اس قیام کے بنیادی ترین سبب کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی برائیوں اور یزیدی حکومت کے غیر اسلامی اور غیر انسانی طرزِ عمل کی مخالفت ہے۔

اس ضمن میں آپؑ کا نکتہ نظر یہ ہے کہ: اگر مجھ سے بیعت کا مطالبہ نہ بھی کیا جائے تب بھی میں خاموش اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا رہوں گا۔ کیونکہ اگر بابِ اقتدار سے میرا اختلاف محض یزید کی بیعت تک محدود نہیں ہے، کہ اگر وہ بیعت کے سلسلے میں خاموش رہے تو میں بھی خاموش رہوں گا۔ بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ یزید اور خاندانِ یزید ظلم و ستم، معاشرتی خرابیوں اور اسلامی احکام میں تبدیلی کا سبب بن رہا ہے اور میری ذمہ داری ہے کہ ان خرابیوں کی

اصلاح، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی انجام دہی، اپنے نانا رسول اللہ کی سنت کے احیا اور اپنے والد بزرگوار کی سیرت کو زندہ کرنے اور عدل و انصاف کے فروغ کے لئے خم ٹھونک کر میدان میں اتروں اور بنی امیہ کا قلع قمع کر دوں، جو ان تمام خرابیوں کی جڑ ہیں۔ اور دنیا جان لے کہ حسینؑ نہ ہی جاہ و مقام اور دولت و ثروت کا طالب ہے اور نہ ہی شرف و فساد اور امورِ مسلمین میں رخنہ اندازی چاہتا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو قیامِ امام حسینؑ کے روزِ اوّل سے آخری دن تک اور حیاتِ حسینیؑ کے آخری لچلے تک جلوہ افروز رہی۔

یہاں یہ سوال بھی پیش آتا ہے کہ کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی انجام دہی کی ایک شرط یہ نہیں ہے کہ اس فریضے کی ادائیگی میں جان و مال کا خطرہ نہ ہو؟ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ امامؑ نے نہ صرف اس شرط کو نظر انداز کیا بلکہ اس راہ میں اتنا آگے بڑھے کہ اپنی اور اپنے انصار کی جانیں فدا کر دیں اور اپنے اہل بیت اور مخدرات کی اسیری تک کو قبول کیا۔ ہم اس کتاب کے دوسرے حصے میں تفصیلاً اس سوال کا جواب دیں گے۔ (۱)



مدینہ سے روانگی کے وقت امام کے کلمات

«فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ
الظَّالِمِينَ» (۱)

..... لَا وَاللَّهِ لَا أَفَارِقُهُ حَتَّى يَقْضِيَ اللَّهُ مَا هُوَ قَاضٍ...» (۲)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

تَرَقَّبُ اور اِرْتِقَابُ: انتظار کسی چیز پر نظر رکھنا۔

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؑ نے ولید کے بلاوے پر اس سے ملاقات کی اور کھلے لفظوں میں اپنا موقف بیان کیا، جبکہ ان کے برخلاف عبداللہ ابن زبیر نے ولید سے ملاقات نہیں کی اور رات کے وقت چھپتے چھپاتے مدینہ سے نکلے اور ایک غیر معروف راستہ اختیار کر کے مکہ کی سمت روانہ ہو گئے۔
امام حسینؑ اتوار کے دن، ماہِ رجب کے اختتام سے دو دن قبل، اپنے اہل و عیال اور خاندان والوں کے ہمراہ مکہ کی سمت روانہ ہوئے۔ مدینہ سے روانگی کے وقت آپؑ کی زبان

۲۱۔ تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۲۲۲، تاریخ کامل ابن اثیر۔ ج ۳۔ ص ۲۶۵، ارشاد مفید۔ ص ۲۰۲، مقتل خوارزمی۔ ج ۱۔ ص ۱۸۹۔

مبارک پر قرآن مجید کی وہ آیہ کریمہ تھی جو حضرت موسیٰ کی مصر سے روانگی اور فرعونوں سے ان کے مقابلے کی تیاری کے بارے میں نازل ہوئی ہے: فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ. (تو موسیٰ شہر سے باہر نکلے خوفزدہ اور دائیں بائیں دیکھتے ہوئے اور کہا کہ پروردگار مجھے ظالم قوم سے محفوظ رکھنا۔ سورہ قصص ۲۸-۲۹ آیت ۲۱)

امام حسینؑ نے عبداللہ ابن زبیر کی طرح چھپ کر سفر کرنے کی بجائے وہی راستہ اختیار کیا جسے عام طور پر مسافر اور کاروان مکہ جانے کے لئے استعمال کرتے تھے۔

امامؑ کے ایک ساتھی نے مشورہ دیا کہ مناسب یہ ہے کہ آپؑ بھی عبداللہ ابن زبیر کی طرح کسی غیر معروف اور پہاڑی راستے کا انتخاب کیجئے تاکہ اگر یزید کے کارندوں میں سے کچھ لوگ پیچھا کر کے آپؑ کو نقصان پہنچانا چاہیں تو اپنے ارادوں میں ناکام رہیں۔

اس تجویز کے جواب میں امامؑ نے فرمایا:

«..... لَا وَاللَّهِ لَا أَفَارِقُهُ حَتَّى يَقْضِيَ اللَّهُ مَا هُوَ قَاضٍ.»

» نہیں، خدا کی قسم میں کسی بھی صورت میں شاہراہِ عام چھوڑ کر غیر معروف

راستوں پر سفر نہیں کروں گا، یہاں تک کہ جو مشیتِ الہی ہے وہ ہو جائے۔»

نتیجہ: امامؑ کے اس جواب سے بخوبی واضح ہے کہ امامؑ کسی خوف کی وجہ سے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے مدینہ سے نہیں نکلے تھے۔ ورنہ آپؑ بھی یہ مشورہ قبول کرتے ہوئے عبداللہ ابن زبیر کی طرح عمومی راستے کی بجائے نا آشنا پہاڑی راستوں کا انتخاب کرتے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ امامؑ نے وہ راستہ اختیار کیا جسے سب جانتے تھے اور جو لوگوں سے پوشیدہ نہ تھا۔ امامؑ چاہتے تھے کہ بنی امیہ کے خلاف جہاد جیسے عظیم الہی حکم کی تعمیل کا راستہ آپؑ مکمل آزادی اور سکون کے ساتھ طے کریں۔ حَتَّى يَقْضِيَ اللَّهُ مَا هُوَ قَاضٍ .



مکہ میں داخل ہوتے وقت

«وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّيَ أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ» (۱)

سَوَاءَ السَّبِيلِ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

تِلْقَاءَ: ملاقات کی جگہ، نزدیک اور آ منے سامنے۔

ترجمہ اور تشریح

حسین ابن علیؑ مدینہ سے مکہ تک کا فاصلہ پانچ دن میں طے کرنے کے بعد شبِ جمعہ تین شعبان کو مکہ معظمہ پہنچے۔ اس مقدس شہر میں داخل ہوتے ہوئے آپؑ اس آیہ شریفہ کی تلاوت فرما رہے تھے: وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّيَ أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ (اور جب موسیٰ نے مدین کا رخ کیا تو کہا کہ عنقریب پروردگار مجھے خیر اور صلاح کے راستے کی ہدایت کر دے گا۔ سورہ قصص ۲۸- آیت ۲۲)

انہی دو آیات کی تلاوت کی وجہ؟

کیا وجہ ہے کہ امام حسینؑ نے مدینہ سے روانگی کے وقت اور مکہ میں داخل ہوتے ہوئے

۱۔ تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۲۲۲ اور ۲۷۱، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۶۵ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

انہی دو آیات کی تلاوت فرمائی؟

امام علیہ السلام قرآن کریم میں یکے بعد دیگر ذکر ہونے والی ان دو آیتوں کو پانچ دن کے فاصلے سے تلاوت کر کے اس نکتے کی طرف توجہ دلانا چاہتے تھے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنا آبائی وطن ترک کرنا اور ایک انجانے شہر میں پناہ لینا بے مقصد نہ تھا، اسی طرح آپ کا مدینہ منورہ چھوڑنا بھی ایک بڑے مقصد کے لئے ہے، اور یہ ایک ایسا عظیم الشان مقصد ہے جس کے حصول کی خواہش ہر خدا پرست انسان کے دل میں مچلتی ہے۔ اسی طرح مکہ میں داخل ہونا بھی اسی رفیع الشان مقصد کے تحت ہے جس تک رسائی پروردگار کی خاص ہدایت اور اس کی خاص عنایات کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ عَسَىٰ رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَاءَ السَّبِيْلِ .



عبداللہ ابن عمر کے جواب میں

«يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ مِنْ هَوَانِ الدُّنْيَا عَلَى
 اللَّهِ أَنَّ رَأْسَ يَحْيَى بْنِ زَكَرِيَّا أُهْدِيَ إِلَى بَغْيٍ مِنْ بَغَايَا
 بَنِي إِسْرَائِيلَ؟ أَمَا تَعْلَمُ أَنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانُوا يَقْتُلُونَ
 مَا بَيْنَ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَى طُلُوعِ الشَّمْسِ سَبْعِينَ نَبِيًّا ثُمَّ
 يَجْلِسُونَ فِي أَسْوَاقِهِمْ يَبِيعُونَ وَيَشْتَرُونَ كَأَن لَمْ
 يَصْنَعُوا شَيْئًا فَلَمْ يُعَجِّلِ اللَّهُ عَلَيْهِمْ بَلْ أَمْهَلَهُمْ وَأَخَذَهُمْ
 بَعْدَ ذَلِكَ أَخَذَ عَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ اتَّقِ اللَّهَ يَا أَبَا
 عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَلَا تَدْعَنَّ نَصْرَتِي» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

ہوان : حقارت، پستی۔ بَغْيٌ : زانی

ترجمہ اور تشریح

امام جب مکہ مکرمہ پہنچے تو عبداللہ ابن عمر مستحب عمرے کی ادائیگی اور بعض ذاتی کاموں

کے سلسلے میں وہاں پہلے سے موجود تھے۔ ابھی امامؑ کی تشریف آوری کو چند ہی دن ہوئے تھے کہ عبداللہ ابن عمر نے مدینہ واپسی کا فیصلہ کیا اور امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؑ کو یزید سے مصالحت اور اس کی بیعت کر لینے کا مشورہ دیا اور طاغوت کی مخالفت اور جنگ و جدال کے خطرناک نتائج سے متنبہ کیا!!

«خوارزمی» نے تحریر کیا ہے کہ عبداللہ ابن عمرؓ نے کہا: اے ابا عبداللہ! لوگوں نے اس شخص کی بیعت کر لی ہے اور کیونکہ مال و دولت اسی کے ہاتھ میں ہے لہذا بہر حال اسکی حکومت کو تسلیم کر لیں گے۔ خاندان بنی امیہ کی آپ کے ساتھ دیرینہ دشمنی کے پیش نظر مجھے ڈر ہے کہ اس کی مخالفت کی صورت میں آپ مارے جائیں گے اور اس راہ میں بعض مسلمان بھی اپنی جان سے جائیں گے۔ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے آپؐ نے فرمایا تھا کہ: حسین مارے جائیں گے اور اگر لوگوں نے ان کی حمایت و نصرت نہ کی تو ذلیل و خوار ہوں گے۔ آپ کے لئے میرا تو یہی مشورہ ہے کہ باقی افراد کی طرح آپ بھی بیعت و صلح کا راستہ اختیار کر لیں اور مسلمانوں کے قتل و کشتار سے خوف کھائیں۔ (۱)

امام علیہ السلام جنہوں نے مختلف لوگوں کے ساتھ گفتگو کے دوران ہر ایک کو اس کی فہم و بصیرت اور طرز فکر کے مطابق جواب دیئے تھے آپؑ نے عبداللہ ابن عمر کے مشورے کے جواب میں فرمایا:

«يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ..... اے ابو عبدالرحمن! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ دنیا اللہ کے نزدیک اتنی پست اور حقیر ہے کہ یحییٰ ابن زکریا (جیسے برگزیدہ اور عظیم نبی) کا سراقدس (۲) بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت کو تحفے کے طور پر بھیجا

۱- مقتل خوارزمی - ج ۱ - ص ۱۹۰۔

۲- قرآن مجید میں بعض دوسرے معروف انبیاء کی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

گیا تھا۔

کیا تم نہیں جانتے کہ بنی اسرائیل (خدا کی نافرمانی میں اس حد تک آگے بڑھ گئے تھے کہ) طلوع فجر سے طلوع شمس تک کے درمیانی عرصے میں ستر پیغمبروں کو قتل کرتے تھے اور پھر اس طرح خرید و فروخت اور روزمرہ کے کاموں میں مشغول ہو جاتے تھے جیسے کچھ کیا ہی نہ ہو۔ اور خداوند متعال نے (ان پر) اپنے عذاب میں عجلت نہیں کی بلکہ انہیں ڈھیل دیتا رہا، یہاں تک کہ آخر کار اسی قادر اور منتقم نے ان پر شدید ترین گرفت کی۔»

امام نے مزید فرمایا:

«اے ابو عبد الرحمن! خدا سے ڈرو اور ہماری مدد و نصرت سے کنارہ کش نہ ہو۔»

«شیخ صدوق» نے نقل کیا ہے کہ جب عبد اللہ ابن عمر نے اپنا مشورہ بے سود ہوتے دیکھا

تو عرض کیا: اے ابا عبد اللہ! میری خواہش ہے کہ جدائی کے اس لمحے میں آپ کے بدن کے اس حصے کو چوموں جسے رسول خدا چوما کرتے تھے۔ امام نے اپنا کرتا اوپر کیا اور عبد اللہ ابن عمر نے حضرت کے سینے کے کچھ نیچے کا حصہ تین مرتبہ چوما اور روتے ہوئے کہا: اَسْتَوْدِعُكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللَّهِ..... اے ابا عبد اللہ! آپ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور الوداع کہتا ہوں کیونکہ اس سفر میں آپ قتل کر دیئے جائیں گے۔ (۱)

عبد اللہ ابن عمر کا کردار

اس موقع پر بہتر دکھائی دیتا ہے کہ قارئین کے لئے عبد اللہ ابن عمر کے کردار پر روشنی

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) زہد اور تقویٰ کا تذکرہ خاص کر سورہ مریم کی چند آیات میں ہوا ہے۔ حضرت یحییٰ ۲۸ء میں اپنے زمانے کے بد کردار بادشاہ کی بیٹی ((سالومہ)) کی سازش کے تحت وحشیانہ طریقے سے قتل کئے گئے۔

۱۔ امالی صدوق۔ مجلس ۳۰۔

ڈالتے چلیں۔ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر ایک طرف تو امام حسینؑ کو یزید ابن معاویہ کے ساتھ سمجھوتے اور ساز باز کا مشورہ دیتے ہیں اور دوسری طرف ریا اور دکھاوے کے طور پر امام حسینؑ کا سینہ چومتے ہیں اور ان کے غم میں روتے ہیں، حالانکہ وہ خود ہی رسول اللہؐ سے نقل کرتے ہیں کہ حسین راہِ خدا میں مارے جائیں گے اور جو کوئی ان کی نصرت و مدد نہ کرے گا وہ ذلت و خواری سے دوچار ہوگا۔

حالانکہ امامؑ نے ان سے واضح الفاظ میں فرمایا کہ: عبداللہ! خدا سے ڈرو اور ہماری مدد ترک نہ کرو۔ پھر بھی انہوں نے امامؑ کی نہ صرف مدد نہیں کی بلکہ سیدھا مدینہ گئے، وہاں یزید کی بیعت اور اس سے اپنی وفاداری کا اعلان کیا، اس طرح درحقیقت حزب اللہ چھوڑ کر حزب شیطان سے جا ملے۔

ہمیں ان کے کردار سے اچھی طرح واقف ہونا چاہئے تاکہ اس زمانے کے (اور حتیٰ آج کے دور کے) عبداللہ ابن عمر جیسے افراد کو بھی پہچان سکیں، جو امام حسین علیہ السلام کی مدد کی بجائے بظاہر ان کے غم میں روتے اور گریہ و زاری کرتے تھے لیکن درپردہ یزیدیوں اور طاغوتیوں سے پیمانِ وفا باندھے ہوئے تھے۔

۱۔ عبداللہ ابن عمر اور امیر المومنینؑ کی مخالفت

حضرت عثمان کے مارے جانے کے بعد مدینہ کے تمام مسلمانوں نے خلافت کے لئے امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا نام پیش کیا اور انتہائی اصرار کرتے ہوئے آپؑ کے ہاتھ پر بیعت کی لیکن عبداللہ ابن عمر ان سات افراد میں سے تھے جو حضرت علیؑ کی بیعت پر تیار نہ ہوئے اور اس سلسلے میں انہوں نے یہ بہانہ بنایا کہ جب سب لوگ علیؑ کی بیعت کر لیں گے اس وقت میں بھی بیعت کر لوں گا۔

مالک اشترؓ نے عرض کیا: اے امیر المومنینؑ! کیونکہ انہیں آپؑ کی شمشیر اور تازیانے سے

کوئی خطرہ نہیں ہے لہذا ایسے بہانوں کا سہارا لے رہے ہیں۔ آپؐ اجازت دیں تو ہم ان پر دباؤ ڈالیں۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: میں کسی کو بیعت پر مجبور نہیں کروں گا۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو وہ آزادی کے ساتھ جس راستے کا انتخاب کرنا چاہتے ہیں، انہیں منتخب کرنے دو۔

ایک دن امیر المومنینؑ کو مطلع کیا گیا کہ عبداللہ ابن عمرؓ آپؐ کی حکومت گرانے کے لئے مکہ گئے ہیں اور وہاں آپؐ کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ امامؑ نے اپنے ایک کارندے کو روانہ کیا تاکہ ان کی حکومت مخالف سرگرمیوں کو کنٹرول کرے۔ آخر کار عبداللہ ابن عمر اپنے مشن میں ناکام ہو کر مدینہ واپس آ گئے لیکن آخر وقت تک مولائے کائناتؐ کی حکومت کو تسلیم نہ کیا اور آپؐ کی بیعت نہ کی۔ (۱)

اس کے برعکس امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد عبداللہ ابن عمرؓ نے معاویہ کی بیعت کی اور ان کی حکومت کو تسلیم کیا!

یہ وہ طرزِ عمل تھا جو عبداللہ ابن عمرؓ نے علیؑ جیسی شخصیت اور ان جیسی حکومت کے خلاف اختیار کیا اور پھر معاویہ جیسی شخصیت کی بیعت کی اور اس جیسی حکومت کو تسلیم کیا۔

۲- عبداللہ ابن عمرؓ اور یزید کی بیعت

جب معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کے لئے لوگوں سے بیعت لینا شروع کی تو عبداللہ ابن عمرؓ اس بیعت کے مخالفین میں شامل ہو گئے۔ البتہ نہ ہی معاویہ کو ان کی مخالفت کا ڈر تھا اور نہ ہی یزید کو۔ کیونکہ ایک موقع پر جب معاویہ اپنے بیٹے یزید سے مخالفین کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور عبداللہ ابن عمرؓ کا ذکر آیا تو معاویہ نے یہ رائے دی: فَأَمَّا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ فَبِهِ مَعَكَ فَالْزَمَهُ وَلَا تَدْعُهُ. (عبداللہ ابن عمرؓ اگرچہ بظاہر بیعت کا منکر ہے لیکن) دل

سے تمہارے ساتھ ہے، تم اسے اپنے ساتھ رکھو اور اسے اپنے سے دور مت بھگاؤ۔ (۱)

معاویہ کی پیش گوئی کے عین مطابق عبداللہ ابن عمر کی مخالفت سے نہ صرف یزید کو کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ انتہائی حساس موقع پر عبداللہ ابن عمر نے یزید کی حمایت اور پشت پناہی کی اور عین اس موقع پر جب انہیں چاہئے تھا کہ وہ یزید کے مخالفین کے ساتھ مل کر امام حسینؑ کی جدوجہد میں ان کی حمایت کرتے، اس وقت انہوں نے اس کے بالکل برخلاف رویہ اختیار کیا اور امام کو یزید سے صلح کا مشورہ دیا تا کہ یزید کی حکومت اور زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو جائے۔ جب انہیں اس سلسلے میں ناکامی ہوئی تو امامؑ سے رخصت ہو کر مدینہ روانہ ہو گئے اور وہاں سے یزید ابن معاویہ کے نام ایک خط کے ذریعے اسکی حکومت اور خلافت کو جان و دل سے قبول کیا۔ (۲)

پھر اس بیعت کے اتنے پابند رہے کہ جب امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اہل مدینہ نے یزید کے خلاف بغاوت کی اور اس کی طرف سے مقرر کردہ گورنر ((عثمان بن محمد)) کو مدینہ سے نکال دیا تو انہی عبداللہ ابن عمر نے اپنے اہل و عیال اور قبیلے کے لوگوں کو جمع کیا اور یزید کی حمایت میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ: میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: قیامت کے دن، عہد توڑنے والے ہر شخص کے لئے ایک جھنڈا لہرا دیا جائے گا جس سے اس کے عہد شکن ہونے کی پہچان ہوگی۔

عبداللہ (۳) نے اس تقریر کے دوران یہ بھی کہا کہ: میرے نزدیک سب سے بڑی عہد شکنی یہ ہے کہ کسی کے ہاتھ پر بیعت کروں اور پھر اس سے جنگ کے لئے اٹھ کھڑا ہوں۔ لہذا اگر مجھے اطلاع ملی کہ تم میں سے کسی نے یزید کی بیعت ترک کر کے اس کے مخالفین کا ساتھ

۱- امالی صدوق، نقل از بحار الانوار - ج ۴۴ - ص ۳۱۱۔

۲- فتح الباری - ج ۱۳ - ص ۶۰۔

۳- صحیح بخاری - ج ۹ - کتاب الفتن۔

دیا ہے تو پھر میرا اس سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔

۳- عبداللہ ابن عمر اور حجاج بن یوسف

یزید ابن معاویہ کے بعد جب عبدالملک بن مروان خلیفہ بنا اور اس نے ابن زبیر کی سرکوبی کے لئے حجاج بن یوسف کو مکہ بھیجا، تو حجاج مدینہ بھی آیا۔ حجاج کے مدینہ پہنچنے پر عبداللہ ابن عمر بلا تاخیر رات گئے بیعت کے لئے حجاج کے پاس آئے اور کہا: اے امیر! اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں اس پر خلیفہ کے لئے بیعت کروں۔

حجاج نے کہا: عبداللہ! ایسی بھی کیا جلدی ہے، تم چاہو تو کل بھی بیعت کیلئے آ سکتے ہو۔ عبداللہ نے کہا: میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جو شخص بغیر امام کے مرجائے وہ جاہلیت کی موت مرے گا، اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر آج رات ہی مجھے موت آگئی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ امام کے بغیر مرنے کی وجہ سے پیغمبر کے فرمان کے تحت میرا شمار جاہلیت کی موت مرنے والوں میں ہو۔

یہ سن کر حجاج نے (جو اس وقت بستر پر لیٹا ہوا تھا) اپنا پیر لحاف سے نکالا اور کہا: آؤ، ہاتھ کی بجائے میرا پاؤں چوم کر بیعت کر لو۔ (۱)

حجاج، عبداللہ ابن عمر کی نفسیات جانتا تھا، اسی لئے اس نے اپنی اس حرکت سے انہیں یہ پیغام دیا کہ آج تم مجھے پیغمبر کی یہ حدیث سنارہے ہو، علی ابن ابی طالب اور حسین ابن علی کے زمانے میں یہ حدیث کیوں بھلا بیٹھے تھے؟

دراصل یہ رسول گرامیؐ کے اس قول کی عملی تفسیر تھی جسے خود عبداللہ ابن عمر نے آپؐ سے نقل کیا تھا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: جو حسین کی مدد اور نصرت سے گریز کرے گا، وہ ذلیل و رسوا ہو جائے گا۔

نتیجہ: یہ تھا عبداللہ ابن عمر کا وہ اصل چہرہ جسے صفحاتِ تاریخ نے ہمارے سامنے پیش کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے ہم ہر زمانے میں موجود عبداللہ ابن عمر جیسے افراد کو پہچان سکیں، ان کے اندازِ فکر سے آشنا ہو سکیں اور ان سے ہوشیار رہیں۔ یہی تاریخ اس زمانے کے اور آج کے عبداللہ ابن عمر جیسے افراد کو درس دیتی ہے کہ اگر وہ بے بنیاد بہانے تراشیوں کے ذریعے آزادانہ طور پر علیٰ جیسی ہستی کی بیعت سے انکار کریں گے تو انہیں معاویہ اور یزید جیسوں کی بیعت قبول کرنا پڑے گی۔ اگر غرور و تکبر، جہالت اور عداوت کی وجہ سے وہ حسین جیسوں کی بیعت نہیں کریں گے تو یہ جان رکھیں کہ ایک دن انہیں انتہائی ذلت و حقارت کے ساتھ حجاج جیسوں کی بیعت کرنا ہوگی۔

انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اگر بنی امیہ کے خفیہ ہاتھ اپنے اہداف و مقاصد کے حصول کے لئے (جو صرف اسی صورت میں قابلِ حصول تھے جب اہل بیتؑ گوشہ نشین کر دیئے جائیں) اپنے پروپیگنڈے کے زور پر اس قسم کے افراد کو محدث اور مذہب کا ماہر متخصص بنا کر پیش کرتے ہیں (۱) اور یہ افراد خود بھی انتہائی رغبت اور شوق کے ساتھ ان القابات و خطابات کو قبول کر لیتے ہیں تو انہیں معاویہ اور یزید جیسوں کے لئے انجام دی گئی ان حقارت آمیز خدمات کے نتیجے میں تاریخِ انسانیت کے بدترین مجرموں اور ظالموں کے قدموں میں جھک کر بوسہ لینا ہو گا۔ ذَلِکَ لَهُمْ حِزْبٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں عذابِ عظیم ہے۔ سورہ مائدہ ۵- آیت ۳۳)

۱۔ بنی امیہ کی اسی حکمتِ عملی کا نتیجہ ہے کہ مسند احمد ابن حنبل جو احادیثِ نبویؐ کا اہم مجموعہ ہے اس میں عبداللہ ابن عمر سے سترہ سو سے زیادہ احادیث نقل ہوئی ہیں جبکہ امام حسن مجتبیٰ اور امام حسینؑ سے کل ملا کر صرف ۲۲ احادیث۔ جی ہاں، صرف بائیس احادیث نقل کی گئی ہیں۔

دواہم نکات

امام حسینؑ اور عبداللہ ابن عمر کے درمیان ہونے والی اس گفتگو میں دوا انتہائی اہم اور حساس نکات قابل توجہ ہیں۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ امام حسینؑ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مارے جانے اور ان کا سر اقدس تحفے کے طور پر ایک ظالم کو بھیجے جانے کے واقعے کا ذکر کرتے ہیں۔ اور جیسا کہ نقل کیا گیا ہے، امامؑ نے اپنے سفر کے دوران کئی مرتبہ اس غم انگیز واقعے اور ظلم عظیم کا ذکر کیا۔ یقیناً امامؑ کا اس واقعے کو بار بار بیان کرنا بے مقصد اور بے سوچے سمجھے نہ تھا بلکہ اس مماثلت کی وجہ سے تھا جو امامؑ کی جدوجہد اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی استقامت میں پائی جاتی ہے جس کی بنا پر ان کا سر اقدس تحفے کے طور پر بھیجا گیا۔

اور دوسرا نکتہ عبداللہ ابن عمر کی گفتگو میں ہے جو انہوں نے امامؑ سے رخصت اور وداع ہوتے وقت آنسو بہاتے ہوئے کی اور کہا: اے ابا عبداللہ! میں آپ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں کیونکہ جانتا ہوں کہ آپ اس راہ میں قتل کئے جائیں گے۔

کیا عبداللہ ابن عمر کو اس سفر میں امام حسینؑ کے مارے جانے کی خبر رسول اللہؐ کے علاوہ کسی اور طریقے سے بھی مل چکی تھی اور کیا ممکن ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت سے دوسرے تو مطلع ہوں اور خود امام حسینؑ اس سے بے خبر ہوں؟

یہ وہی مسئلہ ہے جس کا ذکر ہم نے گزشتہ صفحات میں کئی بار کیا ہے کہ امام حسینؑ علم امامت سے قطع نظر معمول کے ذرائع سے اور ان اطلاعات کے ذریعے سے جو براہ راست یا بالواسطہ رسول اللہؐ سے ان تک پہنچی تھیں، عاشورا کے واقعے کی تفصیلات سے مکمل طور پر آگاہ اور باخبر تھے۔



بنی ہاشم کے نام ایک خط

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، مِنْ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ إِلَى
مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ وَ مَنْ قَبْلَهُ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ، أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ
مَنْ لِحَقِّ بِي اسْتَشْهَدَ وَمَنْ تَخَلَّفَ لَمْ يُدْرِك الْفَتْحَ،
وَالسَّلَامُ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

قَبْلُ (قاف پر زیر اور با پر زبر کے ساتھ): یعنی نزدیک، طرف، کہا جاتا ہے اَنَا نَبِيٌّ مِنْ
قَبْلِهِ یعنی اس کی جانب سے (میرے پاس) آیا۔ اسْتَشْهَدَ: مقامِ شہادت پر فائز ہونا۔
تَخَلَّفَ عَنْهُمْ: ان کے ساتھ نہیں گیا۔

ترجمہ اور تشریح

ابن قولویہ نے «کامل الزیارات» میں تحریر کیا ہے کہ: حسین ابن علیؑ نے مکہ سے اپنے
بھائی محمد بن حنفیہ اور بنی ہاشم کے دوسرے افراد کے نام یہ خط لکھا:
«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حسین ابن علیؑ کی طرف سے محمد بن علیؑ

اور ان کے ہمراہ رہنے والے بنی ہاشم کے دوسرے افراد کے لئے۔ اما بعد جو کوئی (اس سفر میں) میرے ساتھ آئے گا وہ شہید ہو جائے گا اور جو مجھ سے علیحدہ رہے گا وہ کبھی کامیابی حاصل نہ کر سکے گا۔ والسلام۔»

اگرچہ «سید ابن طاووس» نے «کلینی» سے نقل کیا ہے کہ امام حسینؑ نے یہ خط مکہ سے روانگی کے بعد ارسال کیا (۱) لیکن «ابن عساکر» اور «ذہبی» نے «ابن قولویہ» کی رائے کی تائید کرتے ہوئے مزید یہ بھی کہا ہے کہ اس خط کے مدینہ پہنچنے کے بعد آل عبدالمطلب (عبدالمطلب کے خاندان) کے کچھ افراد امامؑ کا ساتھ دینے کیلئے مکہ روانہ ہوئے اور محمد بن حنفیہ بھی مکہ میں ان سے آکر مل گئے۔ (۲)

نتیجہ: بہر صورت اس خط کا نتیجہ خلاصہ اور مفہوم یہ ہے کہ امام حسینؑ مکہ تشریف آوری کے وقت سے ہی نہ صرف اپنی بلکہ ان تمام افراد کی شہادت کو بھی یقینی سمجھتے تھے جو اس وقت آپؐ کے ہمراہ تھے یا مستقبل میں آپؐ سے ملحق ہونے والے تھے (فَإِنَّ مَنْ لِّحَقِّ بِي اسْتَشْهَدَ) اور آپؐ کو اپنی کسی بھی ظاہری فتح و کامیابی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا۔ بلکہ اس دور کے حالات کو دیکھتے ہوئے آپؐ یہ بھی جانتے تھے کہ حتیٰ آپؐ کی شہادت کے فوراً بعد بھی بنی ہاشم سے تعلق رکھنے والے افراد یا آپؐ کے خاندان کے کسی اور فرد کا حکومت تک پہنچنا، خاندان بنی امیہ کو اقتدار سے محروم کرنا یا موجودہ حالات کو تبدیل کرنا ممکن نہیں ہوگا (وَمَنْ تَخَلَّفَ لَمْ يُدْرِك الْفَتْحَ)

البتہ آپؐ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ قیامت تک کے لئے آخری اور مکمل فتح آپؐ اور آپؐ کے اصحاب کی شہادت اور آپؐ کی آل و اولاد کی اسیری کے طفیل میسر ہوگی۔

۱- لہوف- ص ۲۵ اسی طرح لہوف میں خط کے متن میں لم یدرک الفتح کی بجائے لم یبلغ الفتح آیا ہے۔

۲- تاریخ ابن عساکر، حسین ابن علی کے عنوان میں، تاریخ الاسلام ذہبی- ج ۲- ص ۳۲۳۔

اہل بصرہ کے نام حسین ابن علی کا خط

«أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ مُحَمَّدًا (صلى الله عليه وآله) مِنْ خَلْفِهِ وَأَكْرَمَهُ بِنُبُوَّتِهِ وَاخْتَارَهُ لِرِسَالَتِهِ ثُمَّ قَبَضَهُ إِلَيْهِ وَقَدْ نَصَحَ لِعِبَادِهِ وَبَلَغَ مَا أُرْسِلَ بِهِ (صلى الله عليه وآله) وَكُنَّا أَهْلَهُ وَأَوْلِيَاءَهُ وَأَوْصِيَاءَهُ وَوَرَثَتُهُ وَآحَقُّ النَّاسِ بِمَقَامِهِ فِي النَّاسِ فَاسْتَأْثَرَ عَلَيْنَا قَوْمُنَا بِذَلِكَ فَرَضِينَا وَكَرِهْنَا الْفُرْقَةَ وَأَحْبَبْنَا الْعَافِيَةَ وَنَحْنُ نَعْلَمُ أَنَّا أَحَقُّ بِذَلِكَ الْحَقِّ الْمُسْتَحَقِّ عَلَيْنَا مِنْ تَوَلَّاهُ وَقَدْ بَعَثْتُ رَسُولِي إِلَيْكُمْ بِهَذَا الْكِتَابِ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ فَإِنَّ السُّنَّةَ قَدْ أُمِيتَتْ وَالْبِدْعَةَ قَدْ أُحْيِيَتْ فَإِنْ تَسَمَّعُوا قَوْلِي أَهْدِيكُمْ إِلَى سَبِيلِ الرَّشَادِ وَالسَّلَامِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اِسْتَاثَرُ 'استاثر علی الغیر: اپنے لئے مخصوص کر لیا۔ اَحَقَّ: زیادہ حقدار۔ تَوَلَّاهُ اس کی سرپرستی اپنے ذمے لے لی۔ رَشَاد: صحیح راستہ۔

ترجمہ اور تشریح

«طبری» کے بیان کے مطابق امام نے مکہ تشریف آوری کے بعد بصرہ کے قبائل کے سرداروں جیسے مالک بن مسمع بکری، مسعود بن عمرو، منذر بن جارود وغیرہ کے نام ایک خط ارسال کیا۔ اس خط کا عربی متن بالائی سطور میں قارئین دیکھ چکے ہیں اور اس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔

«اما بعد اللہ نے تمام لوگوں میں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چنا، نبوت کے ذریعے انہیں بزرگی سے نوازا اور اپنی رسالت کے لئے انہیں منتخب کیا۔ پھر جب آنحضرتؐ، اللہ کے بندوں کو نصیحت اور ان کی رہنمائی فرما چکے اور آنحضورؐ نے اپنے فرائض کو بخوبی انجام دے دیا، تو پروردگار نے انہیں اپنے پاس بلا لیا (اور ان کی روح قبض کر لی)۔ ہم انہی کے اہل بیت، اولیا، اوصیا اور ورثا ہیں، اور ہم ہی تمام لوگوں میں ان کے مقام کے سب سے زیادہ اہل اور حقدار ہیں۔ لیکن ایک گروہ نے یہ حق ہم سے چھین لیا۔ ہم نے (حقدار ہونے کے باوجود اس ظلم پر) صبر کیا اور (مسلمانوں کے درمیان) اختلاف اور تفرقے کو ناپسند کرتے ہوئے امن و عافیت کو ترجیح دی۔ جبکہ ہم جانتے تھے کہ ہم اس حق کے سب سے زیادہ مستحق تھے جس پر دوسرے مسلط ہو گئے۔

اب اس خط کے ساتھ میں اپنا نمائندہ تمہاری جانب بھیج رہا ہوں اور تمہیں اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کی (طرف) دعوت دیتا ہوں۔ (کیونکہ آج

حالات یہ ہیں کہ) سنت پامال ہو چکی ہے اور بدعت چھا چکی ہے۔
اگر تم میری دعوت پر لبیک کہو تو میں راہِ راست کی جانب تمہاری ہدایات کروں
گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔»

امامؑ نے یہ خط اپنے ایک دوست سلیمان کے ہاتھ بصرہ روانہ کیا۔ سلیمان بصرہ میں اپنی
ذمہ داری انجام دینے اور خط پہنچانے کے بعد گرفتار کر لئے گئے اور ابن زیاد نے کوفہ روانہ
ہونے سے ایک رات قبل انہیں پھانسی چڑھانے کا حکم دیا۔

اہم اور اہم ترین کا ٹکراؤ

امام حسینؑ نے اس خط میں اہل بصرہ کو اس زمانے کے غیر اسلامی اور دین مخالف
حالات کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی۔ علاوہ ازاں اہل بیت اطہارؑ کے مقام مرتبے اسلام اور
خلافتِ اسلامیہ میں بگاڑ کے در آنے، مقابلے اور جدوجہد کے لحاظ سے گزشتہ دور موجودہ
حالات کے موازنے، اہم ترین پر کم اہم کو مقدم کرنے اور خاص زمانے میں اہل بیت اطہارؑ کی
خاموشی کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے اپنی تحریک کے اہداف و مقاصد کی تشریح کی۔

اس مکتوب میں آپؑ نے واضح کیا کہ گزشتہ دور کے خاص حالات کے پیش نظر عملی جد
وجہد کی بجائے خاموشی کو ترجیح دی گئی۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے کی صورتحال میں صرف عملی
جدوجہد سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا، بلکہ دشمن، منافق اور موقع پرست افراد اس جدو
جہد سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے۔ فَرَضِينَا وَكَرِهْنَا الْفُرْقَةَ.

اسی بنیاد پر اس وقت ہم نے سکوت کو ترجیح دی اور گوشہ نشینی اختیار کی اور اس طرح
اسلامی معاشرے کو فتنہ و فساد سے محفوظ رکھا اور تبلیغ و ہدایت کے ذریعے مسلمانوں کی بہتری کے
اسباب فراہم کئے۔ لیکن اب ایک اور مرحلہ درپیش ہے اور اب اسلام کے صرف بگاڑ کے
راستے پر گامزن ہونے ہی کا نہیں بلکہ سرے سے اسکے نابود ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔

فَإِنَّ السُّنَّةَ قَدْ أُمِيتَتْ وَالْبِدْعَةَ قَدْ أُحْيِيَتْ نَبِيٌّ كَانَتْ قَانُونِ مِثْلًا دِيَا كِيَا هِيْ اَوْر
بَدْعَتِ اَوْر مَن مَانِي نِي اَس كِي جِگَه لِي لِي هِي۔ نِيز اَآ جِ كِي حَالَاتِ بِي جِد وَ جِهْدِ كِي لِي سَا
گَارِ هِي۔ يِعْنِي اَآ جِ مَقَابِلِي كِي دُورَانِ اَمْتِ كِي پَاكِيزِ اَفْرَادِ كَا خُونِ بِي بِي جَايِي تُوْنِ
صَرَفِ يِي كِي دِشْمَنِ اَس سِي اِپْنِي حَقِّ مِيں كُوِي فَائِدِ نِي هِي اُٹْهَا سَكِي گَا بَلَكِ اَس تَحْرِيكِ سِي اَخْرَكَارِ
دِينِ اِسْلَامِ كُو بِي تَرِينِ نَتَايجِ حَاصِلِ هُوں گِي۔



امام حسینؑ کا مکتوب

اہل کوفہ کے خطوط کے جواب میں

«بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، مِنَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ إِلَى
 الْمَلَأَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، أَمَّا بَعْدُ؛ فَإِنَّ هَانِيًا وَ
 سَعِيدًا قَدِمَا عَلَيَّ بِكُتُبِكُمْ وَكَانَا آخِرَ مَنْ قَدِمَ عَلَيَّ مِنْ
 رُسُلِكُمْ وَقَدْ فَهِمْتُ كُلَّ الَّذِي قَصَصْتُمْ وَذَكَرْتُمْ وَ
 مَقَالَةُ جُلُكُمُ أَنَّهُ لَيْسَ عَلَيْنَا إِمَامٌ فَأَقْبَلُ لَعَلَّ اللَّهَ يَجْمَعُنَا
 بِكَ عَلَى الْهُدَى وَالْحَقِّ. وَقَدْ بَعَثْتُ إِلَيْكُمْ أَخِي وَابْنَ
 عَمِّي وَثِقَتِي مِنْ أَهْلِ بَيْتِي وَأَمَرْتُهُ أَنْ يَكْتُبَ إِلَيَّ بِخَالِكُمْ
 وَأَمْرِكُمْ وَرَأْيِكُمْ فَإِنْ كَتَبَ أَنَّهُ قَدْ اجْتَمَعَ رَأْيُ مَلَائِكُمْ
 وَذَوِي الْفَضْلِ وَالْحُجَجِ مِنْكُمْ عَلَيَّ مِثْلَ مَا قَدِمَ عَلَيَّ بِهِ
 رُسُلُكُمْ وَقَرَأْتُ فِي كُتُبِكُمْ أَقْدِمُ عَلَيْكُمْ وَشَيْكَأَ إِنْ شَاءَ
 اللَّهُ فَلَعَمْرِي مَا إِلَّا مَأْمُومٌ إِلَّا الْعَامِلُ بِالْكِتَابِ وَالْآخِذُ

بِالْقِسْطِ وَالِدِّينُ بِالْحَقِّ وَالْحَابِسُ نَفْسَهُ عَلَى ذَاتِ اللَّهِ
وَالسَّلَامُ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مَلَأَ: سر کردہ افراد قوم کے سردار۔ حَجَى: عقل و شعور۔ وَشِيكَ: تیز، عنقریب
واقع ہونے والا۔ عَمُرَ (عین پر زبر کے ساتھ): حیات و زندگی۔ لَعَمُرَى: میری جان کی
قسم۔ دَائِن: پیروکار حق کا پابند۔ حَابِس (حَبَس سے): روکنا۔

ترجمہ اور تشریح

جب اہل کوفہ کو خبر ملی کہ امام حسینؑ نے مطالبہ بیعت مسترد کر دیا ہے اور آپؑ انحراف اور
گمراہی کے خلاف جنگ کے لئے آمادہ ہیں اور مکہ تشریف لا چکے ہیں تو انہوں نے بڑی تعداد
میں قاصد انفرادی خطوط اور دستخط شدہ اجتماعی مکتوب حسین ابن علیؑ کی خدمت میں ارسال
کئے۔

ان تمام خطوط کا مجموعی مفہوم یہ تھا کہ: اب جبکہ معاویہ کی موت کے بعد مسلمانوں کو اس
کے ظلم و ستم سے نجات مل گئی ہے، ہمیں ایک ایسے امام اور رہبر کی ضرورت ہے جو ہمیں اس
پریشانی اور افراتفری سے نجات دلائے اور ہماری شلکتہ کشتی کی ساحلِ نجات کی سمت رہنمائی
کرے۔ ہم اہلیانِ کوفہ نے شہر میں یزید کے نمائندے نعمان ابن بشیر کی مخالفت کرتے ہوئے
اس سے ہر قسم کا تعاون ترک کر دیا ہے، حتیٰ اس کی نماز میں بھی شرکت نہیں کرتے اور ہم آپ کی
تشریف آوری کے منتظر ہیں۔ ہم آپ کے اہداف و مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے حتیٰ
الامکان کوشش کریں گے اور آپ کی راہ میں جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

۱- تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۲۳۵، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۶۷، ارشاد مفید - ص ۲۰۴، مقتل خوارزمی
ج ۱ - ص ۱۹۵ اور ۱۹۶۔

امام حسینؑ نے ان خطوط کے جواب میں جن کی تعداد بعض مورخین کے مطابق بارہ ہزار سے زائد تھی، یہ تحریر فرمایا:

«بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسین ابن علی کی طرف سے شہر کوفہ میں بسنے والے مومنین و مسلمین کے سرکردہ افراد کے نام۔ اما بعد ہانی اور سعید کے ذریعے آپ کے آخری خطوط مجھ تک پہنچے۔ جو کچھ آپ حضرات نے اپنے خطوط میں لکھا اور ذکر کیا ہے، اسے میں نے سمجھ لیا ہے۔ ان خطوط میں سے اکثر میں آپ حضرات کی درخواست یہ تھی کہ ہمارا کوئی رہبر و رہنما نہیں ہے، آپ جلد ہماری طرف آئیے تاکہ خداوند متعال آپ کے ذریعے ہمیں حق اور ہدایت پر جمع کرے۔ (لہذا) میں اپنے بھائی، چچا کے بیٹے اور خاندان میں اپنے قابلِ اعتماد شخص (مسلم بن عقیل) کو آپ کی طرف بھیج رہا ہوں۔ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ آپ کی رائے، سوچ اور وہاں کے حالات کے بارے میں مجھے تحریر کریں، اب اگر آپ کے عمائدین اور اہل فکر و نظر افراد کی رائے بھی وہی ہوئی جو میں نے آپ کے خطوط میں پڑھی ہے اور جس کی آپ کے نمائندوں نے بالمشافہ ملاقاتوں میں مجھے خبر دی ہے تو انشاء اللہ میں بہت جلد آپ کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ امام اور رہبر وہ ہے جو کتابِ خدا پر عمل کرے عدل و انصاف کا راستہ اختیار کرے، حق کی پیروی کرے اور اپنے وجود کو اللہ کے لئے وقف کر دے۔ والسلام»

«طبری» اور «دینوری» کے مطابق امامؑ نے یہ خط اہلیانِ کوفہ کے دو قاصدوں ہانی اور سعید کے ذریعے کوفہ ارسال کیا (۱) لیکن «خوارزمی» نے لکھا ہے کہ امامؑ نے یہ خط مسلم بن عقیل

کو دیا کہ وہ اپنے ہمراہ لے جائیں اور مسلم بن عقیل سے فرمایا: میں تمہیں اہل کوفہ کی طرف بھیج رہا ہوں۔ خدا تمہیں اس امر میں کامیاب و کامران کرے جس میں اس کی رضا اور خوشنودی ہو۔ اب کوچ کرو خدا تمہارا حامی اور ناصر ہو۔ مجھے امید ہے کہ میں اور تم درجہ شہد پر فائز ہوں گے۔ (۲)

نتیجہ: امام حسینؑ نے اس خط کے ذریعے اہل کوفہ کی درخواست کا مثبت جواب دیتے ہوئے اپنے نمائندے کی حیثیت سے حضرت مسلم کی روانگی کا اعلان کیا اور ((اپنا بھائی)) اور ((اپنا قابل اعتماد فرد)) کہہ کر ان کا تعارف کرایا اور ساتھ ہی اس حقیقی رہبر اور امامؑ کی شرائط بیان کیں جس کی اطاعت اور پیروی ہر مسلمان پر واجب ہے اور زور دے کے فرمایا کہ رہبر اور امام کو چاہئے کہ وہ اللہ کی کتاب پر عمل کرے اس کا مقصد عدل و انصاف کا قیام ہو اور اس کا پورا کا پورا وجود خدا کے لئے وقف ہو۔



مسلم بن عقیل کے نام خط

«أَمَّا بَعْدُ : فَقَدْ خَشِيتُ أَنْ لَا يَكُونَ حَمْلُكَ عَلَى
الْكِتَابِ إِلَيَّ فِي الْإِسْتِعْفَاءِ مِنَ الْوَجْهِ الَّذِي وَجَّهْتُكَ لَهُ
إِلَّا الْجُبْنَ فَاْمُضْ بِوَجْهِكَ الَّذِي وَجَّهْتُكَ فِيهِ،
وَالسَّلَامُ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

حَمَلَهُ عَلَى الْأَمْرِ : اسے اس کام پر آمادہ کیا۔ وَجَّهَهُ إِلَى فَلَانٍ : اسے فلاں کی
طرف بھیجا۔ وَجْهٌ : سمت، طرف۔

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؑ کے حکم کی تعمیل میں حضرت مسلم بن عقیلؓ رمضان کی ۱۵ تاریخ کو (۲) مکہ
مکرمہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوئے اور راستے میں مدینہ سے بھی گزرے۔ مدینہ میں مختصر
قیام کے دوران انہوں نے قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی، اپنی قوم اور قبیلے کے

۱- تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۲۳۷، ارشاد مفید - ص ۲۰۴، مقتل خوارزمی - ج ۱ - ص ۱۹۶۔

۲- مروج الذهب - ج ۲ - ص ۸۶۔

افراد سے ایک مرتبہ پھر عہد لیا، اور قبیلہ قیس کے دو افراد کو راستے کے رہنما (Guide) کے طور پر ہمراہ لے کر کوفہ کی سمت روانہ ہوئے۔ مدینہ سے کچھ دور جانے کے بعد یہ مسافر راستہ بھول بیٹھے اور سرزمین حجاز کے وسیع و عریض ریگستانوں میں پریشان اور سرگرداں بھٹکنے لگے۔ تلاش بسیار کے بعد اس وقت راستہ ملا جب مسلم کے ہمراہ آنے والے دونوں گائڈ شدید گرمی اور پیاس کی شدت سے اپنی جان ہار چکے تھے۔ حضرت مسلم «مضیق» نامی جگہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، جہاں ایک خانہ بدوش قبیلہ مقیم تھا۔ یوں انہوں نے اس مصیبت سے چھٹکارا پایا۔

«مضیق» پہنچنے کے بعد حضرت مسلم نے اسی خانہ بدوش قبیلے کے ایک فرد کے ذریعے ایک خط امام حسینؑ کی خدمت میں ارسال کیا۔ اس خط میں انہوں نے اپنے ساتھیوں کی موت اور اسکے بعد مشکلات سے نجات پا جانے کا ذکر کرتے ہوئے امامؑ سے درخواست کی تھی کہ انہیں کوفہ بھیجنے کے فیصلے پر نظر ثانی فرمائیں اور اگر مناسب سمجھیں تو یہ ذمے داری ان کی بجائے کسی اور شخص کے سپرد کر دیں کیونکہ وہ اس حادثے کو بدشگونی سمجھ رہے ہیں اور یہ سفر ان کی رائے میں نحس ہے۔

مسلم نے اپنے خط کے آخر میں تحریر کیا کہ میں اسی قاصد کے توسط سے خط کا جواب پانے تک اسی جگہ ٹھہر کر انتظار کروں گا۔ (۱)

امامؑ نے ان کے خط کے جواب میں تحریر کیا:

«أَمَّا بَعْدُ، فَقَدْ خَشِيتُ أَنْ..... مجھے اندیشہ ہے کہ جو کام میں نے آپ کے سپرد کیا تھا، اس سے آپ کا استعفا لکھ بھیجنا صرف ڈر اور خوف کی وجہ سے ہے۔ (اس خوف کو اپنے دل سے نکال دیجئے) اور اسی سمت کا رخ کیجئے جس

کے لئے میں نے آپ کو روانہ کیا تھا۔ والسلام۔»

خوفزدہ ہونے کا خدشہ

امام حسینؑ کے اس قوت بخش بیان سے بخوبی واضح ہے کہ کوئی بھی ایسی شخصیت جو اسلامی معاشرے میں بنیادی اصلاح اور تبدیلی کی خواہاں ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ نہ صرف وہ خود کسی خوف و ہراس سے دوچار نہ ہو بلکہ اس کے ہمراہی بھی اتنے ہی بلند ہمت اور شجاع ہوں۔ بصورتِ دیگر اس کی جدوجہد بے نتیجہ رہ جائے گی اور وہ اپنے پیش نظر اعلیٰ اہداف و مقاصد حاصل نہ کر سکے گا۔

امام حسینؑ نہ دشمن کی تعداد سے خائف تھے اور نہ ہی اس کی تیاری سے بلکہ ان کا اندیشہ اور خوف اس ڈر اور کمزوری کے بارے میں تھا جو ممکن ہے ان کے سفیر اور نمائندے میں پیدا ہو جائے۔



مکہ میں امام حسینؑ کا خطاب

«الْحَمْدُ لِلَّهِ وَمَا شَاءَ اللَّهُ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى
رَسُولِهِ، خُطَّ الْمَوْتُ عَلَى وُلْدِ آدَمَ مَخْطَّ الْقِلَادَةِ عَلَى
جِيدِ الْفَتَاةِ وَمَا أَوْلَهْنِي إِلَى أَسْلَافِي إِشْتِيَاقُ يَعْقُوبَ إِلَى
يُوسُفَ وَخَيْرَ لِي مَضْرَعًا أَنَا لِأَقِيهِ كَانِي بِأَوْصَالِي
تَقَطَّعَهَا غُسْلَانِ الْفَلَوَاتِ بَيْنَ النَّوَارِيسِ وَكَرْبَلَا
فَيَمْلَأَنَّ مِنِّي أَكْرَاشًا جَوْفًا وَأَجْرِبَةً سُغْبًا لَا مَحِيصَ عَنْ
يَوْمٍ خُطَّ بِالْقَلَمِ رِضَا اللَّهِ رِضَانَا أَهْلَ الْبَيْتِ نَصِيرُ عَلَى
بَلَائِهِ وَيُوفِّقُنَا أَجُورَ الصَّابِرِينَ لَنْ تَشُدَّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ
لُحْمَتُهُ بَلْ هِيَ مَجْمُوعَةٌ لَهُ فِي حَظِيرَةِ الْقُدْسِ تَقْرُبُهُمْ
عَيْنُهُ وَيُنْجِزُ بِهِمْ وَعْدُهُ إِلَّا وَمَنْ كَانَ فِينَا بِإِذِلٍّ مُهْجَتُهُ
مُوطَّنًا عَلَى لِقَاءِ اللَّهِ نَفْسُهُ فَلْيَرْحَلْ مَعَنَا فَإِنِّي رَاحِلٌ
مُصْبِحًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

خُطّ: لکھ دیا گیا ہے، نقش کر دیا گیا ہے، لکیر ڈل چکی ہے۔ مَخَطّ: وہ جگہ جہاں کوئی اثر یا لکیر وجود میں آئے۔ قِلَادَہ: گردن بند ہار۔ فَتَاة: لڑکی، کنیز۔ مَا أَوْلَہْنِی: (وَلہ سے فعل تعجب): بہت زیادہ خوشی اور مسرت۔ اسلاف (سلف کی جمع): آباؤ اجداد۔ خَيْرَ لَی: مصرعاً (اکثر خَيْرَ کے لفظ کو مجہول پڑھا جاتا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اسے معلوم پڑھا جائے): یعنی خداوند متعال نے میرے قتل کی جگہ معین کر دی ہے۔ اوصال: بدن کے اعضا۔ عُسْلَان (عین پر پیش اور سین ساکن، عاسل کی جمع): ہر متحرک اور لرزنے والی چیز کو کہا جاتا ہے (جیسے نیزہ اور بھڑیا) یہاں بھیڑیا مراد ہے۔ فِلَوَات (فلات کی جمع): وسیع و عریض بیابان۔ اکرش (کرش کی جمع): پیٹ، شکم۔ نواویس (نائوس کی جمع): عربی میں عیسائیوں کی قبور کو کہا جاتا ہے اور یہاں ایک تباہ شدہ گاؤں مراد ہے جس میں عیسائی مقیم تھے۔ یہ گاؤں کر بلا کے نزدیک واقع تھا۔ جوف (جیم پر پیش کے ساتھ اجوف کی جمع جیسے سُود اسود کی جمع): کوئی بھی وسیع چیز۔ اجربة: (جواب کی جمع): تھیلا، یہاں کنائے کے طور پر پیٹ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ سُغبا: (سین پر پیش ہے اسغب کی جمع): بھوک۔ لن تشذ: (شذ سے لیا گیا ہے): علیحدہ اور جدا ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لُحمہ (لام پر پیش ہے): رشتے داروں میں سے مخلص ترین اور نزدیک ترین شخص۔ خطيرة القدس: فردوس بریں۔ مہجۃ: خون۔ موطن (اس کا مصدر تو طین ہے): تیار کرنا۔

ترجمہ اور تشریح

ذی الحجہ کے اوائل میں جبکہ ایام حج کے نزدیک ہونے کی وجہ سے حجاج قافلہ در قافلہ مکہ میں داخل ہو رہے تھے امام حسینؑ کو اطلاع ملی کہ یزید کے حکم پر ((عمرو بن سعید بن عاص)) بظاہر امیر حج کے طور پر لیکن درحقیقت کسی انتہائی خطرناک مشن پر مکہ آیا ہے۔ اسے یزید کی طرف سے

یہ ذمے داری سوچی گئی ہے کہ وہ جہاں بھی اور سرزمینِ مکہ کے جس مقام پر بھی ممکن دیکھے حسین ابن علی کو قتل کر دے۔

لہذا خانہ کعبہ اور مکہ مکرمہ کے تقدس کو محفوظ رکھنے کی خاطر امام نے مراسم حج میں شرکت کئے بغیر اور اعمالِ حج کو عمرہ مفردہ میں تبدیل کر کے آٹھ ذی الحجہ بروز منگل مکہ سے عراق کی جانب روانگی کا فیصلہ کیا۔

عراق روانگی سے قبل امام نے خاندانِ بنی ہاشم اور اپنے کچھ حامیوں کے سامنے جو مکہ میں قیام کے دوران آپ کے ساتھ ہوئے تھے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

«الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی قدرت کارگر نہیں۔ درود و سلام اللہ کے رسول پر۔

انسانوں کے لئے موت اسی طرح لازم کر دی گئی ہے جس طرح دوشیزہ کے گلے پر گردن بند کا اثر لازم ہوتا ہے۔ مجھے اپنے اسلاف اور اجداد سے ملاقات کا اتنا ہی اشتیاق ہے جتنا شوق یعقوب کو یوسف سے ملنے کا تھا۔ میری قتل گاہ معین ہو چکی ہے جہاں میں پہنچ کے رہوں گا۔ گویا میں خود دیکھ رہا ہوں کہ صحرا اور بیابان کے بھیڑیے (یزیدی لشکر کی جانب اشارہ ہے) سرزمینِ کربلا اور «نواویس» کے درمیان میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے بھوکے پیٹ اور خالی تھیلے بھر رہے ہیں۔ خدا کے لکھے سے فرار ممکن نہیں۔ جس بات سے اللہ راضی ہوتا ہے ہم اہل بیت بھی اسی سے راضی ہوتے ہیں۔ ہم اس کے امتحان اور آزمائش پر صبر کریں گے اور وہ ہمیں صابروں کا اجر عنایت فرمائے گا۔ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے جگر گوشوں کے درمیان جدائی ممکن نہیں بلکہ بہشتِ بریں میں سب ساتھ اکٹھے کئے جائیں گے جنہیں دیکھ

کر آنحضرت کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور آنحضور ان سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کریں گے۔

جان لو کہ تم میں سے جو بھی ہمارے اوپر اپنا خون نچھاور کرنا چاہتا ہو اور اللہ سے ملاقات کے لئے تیار ہو وہ ہمارے ساتھ چلے۔ میں انشاء اللہ کل صبح روانہ ہو جاؤں گا۔»

نتیجہ: امام حسین علیہ السلام نے مکہ مکرمہ سے روانہ ہونے سے قبل کئے گئے اس خطاب میں واضح الفاظ میں نہ صرف اپنی شہادت بلکہ اس کی تفصیلات تک سے آگاہ کر دیا اور اپنے دوستوں اور ہمراہ آنے والوں کو کھلے لفظوں میں معاملات سے مطلع فرما دیا۔ تاکہ اگر وہ بھی امام کا ساتھ دینے اور راہ اسلام میں اپنا خون بہانے پر کمر بستہ ہوں اور رضائے الہی کے لئے اپنی جان فدا کرنے پر آمادہ ہوں تو چلنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

امام کیوں جانتے بوجھتے موت کے منہ میں گئے؟

اس مقام پر عرصہ دراز سے پوچھا جانے والا یہ سوال سامنے آتا ہے کہ آخر جان بوجھ کر خود کو شہادت اور موت کے منہ میں دینا کس طرح درست قرار پائے گا؟ کیا اپنی جان کی حفاظت کرنا اور وہ بھی امام حسین جیسی پاک و پاکیزہ اور مقدس ہستی کی جان کا تحفظ واجب نہیں ہے؟

اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ جہاد اسلام کے اہم ترین احکامات میں سے ایک حکم ہے اور شہادت ہر مسلمان کے لئے باعث عزت و افتخار اعزازات میں سے ایک اعزاز۔ قرآن مجید میں جہاد اور شہادت کے بارے میں دسیوں آیات موجود ہیں (۱) اور ان میں

۱۔ قرآن کریم پر طائرانہ نگاہ ڈالنے ہی سے ایک سو سے زائد ایسی آیات نظر آ جاتی ہیں جو جہاد و شہادت سے مربوط ہیں۔

سے کسی ایک آیت میں بھی یہ شرط نہیں رکھی گئی ہے کہ جہاد اس وقت کیا جائے یا شہادت اس موقع پر قبول کی جائے جب اسکے نتیجے میں یقینی کامیابی کا علم ہو۔ بلکہ اسلام دشمنوں کے مد مقابل معرکہ آرائی، جانبازی اور حق کے غلبے کی راہ میں شہادت مومن کی علامتوں میں شمار کی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعُذًّا عَلَيْهِ حَقٌّ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ**۔ (بے شک اللہ نے صاحبان ایمان سے جنت کے عوض ان کے جان و مال کو خرید لیا ہے کہ یہ لوگ راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں اور دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور پھر خود بھی قتل ہو جاتے ہیں۔ یہ سچا وعدہ توریت، انجیل اور قرآن ہر جگہ ذکر ہوا ہے اور خدا سے زیادہ کون اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہوگا۔ تو اب تم لوگ اپنی اس تجارت پر خوشیاں مناؤ جو تم نے خدا سے کی ہے کہ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ سورہ توبہ ۹-آیت ۱۱۱)

اور اگلی آیت میں پروردگار نے نواں انتہائی اہم اور عالی صفات کے ذریعے ان جانباز اور فداکار مومنوں کی تعریف کی ہے اور ان کی ستائش میں فرمایا ہے: **الْحَمِيدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّجِدُونَ الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَفِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ**۔ (یہ لوگ توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے پروردگار کی حمد کرنے والے راہِ خدا میں سفر کرنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے نیکیوں کا حکم دینے والے برائیوں سے روکنے والے اور حدودِ الہیہ کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سورہ توبہ ۹-آیت ۱۱۲)

یعنی یہ لوگ اللہ کے بنائے ہوئے قانون اور احکام کی حفاظت کرنے والے ہیں اور انہی قوانین کی حفاظت اور دفاع کا جذبہ ہے جو انہیں اس انتہائی درجے کے ایثار اور فداکاری

پرتیار کرتا ہے۔

جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ دوسری آیات کی طرح اس آیت میں بھی کامیابی اور کامرانی کے یقین کو جہاد کی شرط قرار نہیں دیا گیا بلکہ فرمایا گیا ہے کہ: **فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ** (کبھی قتل کرتے ہیں اور کبھی قتل ہوتے ہیں۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور حیات طیبہ سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ آپؐ نے اپنے سے کئی گنا زیادہ طاقتور لشکر سے جنگ کی اور بعض اوقات اپنے خاندان کے عزیز ترین افراد کی قربانی پیش کی۔ اگر اسلام دشمنوں کے خلاف جنگ اور جہاد فی سبیل اللہ صرف اسی وقت کیا جائے جب فتح اور کامیابی یقینی ہو تو ایسے میں شہادت اور جہاد اپنا اصل مفہوم کھو بیٹھیں گے۔

اگر یہ اہم فریضہ اور جہاد فی سبیل اللہ ہر مسلمان پر واجب ہے تو امام پر تو ہمارے تصور سے بھی کہیں بڑھ کر یہ فریضہ واجب ہوگا کیونکہ امام محافظِ قرآن اور بقائے اسلام کا ضامن ہوتا ہے اور اگر امام ہی اس ذمے داری کو انجام نہ دے اور اس عظیم سعادت سے محروم رہے تو پھر کون اس ذمے داری سے عہدہ برآ ہوگا؟ اگر امام اپنی اور اپنے اقربا کی قربانی دے کر احکام الہی کی حفاظت نہ کرے تو پھر کون ان احکام و قوانین کی حفاظت کرے گا؟

جی ہاں! امام حسینؑ نے اس زمانے کے حالات اور فضا کو اپنی جدوجہد کے لئے مناسب سمجھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اس جدوجہد کے نتیجے میں اسلام و مسلمین، قرآن و سنت یزیدیوں کے ناجائز تسلط اور چنگل سے نجات پا جائیں گے اور اسلامی تاریخ میں ایک عظیم الشان انقلاب رونما ہوگا اور اس سے بڑھ کر کامیابی کیا ہو سکتی تھی؟ لہذا انہوں نے جہاد کا فیصلہ کر لیا۔

امامؑ کے خطبات کی مناسبت سے اس بارے میں آئندہ صفحات میں مزید گفتگو ہوگی۔



۱۷

ابن عباس کے جواب میں

«يَا بَنَ الْعَمِّ اِنِّي وَاللّٰهِ لَا اَعْلَمُ اَنَّكَ نَاصِحٌ مُّشْفِقٌ وَقَدْ اَزُّ
مَعْتُ عَلَى الْمَسِيرِ وَاللّٰهِ لَا يَدْعُونِي حَتَّى يَسْتَخْرِ
جُوا هَذِهِ الْعَلَقَةَ مِنْ جَوْفِي فَاِذَا فَعَلُوا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
مَنْ يُذِلّٰهُمْ حَتَّى يَكُونُوا اَذَلَّ مِنْ فِرَامِ الْمَرْأَةِ.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مُشْفِق: مہربان۔ اَزَّمَعْتُ، زَمَعٌ اور زَمَعٌ: پکا عزم کر لیا۔ اَيْدَعُونِي (وَدَع سے): ترک کر دیا۔ عَلَقَةُ: خون کا لوتھڑا۔ فِرَام: وہ کپڑا جو خواتین ماہانہ عادت کے دوران استعمال کرتی ہیں۔

ترجمہ اور تشریح

عراق جانے کی مخالفت میں امام کو دیئے جانے والے مشورے
جب امام حسینؑ نے عراق روانگی کا اعلان کیا تو کچھ افراد نے امام کے اس فیصلے کی مخالفت کی اور آپ کو عراق نہ جانے کا مشورہ دیا۔ یہ مشورہ دینے والے تمام خیر خواہ اور دور

۱- انساب الاشراف - ج ۳ - ص ۱۶۲ تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۲۷۵ تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۴ - ص ۳۹۔

اندیش افراد کی ایک ہی دلیل تھی اور وہ یہ کہ اہل کوفہ بے وفا اور عہد شکن ہیں۔ یہ سب ایک ہی بات کہتے تھے کہ اہل کوفہ استقبال تو گرم جوشی سے کرتے ہیں لیکن اس کے بعد انتہائی بے رخی سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ان تمام افراد کی پیش گوئی تھی کہ اس سفر کا انجام امام حسینؑ کی شہادت اور ان کے اہل خانہ کی اسیری کی صورت میں برآمد ہوگا۔

البتہ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کی پیش گوئی اگرچہ صحیح تھی لیکن وہ سب مسئلے کے صرف ایک ہی رخ کو دیکھ رہے تھے ان کی حتی المقدور کوشش تھی کہ کسی بھی طریقے سے امامؑ کو قتل ہونے سے بچائیں، کیونکہ ان کی اور ہر مسلمان کی رائے میں امام علیہ السلام کی شہادت اسلام اور مسلمین کی شکست کے مترادف تھی۔

جبکہ حسین ابن علیؑ کے پیش نظر مسئلے کا دوسرا رخ تھا۔ ان کی نظر ان دسیوں آیات قرآنی پر تھی جن میں مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے انہیں تاکید کے ساتھ جنگ اور جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔

جی ہاں امامؑ کے مد نظر وہ آیت تھی جس میں حکم دیا گیا ہے کہ: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ (جنگ تم پر واجب قرار دے دی گئی ہے چاہے تمہارے لئے ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔ سورہ بقرہ ۲- آیت ۲۱۶) اور آپؐ کے ذہن میں وہ آیہ کریمہ تھی جو کہہ رہی ہے: فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ (پس شیطان کے ہمنواؤں سے جنگ کرو۔ سورہ نساء ۴- آیت ۷۶)

پھر امام علیہ السلام حالات و ظروف کو دیکھنے اور صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ جب شیطان اور اس کے ماننے والوں سے جنگ واجب ہے تو پھر آج روئے زمین پر یزید سے بڑھ کر کون شیطان کا ہمنوا، پیروکار اور جانشین ہو سکتا ہے اور اس کے خلاف جنگ اور جہاد کا فریضہ ہر مسلمان سے پہلے خود مجھ پر عائد ہوتا ہے۔ میں جو اس امت کا امام اور اسلام کا محافظ ہوں۔

لہذا امامؑ نے اپنے انصار و اعوان سے خطاب کرتے ہوئے واضح الفاظ میں فرمایا کہ تم

میں سے جو کوئی بھی ہمارے مقصد کی راہ میں، یعنی کلمہ حق کی سر بلندی کے لئے اپنی جان نثار کرنا چاہتا ہے، شہادت اور اللہ سے ملاقات کے لئے آمادہ ہے، وہ ہمارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جائے۔ یہ واشگاف اعلان سن کر صرف انہی لوگوں نے آپ کی صدا پر لبیک کہا، آپ کے ہمراہ ہوئے اور آپ کے قافلے میں شمولیت اختیار کی، جو جانثاری کی حد تک تیار تھے دنیا ان کی نظروں میں حقیر اور بے وقعت تھی۔

لیکن تمام دوسری اصولی اور انقلابی تحریکوں کی مانند اس تحریک سے بھی بعض دوسرے مسلمانوں، حد یہ ہے کہ کچھ سرکردہ مسلمانوں نے بھی نہ صرف خود کو دور رکھا، امام کی دعوت کا مثبت جواب نہ دیا اور اس عظیم فیض اور اس بے مثل ابدی سعادت سے محروم رہے، بلکہ چونکہ یہ لوگ امام کے فریضے کی اہمیت اور ان کی تحریک کی حقیقت سے بے خبر تھے اس لئے امام کی اس جدوجہد کی مخالفت کرنے لگے۔ مکہ میں امام کے قیام کے دوران اور پھر مکہ سے کربلا تک کے راستے میں ایسے ہی لوگوں نے کبھی تو ہمدردی جتا کر، کبھی دور اندیشی پر مبنی اپنے مشوروں کے ذریعے اور کبھی طاقت و قوت سے اس عظیم تحریک کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔

ایسے لوگوں میں امام علیہ السلام کی قوم و قبیلے کے افراد کے ساتھ ساتھ عام مسلمان اور حتیٰ آپ کے مخالفین بھی نظر آتے ہیں۔ البتہ دوستوں کی طرف سے مخالفت کی وجہ اسلام اور امام کے تحفظ کے سلسلے میں ان کا اخلاص اور محبت تھی۔ جبکہ دشمن یزید کی خدمت اور اسکے خلاف کسی بھی تحریک کو اٹھنے سے روکنے کی غرض سے امام کی مخالفت کر رہے تھے۔

اگر امام علیہ السلام اپنے دوستوں اور ہمدردوں کے اس مشورے کو قبول کر لیتے تو دشمنوں کی خواہش بیٹھے بٹھائے پوری ہو جاتی۔ یوں اس موقع پر دوستوں کے مشورے دشمنوں کے مفاد اور ان کے مقاصد کو پورا کر رہے تھے۔

بہر حال یہ مشورے مدینہ سے شروع ہوئے اور مکہ میں جب امام کا ارادہ اور فیصلہ کسی سے پوشیدہ نہ رہا، پھر کربلا پہنچنے تک راستے میں ملنے والے مختلف افراد کی طرف سے جاری رہے۔

مدینہ میں جو مشورے امام کو دیئے گئے، ان کا تذکرہ ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ اس حصے میں بھی کتاب کے تسلسل کو باقی رکھنے کے لئے، صرف وہی مشورے نقل کریں گے، جن کے جواب میں امام کا کوئی واضح بیان تاریخ کی کتابوں میں درج ہوا ہے۔ اب کچھ مشوروں کے جواب میں امام کی گفتگو ملاحظہ ہو:

عبداللہ ابن عباس کا مشورہ

امام حسینؑ کی طرف سے عراق روانگی کے اعلان کے بعد جو افراد امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؑ کو یہ سفر ترک کرنے کا مشورہ دیا ان میں سے ایک عبداللہ ابن عباس تھے۔ انہوں نے اپنی گفتگو کا آغاز اس طرح کیا: اے چچا زاد! آپ کے فراق میں خواہ کتنے ہی صبر و ضبط کا اظہار کروں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں صبر نہیں کر سکتا، کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ اس سفر میں آپ مارے جائیں گے اور آپ کے اہل و عیال قیدی بنائے جائیں گے اور میرے اس اندیشے کا سبب یہ ہے کہ اہل عراق وعدہ خلاف ہیں اور ان پر اطمینان نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد ابن عباس نے کہا: آپ سرزمین حجاز کے سید و سردار ہیں اور اہل مکہ و مدینہ آپ کا احترام کرتے ہیں۔ لہذا میری رائے میں بہتر یہ ہے کہ آپ یہیں مکہ میں قیام فرمائیں اور اگر اہل عراق یزید کی حکومت کے مخالف ہیں اور واقعی آپ کو چاہتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا ہے، تو بہتر ہے کہ پہلے یزید کے گورنر اور اپنے دشمن کو شہر سے باہر نکالیں، اسکے بعد آپ وہاں تشریف لے جائیں۔

ابن عباس نے مزید کہا: اور اگر آپ مکہ چھوڑنے پر مصر ہیں، تو بہتر ہے کہ یمن جائیے کیونکہ ایک تو اس علاقے میں آپ کے والد کے حامی بڑی تعداد میں بستے ہیں اور دوسرے یہ کہ یمن ایک وسیع و عریض علاقہ ہے، اس میں مضبوط قلعے اور بلند و بالا پہاڑ ہیں اور وہاں آپ حکومت کی دسترس سے دور رہتے ہوئے اپنا کام انجام دے سکتے ہیں۔ اس دوران آپ خط و

کتابت اور اپنے قاصدوں کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیجئے گا۔ مجھے امید ہے کہ اس طرح آپ مشکلات میں پڑے بغیر اپنا مقصد حاصل کر لیں گے۔

ابن عباس کو امام کا جواب

ان کے جواب میں امام نے فرمایا:

«يَا بْنَ الْعَمِّ اِنِّي وَاللّٰهِ لَا عَلَمُ اَنَّكَ نَاصِحٌ مُّشْفِقٌ.... اے چچا زاد!

بخدا میں جانتا ہوں کہ آپ میرے خیر خواہ، ہمدرد اور مجھ پر مہربان ہیں لیکن میں

نے (عراق کی جانب) اپنے سفر کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔»

یہ سننے کے بعد ابن عباس سمجھ گئے کہ امام کا فیصلہ اٹل ہے اور اب اس سلسلے میں کوئی

مشورہ موثر واقع نہیں ہوگا، لہذا انہوں نے اس موضوع پر مزید کوئی بات نہیں کی اور کہا: اب جبکہ

آپ نے جانے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو خواتین اور بچوں کو اپنے ساتھ نہ لے جائیے۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ کو ان کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا جائے گا۔

امام نے ابن عباس کے اس مشورے کا بھی یوں جواب دیا:

«وَاللّٰهِ لَا يَدْعُونِي حَتّٰى يَسْتَخْرِجُوْا..... خدا کی قسم (یہ لوگ میرا

خون بہائے بغیر) مجھے نہیں چھوڑیں گے (۱)۔ اور جب یہ لوگ یہ ظلم کر گزریں

گے تو خداوند متعال ان پر ایک ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو انہیں ایسا ذلیل و

خوار کر دے گا کہ یہ عورتوں کے استعمال کئے ہوئے کپڑے سے زیادہ پست ہو

جائیں گے۔» (۲)

۱- امام نے «لا يدعونى» کا جوفظ استعمال کیا ہے وہ «ودع» یعنی ترک سے ماخوذ ہے «دعى» یعنی دعوت سے ماخوذ نہیں۔

۲- ابن کثیر نے «کامل» میں امام کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد «فراہم» کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نتیجہ: رہبر کا یقین محکم: امام کی اس گفتگو سے اپنے مقاصد پر آپ کا ایمان اور اپنی منزل کے سلسلے میں آپ کا یقین واضح ہوتا ہے۔ حالانکہ آپ اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ ابن عباس کی بصیرت اور ان کے خلوص نیت کے قائل تھے اور جانتے تھے کہ انہوں نے جن مشکلات اور رکاوٹوں کا ذکر کیا ہے وہ درست ہیں۔ اس کے باوجود آپ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ میں ان تمام مشکلات کے باوجود یہی راستہ اختیار کروں گا۔ اور جب ابن عباس نے انہیں خواتین اور بچوں کو ساتھ لے جانے سے منع کیا تب بھی آپ نے اپنے اسی اٹل اور نہ بدل سکنے والے موقف کو دہرایا۔ یہی ہے امامت اور رہبری کا صحیح مفہوم کہ جب امام اپنے لئے فریضے کا تعین کر لیتا ہے تو پھر اس کے مقابل کسی اندازے اور تخمینے کو خاطر میں نہیں لاتا۔

امام علیہ السلام کی رائے کی مخالفت میں جو مشورے دیئے گئے ان میں سے ایک مشورہ یہ تھا جو عبداللہ ابن عباس نے خود امام کے حضور بیان کیا۔ امام کے اس فیصلے کی مخالفت میں دوسرے افراد نے بھی مشورے دیئے جنہیں آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ کریں گے۔



(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) معنی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فِرَامُ الْمَرْئَةِ خِرْقَةٌ تَجْعَلُهَا الْمَرْئَةُ فِي قُبْلِهَا إِذَا حَاضَتْ (کپڑے کا ایسا پرانا ٹکڑا جسے عورتیں اپنی ماہانہ عادت کے موقع پر استعمال کرتی ہیں۔)

عبداللہ ابن زبیر کے جواب میں

«إِنَّ أَبِي حَدَّثَنِي أَنَّ بِمَكَّةَ كَبْشًا بِهِ تُسْتَحَلُّ حُرْمَتُهَا فَمَا أَحَبُّ أَنْ أَكُونَ ذَلِكَ الْكَبْشَ وَلَئِنْ أُقْتِلَ خَارِجًا مِنْهَا بِشِيرٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُقْتَلَ فِيهَا وَلَئِنْ أُقْتِلَ خَارِجًا مِنْهَا بِسَبْرَيْنِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُقْتَلَ خَارِجًا مِنْهَا بِشِيرٍ وَأَيْمُ اللَّهِ لَوْ كُنْتُ فِي جُحْرِ هَامَّةٍ مِنْ هَذِهِ الْهَوَامِّ يَسْتَخِرُ جُونِي حَتَّى يَقْضُوا بِي حَاجَتَهُمْ وَاللَّهِ لَيَعْتَدَنَّ عَلَيَّ كَمَا اعْتَدَتْ الْيَهُودُ فِي السَّبْتِ.

..... يَا ابْنَ الزُّبَيْرِ لَئِنْ أُدْفِنُ بِشَاطِئِ الْفُرَاتِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُدْفِنَ بِفَنَاءِ الْكَعْبَةِ.

..... إِنَّ هَذَا يَقُولُ لِي كُنْ حَمَامًا مِنْ حَمَامِ الْحَرَمِ وَلَئِنْ أُقْتِلَ وَبَيْنِي وَبَيْنَ الْحَرَمِ بَاعٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُقْتَلَ وَبَيْنِي وَبَيْنَهُ شَبْرٌ وَلَئِنْ أُقْتِلَ بِالْطَّفِّ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُقْتَلَ بِالْحَرَمِ.

..... إِنَّ هَذَا لَيْسَ شَيْءٌ مِنَ الدُّنْيَا أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ

أَخْرَجَ مِنَ الْحِجَازِ وَقَدْ عَلِمَ أَنَّ النَّاسَ لَا يَعْدِلُونَهُ بِي
فَوَدَّ أَنِّي خَرَجْتُ حَتَّى يَخْلُولَهُ. « (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

كَبْشٌ: مینڈھا (بھیڑکانر)۔ شَبْرٌ: بالشت۔ جَحْرٌ: زمین کا وہ سوراخ جس میں
جانور رہتے ہیں بل۔ هَوَامٌ (ہامۃ کی جمع): حشرات الارض۔ اِغْتِدَاءٌ: حق کو پامال کرنا۔
شَاطِئُ الْفُرَاتِ: فرات کے کنارے۔ فَنَاءٌ: دہلیز۔ حَمَامٌ (م پرزبر کے ساتھ):
کبوتر۔ باع: دو کھلے ہاتھوں کا درمیانی فاصلہ ایک ہاتھ کی انگلیوں کی ابتدا سے لے کر دوسرے
ہاتھ کی انگلیوں کے آخر تک کو ایک باع کہتے ہیں۔ طَفٌّ: کربلا کے ناموں میں سے ایک نام۔

ترجمہ اور تشریح

عبداللہ ابن زبیر کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے امام حسینؑ کو عراق جانے
سے منع کیا۔ عبداللہ ابن زبیر بھی حکومت کے مخالفین میں سے تھے اور اسی لئے مدینہ سے فرار ہو
کر مکہ میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ مکہ میں امام حسینؑ کی تشریف آوری کے بعد وہ بھی دوسرے
مسلمانوں کی طرح، کبھی ہر روز اور کبھی ایک دن چھوڑ کر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان
کی بزم میں شریک ہوتے۔ انہیں جب پتا چلا کہ امامؑ نے عراق کی جانب روانگی کا فیصلہ کر لیا
ہے، تو وہ آپ کے پاس آئے اور بظاہر آپ کو مشورہ دیا کہ اس سفر کا ارادہ ترک کر دیں۔

«بلاذری» اور «طبری» کی تحریر کے مطابق عبداللہ ابن زبیر کی بات کے دورخ تھے۔
کیونکہ ان کے الفاظ یہ تھے: اے فرزندِ رسول! جس طرح عراق میں آپ کے انصار و مددگار

۱- انساب الاشراف - ج ۳ - ص ۱۶۴، تاریخ طبری - ج ۵ - ص ۳۸۳، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۴ - ص ۳۸،
کامل الزیارات - ص ۷۲۔

ہیں، اگر اس طرح میرے حامی وہاں ہوتے تو میں دوسری کسی بھی جگہ کے مقابلے میں، عراق جانے کو ترجیح دیتا۔

پھر اپنے آپ کو تہمت سے بچانے کی خاطر سلسلہ کلام کو یوں جاری رکھا: بہر حال، اگر آپ مکہ میں مقیم رہیں اور اسی شہر میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی امامت اور رہبری کرنا چاہیں تو ہم بھی آپ کی بیعت کریں گے اور جہاں تک ممکن ہوگا آپ کی حمایت اور ہم نوائی سے گریز نہیں کریں گے۔

امام نے انہیں جواب دیا:

«إِنَّ أَبِي حَدَّثَنِي أَنَّ بِمَكَّةَ میرے والد نے مجھے بتایا تھا کہ مکہ میں ایک مینڈھے کی موجودگی کی وجہ سے اس شہر کا احترام پامال ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ مینڈھا میں بنوں (یعنی مجھے قتل کیا جائے اور اس وجہ سے خانہ خدا کا احترام پامال ہو)۔ اگر میں مکہ سے ایک بالشت باہر مارا جاؤں تو یہ مجھے مکہ میں مارے جانے کے مقابلے میں زیادہ پسند ہے، اسی طرح اگر مکہ سے دو بالشت کے فاصلے پر قتل کیا جاؤں تو یہ مجھے مکہ سے ایک بالشت دور مارے جانے سے زیادہ پسند ہوگا۔

خدا کی قسم، اگر میں کسی جانور کے بل میں بھی چلا جاؤں تو یہ لوگ اپنا مقصد پانے کی خاطر مجھے وہاں سے بھی نکال کر قتل کر دیں گے۔ یہ لوگ میرا احترام اسی طرح پامال کریں گے جس طرح یہودیوں نے ہفتے کے دن کا احترام پامال کیا تھا۔»

مزید فرمایا:

«يَا ابْنُ الزُّبَيْرِ لَئِنْ اے ابن زبیر! مجھے فرات کے کنارے دفن ہونا، خانہ کعبہ کی دہلیز پر دفن ہونے سے زیادہ پسند ہے۔»

» ابن قولویہ « کے مطابق جب عبداللہ ابن زبیر امام کے پاس سے چلے گئے تو آپؐ

نے فرمایا:

» إِنَّ هَذَا يَقُولُ لِي كُنْ حَمًا مَّا..... یہ مجھ سے کہتا ہے کہ میں حرم کا

کبوتر بن جاؤں۔ اگر قتل کے موقع پر میں حرم سے ایک ہاتھ کے فاصلے پر ہوں

تو یہ میرے لئے (حرم سے) ایک بالشت دور ہونے کے مقابلے میں زیادہ

پسندیدہ ہے اور (اسی طرح) طف میں قتل کیا جانا مجھے حرم میں مارے جانے

سے زیادہ محبوب ہے۔ «

اور »طبری« اور »ابن اثیر« کے مطابق عبداللہ ابن زبیر کے جانے کے بعد امامؐ نے

اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

» إِنَّ هَذَا لَيْسَ شَيْءٌ مِنَ الدُّنْيَا..... (اگرچہ وہ ظاہر ایسے کر رہا ہے

جیسے میرا مکہ میں رہنا اسے پسند ہے لیکن درحقیقت) میرا مکہ سے چلے جانا

اسے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیارا ہے، کیونکہ اسے معلوم ہے کہ میرے ہوتے

ہوئے لوگ اسے کوئی اہمیت نہیں دیں گے (لہذا یہ چاہتا ہے کہ میں مکہ سے چلا

جاؤں تاکہ لوگ اس کے گرد جمع ہو جائیں)۔ «

نتیجہ: اس گفتگو میں امامؐ نے عبداللہ ابن زبیر کے ماضی، حضرت علیؑ کی حکومت کے خلاف ان

کے موقف اور حتیٰ جنگ بصرہ کا بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا جس کا بنیادی مقصد امیر المومنینؑ کو ختم

کرنا تھا اور عبداللہ ابن زبیر اس جنگ کے اصلی محرک اور عامل تھے۔ البتہ چند ہی جملوں میں

امامؐ نے ان کے سامنے اپنے اور ان کے مستقبل کی تصویر کھینچ دی۔

اپنے موقف کے بارے میں امامؐ نے فرمایا کہ: خواہ میں مکہ میں رہوں یا کسی اور جگہ

حتیٰ اگر کسی جانور کے بل میں بھی جا چھپوں، تب بھی حکومت کے کارندے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں

گے اور (اس کی وجہ یہ ہے کہ) حکومت کے ساتھ میرا اختلاف ختم ہونے والا نہیں ہے۔ کیونکہ جو وہ مجھ سے چاہ رہے ہیں، وہ میں کبھی قبول نہیں کروں گا اور جو میں ان سے چاہتا ہوں وہ وہ قبول کرنے کو تیار نہ ہوں گے۔

امام نے اسی گفتگو میں شَاطِطِیُّ ۽ الْفُرَات (فرات کے کنارے) اور طف کا تذکرہ کیا ہے جو قابل توجہ اور انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ساتھ ہی امام نے ابن زبیر کو بھی خبردار کیا کہ میرے والد نے فرمایا ہے کہ ایک مینڈھے کی وجہ سے خانہ کعبہ اور حرم الہی کا احترام پامال ہوگا اور کیونکہ میں وہ مینڈھا نہیں بننا چاہتا اور مجھے منظور نہیں کہ میرا خون بہنے کی وجہ سے کعبہ اور حرم کی بے احترامی ہو لہذا میں اس شہر سے نکل رہا ہوں اور اگر کعبہ کے احترام کے تحفظ کی خاطر اس سے ایک بالشت باہر بھی قتل ہوں تو یہ مجھے خانہ کعبہ میں مارے جانے سے زیادہ محبوب ہے۔ اور تمہیں بھی مستقبل کی طرف سے مطمئن نہیں رہنا چاہئے اور ایسا نہ ہو کہ اپنی حفاظت کے لئے حرم کے کبوتر بن جاؤ اور خانہ کعبہ کو اپنی ڈھال بناؤ اور اس گھر کی حرمت کی پامالی کا سبب بنو۔

امام کی پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی

لیکن ابن زبیر نے امام کی اس گفتگو اور انتباہ (Warning) پر توجہ نہ دی اور جلد ہی (صرف ۱۳ سال کے عرصے میں) دو مرتبہ خانہ کعبہ پر سنگ باری اسکی آتش زدگی اور تباہی کا موجب بنے اور یوں امیر المومنین اور امام حسینؑ کی پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی۔

پہلی مرتبہ یہ سانحہ امام حسینؑ کی شہادت کے تین سال بعد ۳ ربیع الاول ۶۲ھ کو پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن زبیر نے یزید کی بیعت نہیں کی اور یزید کا لشکر واقعہ حرہ اور مدینہ میں قتل و غارتگری کے بعد ابن زبیر کی سرکوبی کے لئے مکہ روانہ ہوا اور مکہ کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ جب ابن زبیر نے اپنی جان بچانے کے لئے خانہ کعبہ میں پناہ لی تو لشکر یزید نے

محاصرہ تنگ کر دیا اور ابو قیس نامی پہاڑی کے ذریعے مسجد الحرام میں داخل ہو گئے۔ اس دوران خانہ کعبہ پر منجیق کے ذریعے پتھراؤ کیا اور کپڑے کے جلتے ہوئے گولے برسائے۔ اس پتھراؤ سے بیت اللہ کا کچھ حصہ تباہ ہو گیا اور آتش گولوں کی وجہ سے اس کا غلاف چھت اور اس مینڈھے کے سینک جو حضرت اسماعیلؑ کے بدلے ذبح ہونے کے لئے جنت سے آیا تھا سب جل کر راکھ ہو گئے۔

اسی حملے کے دوران یزید کی موت کی خبر مکہ پہنچی، یہ اطلاع پہنچنے پر اس کا لشکر منتشر ہو گیا اور پھر ابن زبیر نے خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کیا۔

دوسری مرتبہ کعبہ کی بے حرمتی کا سانحہ اس وقت رونما ہوا، جب یزید کی موت کے بعد ابن زبیر نے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی اور رفتہ رفتہ کچھ افراد نے انکی بیعت بھی کر لی۔ یہاں تک کہ ۳۷ھ میں عبدالملک کی خلافت کے دوران حجاج بن یوسف کو ابن زبیر کی سرکوبی پر مامور کیا گیا۔ حجاج نے کئی ہزار فوج پر مشتمل لشکر کے ساتھ حملہ کیا اور مکہ کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ یہ محاصرہ بھی کئی مہینے جاری رہا اور اس میں بھی ابن زبیر نے خانہ کعبہ میں پناہ لی۔ آخر کار حجاج کے حکم پر شہر کے پانچ حصوں سے مسجد الحرام پر منجیق کے ذریعے پتھراؤ کیا گیا، جس کے نتیجے میں خانہ کعبہ کو کافی نقصان پہنچا اور بعض مورخین کے مطابق وہ بالکل تباہ ہو گیا۔ اس جنگ میں ابن زبیر قتل ہوئے، بعد میں حجاج بن یوسف نے خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کیا۔ (۱)

اسلام کو ڈھال بنانا اور اسلام کے لئے ڈھال بننا

امام حسین علیہ السلام اور ابن زبیر کی گفتگو اور ان دونوں کے طرزِ عمل کے موازنے سے ایک انتہائی اہم اور توجہ طلب نکتہ حاصل ہوتا ہے، اور وہ نکتہ تاریخ میں رونما ہونے والی مختلف

۱- تاریخ کامل ابن اثیر، البدایہ والنہایہ اور تاریخ الخلفاء سے خلاصہ۔

تحریکوں اور جہادی سلسلوں کا ایک دوسرے سے تقابل اور ان کے درمیان باہمی فرق کا واضح ہونا ہے۔

ممکن ہے دو افراد ایک ہی زمانے میں، ایک ہی معاشرے اور ایک ہی ماحول میں ظلم و ستم، بگاڑ اور انحراف کے خلاف جدوجہد کا دعویٰ کریں اور بظاہر دونوں کا دعویٰ ایک ہی جیسا نظر آتا ہو اور بادی النظر میں اسلام اور اس کی تعلیمات کے تحفظ کی خاطر دونوں ہی مدینہ سے سفر کا آغاز کر کے مکہ کی طرف آئیں۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور حالات اور فضا کی تبدیلی سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان میں سے ایک شخص عہدے و مقام کے لالچ اور اپنے ذاتی مفادات کی حفاظت کے لئے کعبہ کو اپنی ڈھال بناتا ہے اور دوسرا خود کو اور اپنے اہل و عیال کو خانہ کعبہ کی حفاظت کے لئے ڈھال بنالیتا ہے۔ ایک اسلام کو اپنی شخصیت پر قربان کر دیتا ہے اور دوسرا اپنی پوری ہستی اسلام کی راہ میں فدا کر دیتا ہے۔ ایک لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیتا ہے اور دوسرا خدا کی طرف بلاتا ہے۔

ظاہراً ایک جیسا نظر آنے کے باوجود یہی وہ باریک لیکن بنیادی فرق ہے جو ہر زمانے میں سادہ لوح اور کم علم افراد کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ صحیح اور غلط کے درمیان تمیز سے عاجز رہتے ہیں۔

اگر ابن زبیر جیسے لوگ، یزید جیسوں کی مخالفت کریں، تو ان کا مطمع نظر کیا ہے اور اگر یہی کام حسین جیسے کریں تو کن مقاصد کے پیش نظر ہوتا ہے۔ اگرچہ ظاہری طور پر دونوں ہی یزید اور یزید جیسوں کے مخالف ہیں اور دونوں ہی کی جدوجہد اسلام کے لئے ہے!

اگر ابن زبیر جیسے لوگ اپنے دعوؤں میں سچے ہوں اور ریاست و مقام کی خواہش میں نہیں بلکہ اسلام کے لئے جدوجہد کر رہے ہوں تو حسین جیسوں سے پیش پیش دشمن سے برسر پیکار ہوں اور امام کے بقول حرم کا کبوتر نہ بنیں اور ان کے دل میں یہ آرزو نہ ہو کہ کسی طرح

حسینؑ سر زمین حجاز سے دور چلے جائیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حسینؑ جیسوں کے ہوتے ہوئے کوئی بھی ان جیسوں کی طرف توجہ نہیں دے گا۔

پس اس قسم کی جدوجہد کے ذریعے ابن زبیر جیسے لوگوں کا مقصد اپنے لئے عہدہ و مقام اور عوام کی توجہات حاصل کرنا اور انہیں بے وقوف بنا کر اپنے مفادات کا حصول ہوتا ہے۔

عبداللہ ابن زبیر کا کردار

عبداللہ ابن زبیر جیسے افراد کی زندگی کا مختصر سا جائزہ بھی لیا جائے تو بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ یزیدیت کے ساتھ ان کے مقابلے اور جدوجہد (اگر اسے مقابلہ اور جدوجہد کہا جاسکے!) کی حقیقت کیا ہے۔ اگر ایک زمانے میں وہ یزید کی مخالفت میں مدینہ سے فرار ہو کر مکہ میں پناہ لیتے ہیں تو ایک زمانے میں جب علی ابن ابی طالب مسلمانوں کو بنی امیہ کے تسلط سے نکال کر انہیں ذلت اور پستی سے نجات دلانے اور اسلام میں داخل کئے جانے والے انحرافات اور خرابیوں کا خاتمہ کرنے، نیز مسلمانوں کے بیت المال کو غاصبوں اور لٹیروں کے چنگل سے بچانے کے لئے سرگرم عمل تھے تو اس وقت یہی ابن زبیر، منافقین، ناکشیں اور مارقین کے لئے جائے پناہ بنے ہوئے تھے۔

انہوں نے اسی شہر مکہ میں پارٹی بنا کر سازشوں کے تانے بانے بنے اور بصرہ جیسے دور دراز شہر میں انہیں جامہ عمل پہنایا اور حضرت علیؑ کے دشمنوں، معزول کئے جانے والے گورنروں (۱) اور بے خبر مسلمان عوام (۲) کی مدد سے علم بغاوت بلند کیا اور حضرت علیؑ کی برحق حکومت

۱۔ مثال کے طور پر ((طبری)) کے بیان کے مطابق یمن میں حضرت عثمان کا گورنر ((یعلیٰ بن امیہ)) جسے حضرت علیؑ کے زمانے میں اس کے عہدے سے ہٹا دیا گیا تھا، کثیر دولت اور چار سو اونٹوں کے ساتھ بصرہ کے باغیوں کی مدد کے لئے مکہ آیا۔

۲۔ تاریخ طبری (ج ۵- ص ۱۲) ہی کے بیان کے مطابق بصرہ میں قبیلہ ((ازد)) کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ کر دیا۔ اسلام کے نام پر حضرت عثمان کے دور میں ان افراد کے چنگل میں پھنس جانے والے بے کس و لاچار مسلمانوں کے خرچ پر اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائی۔

کیونکہ اسلام کی حفاظت کے سلسلے میں حضرت علی کا شاندار ماضی آپ پر کسی بھی قسم کی تہمت اور الزام چسپاں کرنے میں رکاوٹ ثابت ہوا، لہذا انہوں نے ان کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے دوائیے بہانے تراشے جن کا حالانکہ حضرت علی کی شخصیت سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن آپ کے لئے سخت ترین نقصان کا سبب بنے۔ ایک بہانہ حضرت عثمان کے قتل کا قصاص تھا۔ ان (مخالفین) کا کہنا تھا کہ حضرت عثمان کو حضرت علی کے ارد گرد رہنے والے افراد نے قتل کیا ہے اور اب حضرت علی کو چاہئے کہ وہ مالک اشتر، عمار یا سر اور اپنے باقی تمام ساتھیوں کو نہ صرف خود سے علیحدہ کریں بلکہ سب کو قید کر کے ان (باغیوں) کے حوالے کر دیں۔

دوسرا بہانہ آزادی، عوامی حاکمیت اور قوم پرستی جیسے بظاہر دلکش اور عوام فریب نعرے لگا کر حضرت علی پر مطلق العنانیت (ڈکٹیٹر شپ) اور شخصی آمریت کا الزام لگانا تھا۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ ہمیں علی کی ذات سے کوئی دشمنی نہیں ہے، بلکہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ وہ حکومت سے علیحدہ ہو جائیں اور امت اسلامیہ ہر قسم کے دباؤ اور پابندیوں سے آزاد ہو کر اپنی مکمل رضا اور خوشی سے جسے چاہے اپنا خلیفہ منتخب کرے۔

اگرچہ تیس ہزار سے زیادہ مسلمانوں کا خون بہہ جانے کے بعد ابن زبیر کی اس شورش پر بظاہر قابو پا لیا گیا (۱) اور وہ ایک عرصے تک باشعور اور آگاہ مسلمانوں کے درمیان نفرت اور

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) افراد حضرت عائشہ کے اونٹ کا فضلہ بطور تبرک ہاتھ میں اٹھا کر اسے سونگھ کر کہتے تھے

کہ واہ واہ اس میں سے تو مشک کی خوشبو آتی ہے!

۱- تاریخ یعقوبی۔ فصل جنگ جمل۔

بے توجہی کا شکار رہے لیکن یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ اسی سازش نے جنگ صفین اور جنگ نہروان کی راہ ہموار کی، یہاں تک کہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت بھی اسی اسلام دشمن (اور بعض احمقوں کی نظر میں سونی صدا سلامی) سازش کے برے نتائج میں سے ایک نتیجہ تھی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر ابن زبیر جیسے لوگ اپنی جاہ طلبی ذاتی اور مادی مفادات کے حصول اور عوام کو فریب دینے کے لئے حکومت یزید کو قبول نہیں کرتے تو ساتھ ہی امیر المومنین علیؑ کی حکومت کے خاتمے کے لئے بھی ہر ممکن طریقے اختیار کرتے ہیں۔ حتیٰ یہی ابن زبیر یزید کی مخالفت کی آڑ میں ایک اہم مذہبی اور سیاسی شخصیت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں اور امام حسینؑ کی شہادت کے بعد کچھ بے خبر افراد امام زین العابدینؑ کی بجائے ان کی بیعت کر لیتے ہیں اور ایک باشعور لیڈر کے طور پر ان کے دلدادہ ہو جاتے ہیں۔

پھر جب یہ مکہ اور سیاست کا میدان امام حسینؑ اور یزید دونوں سے خالی دیکھتے ہیں اور انہیں اپنی آرزو میں پوری ہوتی نظر آتی ہیں، تب بھی سازشیں ترک نہیں کرتے اور خاندان پیغمبرؐ کے لئے اپنے دل میں موجود بغض و عناد کو ایک دوسرے طریقے سے ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ جب یزید اور عبدالملک کی حکومت کی درمیانی مدت میں مکہ پر قابض ہوئے تو انہوں نے کچھ عرصے تک نماز جمعہ کے خطبے میں رسول خداؐ کا نام نہیں لیا اور جب ان کے اس عمل پر مسلمانوں نے اعتراض کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسل اور ان کے قبیلے کے لوگ نالائق اور بے صلاحیت ہیں اور جب خطبے میں رسول اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو یہ لوگ فخر اور غرور کا اظہار کرتے ہیں۔ لہذا میں ان کا تکبر توڑنے کے لئے پیغمبر کا نام لینے سے گریز کرتا ہوں۔ (۱)





مکہ سے کربلا تک

محمد بن حنفیہ کے جواب میں

«بَلٰی وَلٰكِنْ بَعْدَ مَا فَارَقْتُكَ اَتَانِي رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) وَقَالَ
يَا حُسَيْنُ اُخْرِجْ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی شَاءَ اَنْ يَّرَاكَ قَتِيْلًا
..... وَقَدْ شَاءَ اَنْ يَّرَاهُنَّ سَبَايَا» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

قَتیل: جسے قتل کیا گیا ہو۔ سَبَايَا (سَبِيَّة کی جمع، سَبِي کی مونث ہے): قیدی۔

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؑ کے بھائی محمد بن حنفیہ وہ تیسرے شخص تھے جنہوں نے آپؑ کو عراق جانے سے گریز کا مشورہ دیا۔

محمد بن حنفیہ جو فریضہ حج کی ادائیگی اور امام حسینؑ سے ملاقات کی غرض سے مکہ تشریف لائے تھے اور «علامہ حلی» کے بقول اس وقت سخت علیل تھے (۲) امامؑ کے سفر پر نکلنے سے پہلے رات کے وقت آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے بھائی! آپؑ دیکھ چکے ہیں

۱- لہوف - ص ۶۵۔

۲- سفینۃ البحار - ج ۱ - ص ۳۲۲ (اور اسی بیماری کی وجہ سے وہ امامؑ کے ہمراہ عراق نہیں جاسکے تھے)

کہ اہل کوفہ نے آپ کے والد اور آپ کے بھائی کے ساتھ کس طرح بے وفائی اور وعدہ خلافی کی تھی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ بھی عہد شکنی کریں گے۔ لہذا بہتر ہے کہ آپ عراق کی سمت نہ جائیں بلکہ اسی شہر مکہ میں رہیں۔ کیونکہ لوگوں کے نزدیک اس شہر اور اس حرم الہی میں کوئی بھی آپ سے زیادہ معزز اور محترم نہیں ہے۔

امام نے جواب میں فرمایا:

«مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ یزید مکرو فریب کے ذریعے اسی حرم الہی میں مجھے قتل کروادے گا اور یوں خانہ خدا کا احترام پامال ہوگا۔»

محمد بن حنفیہ نے تجویز پیش کی کہ اس صورت میں بہتر ہے کہ آپ عراق کی بجائے یمن یا کسی اور محفوظ مقام کی جانب تشریف لے جائیں۔

امام نے فرمایا: آپ کے مشورے اور اس تجویز پر بھی غور کروں گا۔

لیکن امام حسین اگلے روز علی الصبح عراق کی سمت روانہ ہو گئے۔ جب یہ خبر محمد بن حنفیہ کو ملی تو وہ آنا فانا امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے اونٹ کی لگام تھام کر کہا: بھائی! کیا کل رات آپ نے میری درخواست اور مشورے پر غور فرمانے کا وعدہ نہیں کیا تھا؟

امام نے جواب دیا:

«بَلَىٰ وَلَٰكِنْ بَعْدَ مَا فَارَقْتُكَ..... جی ہاں، لیکن آپ کے جانے کے

بعد رسول اللہ میرے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: حسین! روانہ ہو جاؤ کیونکہ اللہ تمہیں مقتول دیکھنا چاہتا ہے۔»

امام کی یہ بات سن کر محمد بن حنفیہ نے کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

اسکے بعد انہوں نے ان حساس اور پرخطر حالات میں خواتین اور بچوں کو ساتھ لے

جانے کی وجہ جاننا چاہی تو امام نے اس کے جواب میں بھی یہی فرمایا:

«وَقَدْ شَاءَ اَنْ يَّرَٰہُنَّ سَبَیًا.»

((اور اللہ انہیں بھی قیدی بنادیکھنا چاہتا ہے۔))

کیا امام حسینؑ شہادت پر مجبور تھے؟

امام حسینؑ نے محمد بن حنفیہ کو جو جواب دیا، اس کے ظاہری الفاظ (خدا چاہتا ہے) سے اور اسی طرح امام کے حضرت ام سلمہؓ (۱) اور حضرت زینب علیہا السلام (۲) کو دیئے گئے جوابات سے ممکن ہے کوئی یہ نتیجہ اخذ کرے کہ امام حسینؑ کا سفر کرنا، ان کا مارا جانا اور ان کے اہل و عیال کا قیدی بنایا جانا ان کا مقدر اور مشیت الہی کے مطابق تھا، اور کیونکہ خدا نے ان چیزوں کا فیصلہ کر لیا تھا لہذا آپؑ کا قتل ناقابلِ اجتناب تھا اور امامؑ مجبور اور بے بس تھے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ طرزِ فکر کسی نہ کسی حد تک بعض صاحبانِ علم میں بھی پیدا ہوا ہے۔ لہذا جب امام حسینؑ کی شہادت کے موضوع پر کوئی بات چیت ہو یا اس بارے میں کوئی بحث چھڑ جائے تو یہ لوگ بھی کہتے ہیں کہ امامؑ کا معاملہ اور ان کا طریقہ کار عام لوگوں سے جدا تھا اور خدا کی یہی مشیت تھی کہ وہ انہیں مقتول دیکھنا چاہتا تھا۔

یہاں یہ سوال پیش آتا ہے کہ اگر اس بارے میں خدا کی مشیت اس کے ارادے اور تقدیر کے معنی یہی ہوں جو ان صاحبانِ فکر کے ذہن میں ہیں، تو پہلی بات تو یہ کہ پھر امام حسینؑ کی شہادت کی کوئی قدر و قیمت اور اہمیت نہیں رہتی۔ مزید یہ کہ اس صورت میں یہ بے نظیر تحریک اور بے مثال صبر و استقامت جس نے نہ صرف انسانوں بلکہ قدسیوں کو بھی حیرت زدہ کر دیا تھا وہ ایک ایسے عام شخص کی شہادت اور قربانی کے مقابلے میں بھی کم اہمیت ہو جائے گی جس نے خود بڑھ کر شہادت کو گلے لگایا ہو۔ کیونکہ اس عام شخص نے اپنے ارادے اور اختیار سے شہادت کا راستہ منتخب کیا جبکہ (ان حضرات کے اس قول کے مطابق) امام حسینؑ نے یہ راستہ مجبوراً اور بے اختیار ہونے کی وجہ سے اپنایا تھا اور آپؑ مشیت اور ارادہ الہی کے برخلاف قدم اٹھانے سے

عاجز تھے۔

دوسری بات یہ کہ پھر لشکرِ کوفہ اور قاتلانِ امام حسینؑ کو بہت زیادہ لعنت ملامت نہیں کی جانی چاہئے۔ کیونکہ اس صورت میں امام حسینؑ کا قتل ارادۃِ الہی کے مطابق انجام پایا تھا اور ہر مقتول کے لئے بہر حال قاتل کا ہونا ضروری ہے۔ مختصر یہ کہ امام حسینؑ کے معاملے میں جس طرح مقتول بے اختیار اور لاچار تھا، قاتل بھی مجبور اور بے بس تھا!

جواب: اس قسم کے اعتراض، بلکہ یہ کہنا بہتر ہے کہ اس طرزِ فکر اور طرزِ فہم کا اصل سبب یہ ہے کہ یہ افراد ارادے، مشیت، تقدیر اور مختلف مواقع پر امامؑ کی گفتگو میں استعمال ہونے والی اسی قسم کی دوسری اصطلاحات کے وسیع مفہوم سے نابلد ہیں اور ان الفاظ کو ان معانی اور مفہیم میں استعمال کرنے کی بجائے جو امامؑ کے مدِ نظر تھے، انہیں انہی الفاظ کے کسی اور معانی یا ان کے وسیع مفہوم کے کسی اور مصداق کے بارے میں استعمال کر رہے ہیں۔

بات کو کھول کر بیان کرتے ہیں کہ ارادے اور مشیتِ الہی کی ایک قسم تکوینی ہے اور ایک تکلفی۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا، اللہ تعالیٰ کا تکوینی ارادہ بندوں کے اختیار سے باہر ہے اور انسان اس قسم کی مشیت کے سامنے مجبور اور بے بس ہیں۔ جیسے انسانوں کا پیدا ہونا، یا وفات پانا اور زمین و آسمان کی خلقت وغیرہ۔۔۔

جبکہ ارادۃِ تکلفی یا تشریعی کا مطلب یہ ہے کہ خداوند متعال کسی کام کے انجام پانے یا ترک کئے جانے کو مصلحت سمجھے اور اس کے واقع ہونے یا نہ ہونے کا ارادہ کرے اور اس ارادے، مشیت، تقدیر اور خواہش کے مطابق اس عمل کے انجام پانے یا ترک کئے جانے کے بارے میں امر و نہی کرے۔ لیکن اس ارادے اور تقدیرِ الہی اور امر و نہی کے باوجود اس کام کے انجام دینے یا نہ دینے کا اختیار بندوں کے سپرد کر دے۔ جیسے نماز، روزہ، حج اور جہاد جیسے دوسرے شرعی فرائض۔ ان کے بارے میں ارادہ اور مشیتِ خدا یہ ہے کہ یہ کام انجام پائیں اور اگر خدا کا یہ ارادہ اور یہ تقدیر نہ ہوتی تو وہ انہیں انجام دینے کا حکم ہی نہ دیتا۔ اسی طرح اللہ کا

ارادہ اور مشیت یہ ہے کہ تمام محرمات سے پرہیز کیا جائے، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ان سے منع نہ کرتا۔ البتہ ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ اور مشیت براہِ راست نہیں ہے، بلکہ اللہ کے ارادے کے باوجود ان امور کا انجام دیا جانا بندوں کے ارادوں اور ان کی خواہش پر چھوڑا گیا ہے۔

مذکورہ حقیقت کی ایک مثال قرآنِ کریم میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

«إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَايِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ
الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ»

» بے شک اللہ عدل، احسان اور قربت داروں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے اور بدکاری، ناشائستہ حرکات اور ظلم سے منع کرتا ہے کہ شاید تم اسی طرح نصیحت حاصل کر لو۔ « (سورہ نحل ۱۶- آیت ۹۰)

اس آئیہ کریمہ کے مطابق خداوند متعال چاہتا ہے کہ عدل و انصاف ہو، نیکی انجام پائے، اعزہ و اقربا کی مدد و اعانت کی جائے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا ہوں۔ اسی طرح چاہتا ہے کہ بے حیائی، برائی اور ظلم و ستم کا خاتمہ ہو۔

لیکن ہم جانتے ہیں اور جیسا کہ خود آئیہ کریمہ میں بھی ہے کہ پروردگارِ عالم نے ان چیزوں کو امر و نہی کی صورت میں بیان کیا ہے اور پھر ان کی انجام دہی کو لوگوں کے ارادے و اختیار اور ان کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔ اب یہ اللہ کے بندوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس تقدیر، اس ارادے اور اللہ کے اس حکم پر پوری آزادی اور اختیار کے ساتھ عمل کریں اور اگر وہ اس کے برخلاف چلنا چاہیں تب بھی آزاد و خود مختار ہیں اور ان دونوں میں سے کسی ایک راستے کو اختیار کرنے کے سلسلے میں ان پر کوئی جبر نہیں ہے۔ خداوند متعال یہ امر و نہی کرتے ہوئے صرف نصیحت و رہنمائی کے طور پر صحیح راستے کے انتخاب کی دعوت دے رہا ہے: «يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ» (شاید تم اسی طرح نصیحت حاصل کرو۔)

مشیت اور ارادہ الہی کے دونوں معنی کی وضاحت کے بعد اب ہم دوبارہ اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

امام حسینؑ کے نزدیک اس زمانے کے حالات وہ رخ اختیار کر چکے تھے جس میں اللہ کے حکم کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ (تم پر جہاد واجب کر دیا گیا ہے۔ سورہ بقرہ ۲- آیت ۲۱۶) کے تحت ان کا میدان جنگ میں آنا واجب ہو گیا تھا۔ آپؑ جنہوں نے فرمایا تھا کہ اگر مسلمانوں پر یزید جیسے حاکم کی حکومت ہو تو پھر اسلام کا خدا ہی حافظ ہے ایسے حالات میں پورے کے پورے اسلام پر فاتحہ پڑھ لینی چاہئے۔ لہذا جب صورتحال یہ ہے تو ضروری ہے کہ آپؑ اپنی ہر چیز یہاں تک کہ اپنے باوفا اصحاب اور اہل و عیال تک کو قربان کر دیں تاکہ جاں بلب اسلام کو حیات تازہ اور فراموش شدہ قرآن کو نئی زندگی مل جائے۔

یہ وہی حقیقت ہے جسے حسین ابن علیؑ نے اس جملے میں بیان فرمایا ہے کہ: فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى شَاءَ أَنْ يَرَاكَ قَتِيلًا..... وَقَدْ شَاءَ أَنْ يَرَاهُنَّ سَبَايَا۔

جی ہاں یہی ارادہ الہی ہے یہی اس کی مشیت اور تقدیر ہے اور اب امام حسینؑ کی ذمہ داری ہے کہ اس پر عمل کریں۔ یہی وہ عظیم اور تاریخ ساز ذمہ داری تھی (نہ صرف تاریخ ساز بلکہ جس کی مثال تاریخ بشریت نہیں لاسکتی) جس کی ادائیگی کی تاکید اور تائید رسولِ گرامیؐ نے بھی امام کو خواب میں آ کے فرمائی تھی۔

امامؑ نے شہادت کا راستہ آزادی کے ساتھ اختیار کیا

امام حسینؑ کے اس اقدام کی عظمت اور اس کی قدر و قیمت کو ہم اس وقت بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں جب ہمارے سامنے یہ حقیقت واضح ہو کہ امامؑ نہ صرف ارادہ تکوینی کے لحاظ سے اپنے راستے کے انتخاب میں مجبور اور بے بس نہ تھے اور آغاز ہی سے آپؑ نے مکمل آزادی اور اختیار کے ساتھ اس راستے کا انتخاب کیا تھا بلکہ شہادت تک ہر مرحلے اور ہر قدم پر آپؑ کے

لئے یہ امکان موجود تھا کہ آپؐ اس راستے کو ترک کر دیتے۔ اور اگر آپؐ ایسا کرتے تو دوسرے تمام بظاہر عقلائے قوم کی طرح عراق کی جانب سفر کو ترک کرنے کے اتنے عقلی اور شرعی دلائل قائم کرتے جو ہر فرد کے لئے قابل قبول ہوتے۔

لیکن آپؐ نے دوسروں کی طرف سے ظاہر کئے گئے تمام اندیشوں، امکانات اور ان کے اندازوں کو پس پشت ڈال کر اور ان تمام بنیادوں اور وجوہات کو قدموں تلے روند کر جن کے مطابق ان کے دوست اور دشمن، چھوٹے اور بڑے، عورت و مرد سب ہی اس سفر کو یقینی شکست سے تعبیر کر رہے تھے اور جو سمجھتے تھے کہ آپؐ کی اختیار کردہ راہ کا انجام آپؐ اور آپؐ کی آل اولاد کی شہادت اور عورتوں اور بچوں کی اسارت ہے۔ آپؐ نے ان خیالات اور آرا کے سامنے استقامت اور پامردی کا مظاہرہ کیا اور اپنے سفر کی تفصیلات کو جانتے ہوئے مکمل شعور اور آگہی کے ساتھ فرمایا کہ: اللہ مجھے مقتول دیکھنا چاہتا ہے۔

جی ہاں! انسانوں کی خواہشات اور ان کے مشوروں کے برخلاف، پروردگار کے حکم اور ارادہ تکلفی کے لحاظ سے، ان خاص حالات میں حسین ابن علیؑ کی ذمہ داری یہ تھی کہ آپؐ میدان جہاد میں قدم رکھیں اور اعوان و انصار کی قلت کے باوجود ایک مضبوط اور طاقتور دشمن کے مقابل کھڑے ہو جائیں۔

اگرچہ اس غیر مساوی جنگ کا قدرتی نتیجہ وہی ظاہری شکست تھی جس کی سب پیش گوئی کر رہے تھے، لیکن اسکا باطنی، طویل مدتی نتیجہ وہ تھا جسے امامؑ نے مدینہ سے روانگی کے وقت اپنے وصیت نامے میں تحریر فرمایا تھا کہ: **وَإِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْإِصْلَاحِ فِي أُمَّةٍ جَدَى (صلی اللہ علیہ و آلہ) (میں تو صرف اس لئے نکل رہا ہوں کہ اپنے نانا کی امت کی اصلاح کروں۔)**

لیکن ایک بار پھر یہ بات دُہرانا ضروری ہے کہ حسین ابن علیؑ دوسرے تمام لوگوں کی طرح اس راستے کے انتخاب میں آزاد تھے۔ آپؐ جب چاہتے اپنے ارادے کو ترک کر سکتے

تھے اور اس موقع پر خاموش رہ کر یہ تاریخ ساز عمل معطل کر سکتے تھے، لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ آپؐ قوم کے رہبر و راہنما اور تمام عالم کے لئے اسوہ عمل تھے۔

پہلے سے معلوم شہادت کی کیا اہمیت ہے؟

اسی سلسلے میں ایک اور سوال (یا وہی گزشتہ سوال دوسرے الفاظ میں) یہ سامنے آتا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت پہلے ہی سے معلوم تھی اور اس کی پیش گوئی کی جا چکی تھی اور اسی پیش گوئی اور خبر کے عین مطابق وہ واقع ہوئی۔ لہذا جیسا کہ پہلے سوال میں اشارہ کیا گیا، ایسی شہادت کیا خاص فضیلت رکھتی ہے؟

اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ: یقیناً خداوند متعال آگاہ تھا کہ امام حسینؑ اپنے ارادے اور اختیار سے اس کے اس عظیم حکم کی تعمیل کریں گے، اپنا سب کچھ راہِ خدا میں قربان کر دیں گے اور کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ لہذا اس نے پہلے ہی سے اس بارے میں اپنے نبی کو مطلع کر دیا تھا۔ لیکن یہ علم الہی اور یہ پیشگی اطلاع کسی بھی طرح امام حسینؑ کو مجبور یا بے بس نہیں کرتے۔ کیونکہ مثال کے طور پر اگر ہم اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو اپنے ارادے اور اختیار کے تحت انجام دیتے ہیں مثلاً، نماز پڑھتے ہیں۔ اب اگر خدا ہمارے اس عمل کے بارے میں جس سے وہ پہلے ہی سے آگاہ ہے، اپنے نبی کو بھی مطلع فرمادے تو کیا خدا کا اس طرح انہیں بتا دینا ہمارے ارادے اور عمل پر کوئی معمولی سا بھی اثر ڈالے گا؟ اور کیا خدا کا یہ علم، جس سے اس نے اپنے نبی کو بھی مطلع کر دیا ہے، ہم سے ہمارا ارادہ اور اختیار سلب کر لے گا، اور ہمیں اس نماز کی ادائیگی پر مجبور کر دے گا؟۔۔۔ نہیں، ہرگز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ کسی کام کے بارے میں خدا کا علم یا پیش گوئی کرنا، اس کام کے انجام پانے کا محرک اور سبب نہیں ہے، بلکہ یہ پیش گوئی کرنا ایک ایسے واقعے کی اطلاع دینا ہے جو کسی انسان کے ارادے اور اختیار کے نتیجے میں مستقبل میں انجام پائے گا اور اگر وہ انسان اس عمل کا ارادہ

نہ کرتا تو وہ انجام نہ پاتا۔

کسی ذمے داری کی بجائے داری اور کسی فریضے کے انجام پانے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کا اظہار اور اعلان صرف امام حسینؑ کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ خداوند متعال اپنے تمام انبیاء و اولیاء کے فرائض اور ذمے داریوں سے بھی آگاہ تھا، جنہیں ان حضرات نے اپنے ارادے اور اختیار سے مستقبل میں انجام دینا تھا۔ اور اللہ نے ان تمام یا ان میں سے بعض فرائض سے انبیاء کو مطلع کر دیا تھا اور اس راہ میں ان کی فداکاری اور ایثار و قربانی سے بھی تقدیر کے عنوان سے انہیں آگاہ کر دیا تھا۔

«بَعْدَ أَنْ شَرَطْتَ عَلَيْهِمُ الزُّهْدَ فِي دَرَجَاتِ هَذِهِ الدُّنْيَا الدَّنِيَّةِ
وَزُخْرُفِهَا وَزُبُرِ جِهَاتِهَا فَشَرَطُوا لَكَ ذَلِكَ وَعَلِمْتَ مِنْهُمْ
الْوَفَاءَ بِهِ فَقَبِلْتَهُمْ وَقَرَّبْتَهُمْ وَقَدَّمْتَ لَهُمُ الذِّكْرَ الْعَلِيِّ وَالشَّاءَ
الْجَلِيَّ...» (دعائے ندبہ سے اقتباس)

«اس کے بعد کہ تو نے ان سے اس حقیر دنیا کے درجات میں اور اس کی زیب و زینتوں کے سلسلے میں زہد کی شرط کر لی اور انہوں نے تجھ سے اس بات کا وعدہ کر لیا۔ اور تجھے معلوم تھا کہ وہ اپنے وعدے کو وفا کریں گے، تو تو نے انہیں قبول کر لیا اور اپنے سے قریب تر بنا لیا اور ان کے لئے بلند ترین ذکر اور وافر تعریف کو پیش کر دیا۔»



۲۰

عبداللہ بن جعفر اور عمرو بن سعید کے جواب میں

«إِنِّي رَأَيْتُ رُؤْيَا فِيهَا رَسُولُ اللَّهِ (ص) وَأُمِرْتُ فِيهَا بِأَمْرِ

أَنَا مَاضٍ لَهُ عَلَى كَأَن أُولِي (۱) ...

مَا حَدَّثْتُ أَحَدًا بِهَا وَمَا أَنَا مُحَدِّثُ بِهَا حَتَّى أَلْقَى

رَبِّي (۲)

أَمَّا بَعْدَ فَإِنَّهُ لَمْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ

عَزَّوَجَلَّ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَ قَدْ

دَعَوْتُ إِلَى الْإِيمَانِ وَالْبِرِّ وَالصَّلَةِ فَخَيْرُ الْأَمَانِ أَمَانُ اللَّهِ

وَلَنْ يُؤْمِنَ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ لَمْ يَخَفْهُ فِي الدُّنْيَا فَتَسْأَلُ

اللَّهُ مَخَافَةَ فِي الدُّنْيَا تُوجِبُ لَنَا أَمَانَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَإِنْ

نَوَيْتَ بِالْكِتَابِ صَلَاتِي وَ بَرِّي فَجُزَيْتَ خَيْرًا فِي الدُّنْيَا

وَالْآخِرَةِ؛ وَالسَّلَامُ» (۳)

۲۱- ارشاد مفید- ص ۲۱۹ البدایہ والنہایہ- ج ۸- ص ۱۶۷ تاریخ ابن عساکر- ص ۲۰۲ (لیکن ابن عساکر نے

پہلے حصے کو بھی عبداللہ بن جعفر کے خط کے جواب میں مکتوب کی صورت میں نقل کیا ہے۔)

۳- انساب الاشراف- ج ۳- ص ۱۶۴ تاریخ طبری- ج ۷- ص ۲۸۰ تاریخ کامل ابن اثیر- ج ۷- ص ۲۷۷۔

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

لَمْ يُشَاقِقْ (شاق سے ماخوذ): مخالفت کرنا، دشمنی کرنا۔ اُمِرْتُ (صیغہ مجہول ہے): مجھے مامور کیا گیا ہے۔ اَنَامَاضٍ لَهٗ: میں انجام دوں گا۔ عَلٰی كَانَ اُولٰی: مجھے فائدہ پہنچے یا نقصان۔ جُزِئْتُ (صیغہ مجہول مخاطب ہے): انعام دیا جائے گا۔

ترجمہ اور تشریح

»طبری« اور »ابن اثیر« نے امام سجاد سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ ابن جعفر وہ چوتھے شخص تھے جنہوں نے حسین ابن علی کو عراق کا سفر ترک کرنے کا مشورہ دیا اور اس سلسلے میں اصرار کیا۔ عبداللہ ابن جعفر نے مکہ مکرمہ سے امام کی روانگی کے بعد اپنے دو بیٹوں عون اور محمد کے ذریعے ایک خط امام کی خدمت میں ارسال کیا، جس میں تحریر تھا کہ: اما بعد: آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ نے جس سفر کا ارادہ کیا ہے اسے اس خط کے پہنچتے ہی ترک کر دیجئے اور فوراً مکہ واپس تشریف لے آئیے، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اس سفر میں آپ مارے جائیں گے اور آپ کے اہل و عیال بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔ آپ جو ہدایت کی نشانی اور مومنوں کی امید ہیں، آپ کے مارے جانے سے اللہ کا نور بجھ جائے گا۔ اس وقت تک سفر میں جلدی نہ کیجئے جب تک میں آپ سے نہ آملوں۔ (۱)

عبداللہ ابن جعفر نے یہ خط روانہ کرنے کے بعد فوراً عمرو بن سعید (جسے یزید کی طرف سے ولید کو معزول کئے جانے کے بعد اس کی جگہ مدینہ کا گورنر بنایا گیا تھا اور جو بظاہر امیر حج کے طور پر لیکن درحقیقت امام حسینؑ کو قتل کرنے کی ذمہ داری ادا کرنے کی غرض سے مکہ میں موجود تھا) سے ملاقات کی اور اس سے درخواست کی کہ امام علیہ السلام کے لئے ایک امان نامہ

لکھ دئے جس کے ذریعے شاید امام واپسی پر تیار ہو جائیں۔ ساتھ ہی مزید تاکید اور اطمینان کے لئے عمرو بن سعید کو اس بات پر بھی رضا مند کیا کہ وہ امان نامہ امام تک پہنچانے کے لئے اپنے بھائی یحییٰ ابن سعید کو ان (عبداللہ ابن جعفر) کے ہمراہ امام کی خدمت میں بھیجے۔

عبداللہ ابن جعفر نے یحییٰ ابن سعید کے ہمراہ مکہ سے باہر امام سے ملاقات کی اور امان نامہ حوالے کرتے ہوئے زبانی بھی اپنی اور یحییٰ ابن سعید کی گزارش امام کی خدمت میں پیش کی اور ان سے درخواست کی کہ آپ عراق کی سمت سفر کا ارادہ ترک کر دیں۔

امام نے عبداللہ ابن جعفر اور یحییٰ ابن سعید کے جواب میں فرمایا:

«إِنِّي رَأَيْتُ رُؤْيَا فِيهَا رَسُولُ اللَّهِ (ص) میں نے خواب میں

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھا ہے اس خواب میں انہوں نے

انتہائی اہم کام کی ذمہ داری میرے سپرد کی ہے جسے میں نے بہر صورت

انجام دینا ہے خواہ اس کے نتیجے میں مجھے فائدہ ہو یا نقصان پہنچے۔»

عبداللہ نے اس خواب اور اہم ذمہ داری کی مزید تفصیل جاننا چاہی تو امام نے فرمایا:

«مَا حَدَّثْتُ أَحَدًا بِهَا میں نے یہ کسی کو نہیں بتایا ہے اور جب تک

زندہ ہوں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔»

امام نے امان نامے کے جواب میں درج ذیل خط بھی عمرو ابن سعید کے نام تحریر کیا:

«..... أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّهُ لَمْ يُشَاقِقِ اللَّهَ اما بعد! وہ شخص ہرگز اللہ اور اس

کے رسول کا مخالف نہیں ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے، عمل صالح انجام

دے اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرے۔ اور میں نے لوگوں کو ایمان، نیکی

اور احسان کی دعوت دی ہے۔ بہترین امان (پناہ) اللہ کی امان ہے اور جو شخص

دنیا میں اللہ کا خوف نہ رکھتا ہو وہ آخرت میں ہرگز اللہ کی امان (پناہ) حاصل

نہیں کر سکے گا۔ لہذا ہم اللہ تعالیٰ سے دنیا میں اس کے خوف و خشیت کا سوال کرتے ہیں، جو قیامت کے دن ہمارے لئے اس کی امان کا سبب بنے۔ (اور جو امان نامہ تم نے بھجوایا ہے) اگر اس امان نامے سے تمہارا مقصد ہماری بھلائی اور بہتری ہے، تو تم دنیا اور آخرت میں اس کا اجر پاؤ گے۔ والسلام۔»

بلاذری، طبری اور ابن اثیر کے مطابق جب جعفر ابن عبد اللہ اور یحییٰ ابن سعید کو انکی پیشکش کا کوئی مثبت جواب نہ ملا اور انہوں نے امام کو اپنے ارادے اور فیصلے میں اٹل پایا تو مکہ واپس آ گئے۔

اس طرح عمرو ابن سعید نے بھی محسوس کر لیا کہ معاملہ آسانی سے حل ہونے والا نہیں، تو اس نے ایک مرتبہ پھر اپنے بھائی کو چند مسلح افراد کے ساتھ روانہ کیا تا کہ وہ امام حسینؑ کو واپسی پر مجبور کریں۔ یہ افراد امام حسینؑ کے قافلے کے پاس آئے تو یہاں دونوں گروہوں کے درمیان ایک مختصر جھڑپ ہوئی اور دونوں نے ایک دوسرے پر کوڑوں سے حملہ کیا.... یحییٰ اور اس کے ساتھی مقابلہ نہ کر سکے اور مکہ واپس آ گئے۔

امام کی گفتگو کے چند نکات

امام حسینؑ نے عبد اللہ ابن جعفر کو جو جواب دیا اور اسی طرح جو کچھ انہوں نے عمرو ابن سعید کے امان نامے کے جواب میں تحریر فرمایا، اس میں چند انتہائی اہم نکات موجود ہیں، جن کی جانب اشارہ یہاں غیر مناسب نہیں۔

۱- امام حسینؑ نے عبد اللہ ابن جعفر کے جواب میں ایک ذمے داری کا ذکر کیا ہے، جو خواب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے امام حسینؑ کو سونپی گئی ہے اور جسے انجام دینا ان کے لئے لازم ہے، چاہے اس کے نتیجے میں انہیں نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔

پھر آپؑ نے یہ بھی تاکید فرمائی ہے کہ اس ذمے داری اور اس راز کے بارے میں

انہوں نے اب تک کسی کو کچھ نہیں بتایا ہے اور آخر تک کسی کو کچھ نہ بتائیں گے۔

یہ ذمے داری کیا تھی؟ کیا راہِ خدا میں امام حسینؑ کا جہاد اور ان کی شہادت اور اہل و عیال کی اسارت وہ ذمے داری تھی؟ لیکن یہ بات تو امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہونے سے پہلے محمد بن حنفیہ کو بتا چکے تھے اور مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا تک کے سفر کے دوران (متعدد مرتبہ) کبھی اشاروں کنایوں میں اور کبھی واضح الفاظ میں اسے بیان کرتے رہے تھے۔

یہ کیسی ذمے داری اور کیسا راز ہے جس کے بارے میں امامؑ نے اس قدر اٹل لہجے میں گفتگو فرمائی کہ عبداللہ ابن جعفر کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور وہ امامؑ کی واپسی سے ناامید ہو گئے اور تمام تر کوششوں کے باوجود خاموش ہو کر مکہ واپس آ گئے؟

ہم اس بارے میں کیا جان سکتے ہیں جبکہ خود امامؑ نے فرمایا تھا کہ: جب تک زندہ ہوں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔

۲- امامؑ نے امان نامے کے جواب میں پہلے تو اشاروں کنایوں میں اپنے اصل مقصد یعنی اللہ کی طرف دعوت کو بیان کیا۔ پھر ایک لطیف اشارے کے ذریعے ((عمر و ابن سعید)) کو نصیحت کی اور فرمایا کہ قیامت کے دن وہ لوگ اللہ کی امان حاصل کر پائیں گے جو دنیا میں اپنے ان فرائض کے لئے قیام کریں گے جن کا سرچشمہ خوفِ خدا ہے۔

اور آخر میں آپؑ نے اِن (اگر) کا لفظ استعمال کر کے عمر و ابن سعید کے اصل اور اسکے دل میں چھپے مقصد سے پردہ اٹھا دیا۔ کیونکہ دعا میں ((اگر)) کا استعمال شک و شبہ ابھارنے والا اور مذمت کا مفہوم رکھتا ہے۔



فرزدق سے ملاقات

..... صَدَقَتْ لَهِ الْأَمْرُ وَكُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ إِنْ نَزَلَ
الْقَضَاءُ بِمَانُحِبٍّ وَنَرَضَىٰ فَنَحْمَدُ اللَّهَ عَلَىٰ نِعْمَائِهِ وَ
هُوَ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ آدَاءِ الشُّكْرِ وَإِنْ حَالَ الْقَضَاءُ
دُونَ الرَّجَاءِ فَلَمْ يَتَعَدَّ مَنْ كَانَ الْحَقُّ نِيَّتَهُ وَالتَّقْوَىٰ
سَرِيرَتَهُ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

شَأْن: اہم کام، واقعہ، کسی واقعے کے مطابق حکم۔ قضاء: حکم فرمان الہی۔ حَالَ
يَحُولُ: کسی چیز کا دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ بن جانا۔ دون (عربی میں کہتے ہیں حَالَ
الْقَوْمِ دُونَ فُلَانٍ): وہ لوگ کسی شخص کے منزل مقصود تک پہنچنے میں رکاوٹ بن گئے۔ تَعَدَى
: ظلم، تجاوز۔ سریرہ: انسان کا باطن۔

ترجمہ اور تشریح

عرب کا مشہور شاعر فرزدق، وہ پانچواں شخص تھا جس نے حسین ابن علیؑ کو مشورہ دیا کہ

۱- انساب الاشراف - ج ۳ - ص ۱۶۴، تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۲۷۸، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۷۶،

ارشاد مفید - ص ۲۱۸، مقتل خوازمی - ج ۱ - ص ۲۲۳، البدایہ والنہایہ - ج ۸ - ص ۱۶۶۔

آپ عراق کی سمت سفر کا ارادہ ترک کر دیں۔

جس وقت امام مکہ سے عراق کی جانب سفر کر رہے تھے اسی زمانے میں فرزدق فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ آ رہا تھا۔ مکہ کے باہر فرزدق کی امام سے ملاقات ہوئی اور اس نے امام سے ان کے سفر کی بابت دریافت کیا۔ امام نے فرزدق کے جواب میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ ہم اس ملاقات کی وہی تفصیل ذیل میں درج کر رہے ہیں جسے «مرحوم شیخ مفید» نے خود فرزدق سے نقل کیا ہے۔ (۱)

فرزدق کہتا ہے: میں ۶۰ھ میں اپنی والدہ کے ہمراہ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوا۔ جب میں اپنی والدہ کے اونٹ کی لگام تھامے اسے کھینچتا ہوا حرم کی حدود میں داخل ہو رہا تھا تو حسین ابن علی کے قافلے سے میرا سامنا ہوا جو عراق کے لئے عازم سفر تھا۔ میں فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام اور احوال پرسی کے بعد عرض کیا: اے فرزند رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، مَا أَعْجَلَكَ عَنِ الْحَجِّ (کس چیز نے آپ کو حج کئے بغیر یوں عجلت میں سفر پر مجبور کر دیا؟) امام نے فرمایا: لَوْ لَمْ أَعْجَلْ لَأُخِذْتُ (اگر میں عجلت نہ کرتا تو گرفتار کر لیا جاتا۔)

فرزدق کہتا ہے کہ امام نے مجھ سے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا: میں ایک عرب ہوں۔

فرزدق کا کہنا ہے کہ: خدا کی قسم امام نے میرے اتنے ہی تعارف پر اکتفا کیا اور اس بارے میں مزید کوئی سوال نہیں کیا؟

۱- باوجود یہ کہ طبری نے ملاقات کا مقام «صفاح» اور «ذہبی» نے «تذکرۃ الحفاظ - ج ۱ - ص ۳۳۸» میں «ذاتِ عرق» قرار دیا ہے اور فرزدق کے سوال کے بارے میں بھی اختلاف رائے رکھتے ہیں لیکن انہوں نے بھی امام کا جواب وہی نقل کیا ہے جو یہاں متن میں تحریر ہے۔ ہمیں چونکہ قرائن کے مطابق شیخ مفید کا بیان ہر طرح سے صحیح نظر آتا ہے لہذا ہم نے اس ملاقات کی تفصیلات کے لئے شیخ مفید کی کتاب ارشاد کو سند بنایا ہے۔

پھر دریافت کیا: حالات کے بارے میں لوگوں (اہل عراق) کی رائے کیا ہے؟
 فرزدق نے جواب دیا: آپؑ نے ایک باخبر شخص سے سوال کیا ہے۔ لوگوں کے دل
 آپؑ کے ساتھ ہیں اور تلواریں آپؑ کے خلاف۔ (بہر حال) تقدیر اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ
 جس طرح چاہتا ہے انجام دیتا ہے۔

فرزدق کہتا ہے کہ امامؑ نے میرے جواب میں فرمایا:

«صَدَقْتُ لِلّٰهِ الْأَمْرُ..... تم نے صحیح کہا۔ تمام امور خدا ہی کے ہاتھ میں ہیں»
 خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہمارا پروردگار ہر دن ایک نئی شان کے ساتھ ظاہر
 ہوتا ہے۔ اگر حالات ہماری خواہش اور مرضی کے مطابق رہے تو ہم اس
 (اللہ) کی نعمتوں کا شکر ادا کریں گے اور ادائے شکر کے لئے بھی وہی مدد
 کرنے والا ہے۔ لیکن اگر حوادث ہمارے اور ہماری آرزوں کے درمیان
 رکاوٹ بن گئے اور حالات نے ہماری خواہش کے مطابق رخ اختیار نہ کیا
 تب بھی جس کی نیت حق ہو اور جس کے دل میں خوفِ خدا ہو وہ راہِ حق سے
 گمراہ نہیں ہوا ہے۔»

فرزدق کہتا ہے: جب امامؑ کی گفتگو یہاں تک پہنچی تو میں نے عرض کیا کہ یقیناً آپؑ نے
 درست فرمایا، خدا خیر کرے گا۔

پھر میں نے امامؑ سے حج اور دوسرے امور کے بارے میں چند سوال کئے۔ ان سوالوں
 کے جواب دینے کے بعد امامؑ نے اپنی سواری کو ایڑ لگائی، مجھے الوداع کہا اور ہم ایک دوسرے
 سے جدا ہو گئے۔

دو توجہ طلب نکات

امام حسینؑ کی اس گفتگو سے دو توجہ طلب اور قابلِ قدر نکات حاصل ہوتے ہیں:

۱- جیسا کہ ہم نے بارہا اشارہ کیا ہے، امامؑ «علمِ امامت» سے قطع نظر عام اور معمول کے ذرائع سے بھی عراق کے حالات اور آئندہ پیش آنے والے حوادث سے بخوبی آگاہ تھے اور مکمل علم و آگہی کے ساتھ اپنے منصوبے پر عمل پیرا تھے اور یہ بات تو فرزدق جیسے عام افراد کے لئے بھی بالکل واضح تھی۔ لہذا اس نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ: قُلُوبُ النَّاسِ مَعَكَ وَسُيُوفُهُمْ عَلَيْكَ (لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں آپ کے خلاف۔)

۲- دوسرا نکتہ اس معاملے کا اخلاقی پہلو، اخلاص اور خداوند متعال پر بھروسے کا مسئلہ ہے۔ امامؑ کی جدوجہد ایک الہی فریضے اور ذمے داری کی تعمیل اور معنوی مقاصد کے حصول کے لئے تھی، صرف ظاہری کامیابی حاصل کرنے کیلئے نہیں۔ اور امام حسینؑ نے اپنی جدوجہد کو اسی اصول اور قانون پر استوار کیا تھا۔ لہذا فرمایا: وَإِنْ حَالَ الْقَضَاءُ دُونَ الرَّجَاءِ فَلَمْ يَتَعَدَّ مَنْ كَانَ الْحَقُّ نِيَّتَهُ وَالتَّقْوَى سِرِّيَّتَهُ.



شتر بانوں کو پیشکش

«مَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَنْصَرِفَ مَعَنَا إِلَى الْعِرَاقِ أَوْفِينَا
كِرَاءَهُ وَاحْسَنَّا صُحْبَتَهُ وَمَنْ أَحَبَّ الْمُفَارَقَةَ أَعْطَيْنَاهُ
مِنَ الْكِرَاءِ عَلَى مَا قَطَعَ مِنَ الْأَرْضِ» (۱)۔

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

انصراف: پلٹنا واپسی۔ اَوْفِينَا (ایفاء سے): ادا کرنا۔ كِرَاءٍ: کرایہ۔

ترجمہ اور تشریح

مکہ سے باہر «تنعیم» کے مقام پر امام حسینؑ کا سامنا ایک قافلے سے ہوا۔ اس قافلے میں موجود چند شتر بان یمن کے گورنر «بجیر بن یسار حمیری» کی طرف سے یمنی کپڑا اور کچھ قیمتی اشیاء پیدا بن معاویہ کے لئے شام لے جا رہے تھے۔ امامؑ نے ان شتر بانوں سے یہ سامان لے لیا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ تم میں سے جو کوئی بھی ہمارے ساتھ عراق چلنا پسند کرے، تو ہم اسے عراق تک کا کرایہ دیں گے اور اسکے ساتھ حسن سلوک سے

۱- انساب الاشراف - ج ۲ - ص ۱۶۴ تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۲۷۷ تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۷۶

ارشاد مفید - ص ۲۱۹ لہوف - ص ۶۰ متقل خوارزمی - ج ۱ - ص ۲۲۰۔

پیش آئیں گے اور جو یہیں سے واپس جانا چاہے، تو ہم اسے «یمن» سے
یہاں تک کا کرایہ ادا کریں گے۔»
امام کی اس پیشکش کے بعد کچھ شتر بانوں نے اپنا کرایہ لیا اور یمن واپس چلے گئے اور
کچھ نے امام کے ہمراہ جانے پر آمادگی کا اظہار کیا۔

اس عمل کی حکمت

حسین ابن علیؑ جن کی ذات ہر زمانے کے انقلابیوں اور تحریکی رہنماؤں کے لئے نمونہ
عمل ہے، آپ کے اس انقلابی اقدام اور اس گفتگو کی حکمت مستضعفین کی حمایت، مستکبرین اور
طاغوت کی دشمنی اور انہیں کمزور کرنا ہے۔

اس اقدام سے پتا چلتا ہے کہ ظلم و طاغوت کو کمزور کرنے اور مظلوم اور مستضعف طبقے کو
تقویت پہنچانے کے ہر مناسب موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ لہذا امام نے یہ مال و دولت جو
معاویہ کے گورنر اور اس کے کارندے کے ذریعے یمن کے مظلوم عوام سے جمع کیا گیا تھا اور اب
یزید کے حوالے کیا جا رہا تھا، ان طاغوتیوں سے چھین لیا، تاکہ اسے امت کی بھلائی کے کاموں
میں خرچ کیا جائے اور ان مفلس اور مستضعف افراد کے حوالے کیا جائے جو مکہ سے عراق تک
کے طویل اور دور دراز راستے میں نظر آئیں، یا یہ دولت اس حکومت کو منہدم کرنے کے کام آئے
جو اسلام کے خلاف محاذ بنائے بیٹھی ہے۔

لیکن دوسری طرف شتر بان اور اونٹوں کو کرائے پر دینے والے لوگ، اگرچہ اس وقت
ظالم حکومت کی معاونت کر رہے تھے لیکن کیونکہ ان افراد کا تعلق معاشرے کے مظلوم اور
مستضعف طبقے سے تھا اور انہیں ان کی اجرت اور اس سخت سفر کا پورا کرایہ دیا جانا چاہئے۔ لہذا
امام خوشروئی کے ساتھ انہیں سفر میں ساتھ دینے یا واپس پلٹ جانے کی مکمل آزادی دیتے ہیں
اور دونوں صورتوں میں انہیں کرایہ دینے کا وعدہ کرتے ہیں اور اگر کوئی ان کے ساتھ عراق تک

چلنے کی پیشکش قبول کرے تو کرائے کے علاوہ اسکے ساتھ مہربانی اور حسن سلوک کا وعدہ بھی فرماتے ہیں۔

جی ہاں، عراق کے سفر میں ہمراہی اور نواسہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے حسن سلوک کا وعدہ جس کا نتیجہ سعادت، عظمت اور فردوس بریں میں اعلیٰ مقام ہے یقیناً ہر صالح اور باایمان انسان کے لئے باعث رشک اور اسکی آرزو اور خواہش ہے۔



اہل کوفہ کے نام دوسرا خط

«أَمَّا بَعْدُ، فَقَدْ وَرَدَ عَلَيَّ كِتَابُ مُسْلِمِ بْنِ عَقِيلٍ يُخْبِرُنِي
بِاجْتِمَاعِكُمْ عَلَيَّ نَصْرِنَا وَالطَّلَبِ بِحَقِّنَا فَسَأَلْتُ اللَّهَ أَنْ
يُحْسِنَ لَنَا الصُّنْعَ وَيُثَبِّتَكُمْ عَلَيَّ ذَلِكَ أَعْظَمَ الْأَجْرِ وَقَدْ
شَخَّصْتُ إِلَيْكُمْ مِنْ مَكَّةَ يَوْمَ الثَّلَاثَاءِ لَثَمَانٍ مَضَيْنَ مِنْ
ذِي الْحِجَّةِ فَإِذَا أَقْدِمَ عَلَيْكُمْ رَسُولِي فَأَنْكَمِشُوا فِي
أَمْرِكُمْ فَإِنِّي قَادِمٌ فِي أَيَّامِي هَذِهِ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

صُنْعُ: (صاد پر پیش یا زیر): جو بھی انجام پائے۔ يُثَبِّتُ (اثابہ، اثابة سے): اچھی
جزا دینا۔ شَخَّصْتُ (شخص سے): سفر کا آغاز کرنا۔ ثَلَاثَاءِ: منگل۔ اِنْكَمِشْ:
تیزی کرنا، تیزی سے کاموں کو منظم کرنا۔ قُدُوم: مسافر کا پہنچنا۔

ترجمہ اور تشریح

کوفہ کی جانب اپنے سفر میں جب امام حسین علیہ السلام ((حاجر)) نامی مقام پر پہنچے تو

آپ نے مسلم بن عقیل کے خط کے جواب میں اہل کوفہ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ خط تحریر کیا اور اسے قیس بن مسہر صیداوی کے ذریعے ارسال کیا۔

«أَمَّا بَعْدُ، فَقَدْ وَرَدَ عَلَيَّ كِتَابُ مُسْلِمٍ..... مجھے مسلم کا خط ملا جس میں خبر دی گئی ہے کہ تم لوگ ہماری مدد پر اور ہمارے حق کے مطالبے کے سلسلے میں متحد ہو۔ خدا کے حضور دعا گو ہوں کہ ہمارے امور بخیر و خوبی انجام پائیں اور ہماری مدد کرنے پر وہ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ میں مکہ سے منگل کے دن، مورخہ ۸ ذی الحجہ کو تمہاری طرف روانہ ہو چکا ہوں۔ میرے قاصد کے پہنچنے پر تم لوگ جلد از جلد اپنے کاموں کو منظم کر لو۔ میں خود بھی آئندہ چند روز میں پہنچ جاؤں گا۔»

کوفہ کے انتخاب کی وجہ

بعض اوقات اہل کوفہ کی طرف سے حمایت کے اظہار ان کی دعوت اور حکومت اسلامی کی تشکیل کو امام حسینؑ کی اس عظیم جدوجہد کے اصل محرکات اور اسباب کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ امام حسینؑ کے قیام کی یہ تفسیر نہ صرف حقائق اور مسلمات کے برخلاف ہے بلکہ اس نے اس عظیم جدوجہد کی اہمیت اور عظمت کو گھٹا کر مسئلے کو ایک ایسے عام موضوع کی مانند بنا ڈالا ہے جس میں معنوی مقام اور ذاتی الہی فریضے سے عاری ہر مسلمان سیاستدان، یہی لائحہ عمل اختیار کرنے کا پابند ہوتا۔ لیکن ہم جو یہاں ہر ہر مرحلے پر امام حسینؑ کے خطبات، کلمات اور مکتوبات کا مطالعہ کر رہے ہیں، ہمیں نظر آ رہا ہے کہ اس حیات آفریں تحریک اور امامؑ کی طرف سے قیام کے عزم و ارادے میں اہل کوفہ کی دعوت اور حکومت کی تشکیل کو بنیادی کردار حاصل نہیں ہے کیونکہ امام علیہ السلام نے مدینہ ہی میں یزید کی بیعت کا انکار کیا اور پھر اپنے سر سخت دشمن سے مقابلے کے لئے ایک منظم حکمت عملی کے تحت مکہ تشریف لائے۔ یہاں تک کہ ابن عباس کے

جواب میں فرمایا: یہ مجھے قتل کئے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ اور ابن زبیر کو جواب دیا کہ: اگر میں کسی پرندے کے گھونسلے میں بھی چلا جاؤں تب بھی یہ مجھے باہر نکال کر مار ڈالیں گے۔

امام علیہ السلام کی جانب سے (مقابلے کا) فیصلہ کر لینے، آپ کے مکہ تشریف لانے اور اہل کوفہ کو یہ خبر ہو جانے کے بعد کہ آپ نے یزید کا مطالبہ بیعت مسترد کر دیا ہے، ان کی طرف سے امام کو دعوت اور خطوط کا سلسلہ شروع ہوا۔ لہذا واضح ہے کہ اس دعوت کو امام حسینؑ کے قیام کا اصل محرک یا بنیادی سبب قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ ایک منظم اور وسیع حکمت عملی اور اعلیٰ اہداف کے حصول کے لئے کئے جانے والے پختہ عزم و ارادے میں یہ بھی ایک فروعی اور ضمنی مسئلہ تھا۔

امام علیہ السلام نے یزید کی مخالفت اور اس کے خلاف جدوجہد کو جاری رکھنے کا پکا ارادہ اور عزم مصمم کر لیا تھا لیکن مکہ میں رہتے ہوئے اس مخالفت کو جاری رکھنے کے نتیجے میں امام کو خفیہ طریقے سے قتل کر دیا جاتا۔ اس طرح ایک طرف تو خانہ کعبہ کی بے حرمتی ہوتی اور دوسری طرف اس انداز سے آپ کا مار دیا جانا یزید ابن معاویہ کے لئے مفید ثابت ہوتا۔ یہی وجہ تھی جو ہم دیکھتے ہیں کہ سعید ابن عمرو عاص (جس کو مکہ میں امام حسینؑ کے قتل کی ذمہ داری سونپی گئی تھی) پہلے تو صلح و صفائی اور امان نامے کے ذریعے اور اسکے بعد بزورِ طاقت چاہتا ہے کہ کسی طرح امامؑ اپنا سفر ترک کر کے مکہ واپس آجائیں تاکہ وہ یہ معاملہ خاموشی کے ساتھ مکہ ہی میں تمام کر دے اور یہ تحریک اپنی ابتدا ہی میں دبا دی جائے۔

ایسی صورتحال میں امام حسینؑ اپنے لئے کس علاقے کا انتخاب کرتے؟

ظاہر ہے وسیع و عریض اسلامی مملکت میں انقلاب اور تبدیلی کے لئے سب سے زیادہ تیار علاقے کوفہ اور عراق کا۔ کیونکہ یہ ایک بڑا صوبہ ہے، اسلامی افواج کا ایک اہم مرکز ہے اور شام کا رقیب اور مد مقابل ہے۔ اس کے علاوہ جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے یہ علاقہ حتیٰ مکہ اور مدینہ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ وہاں کے لوگوں کے شعور اور بیداری کا اندازہ لگانے کے لئے

یہی بات کافی ہے کہ انہوں نے مکہ میں امام کے سامنے اپنے دعوتی خطوط کا ڈھیر لگا دیا۔ ان خطوط میں اپنی آمادگی اور امام کی پشت پناہی اور حمایت کے عزم کا اظہار کیا گیا تھا۔ اور اگرچہ ایک خاص مرحلے پر اس شعور و بیداری اور اس آمادگی اور حمایت پر تیاری کو طاقت کے بل بوتے پر دبا دیا گیا لیکن ان افکار نے مستقبل میں رونما ہونے والے انقلابات میں اپنا اثر دکھایا، بعد میں ظہور کرنے والے انقلابات کا نقطہ آغاز ثابت ہوئے۔

اس سے قطع نظر، امام حسینؑ جو امت کے رہبر اور امام تھے، کیا ان کے پاس ان بے شمار خطوط اور درخواستوں کے باوجود کوفہ اور عراق نہ جانے کا کوئی عذر تھا؟

اگر بعد میں اہل کوفہ یہ دعویٰ کرتے کہ ہم امام حسینؑ کی راہ میں جان و مال قربان کرنے کے لئے تیار تھے، ہم نے ان سے اپنی قیادت اور رہبری کرنے کے لئے اس قدر اصرار کے ساتھ درخواست کی تھی لیکن انہوں نے ہماری درخواستوں پر یکسر توجہ نہ دی۔ تو کیا اس صورت میں امام کا یہ جواب کسی ایک فرد کو بھی مطمئن کر سکتا تھا کہ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ تم وعدہ خلافی کرو گے اس لئے میں نے تمہیں مثبت جواب نہیں دیا؟ کیا اہل کوفہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتے تھے کہ ہم اپنے قول کے پکے تھے؟

بالفاظ دیگر، اس موقع پر امام حسین علیہ السلام تاریخ کے ایک دورا ہے پر کھڑے تھے۔ اگر آپ اہل کوفہ کی درخواست قبول نہ کرتے تو تاریخ انہیں مورد الزام ٹھہراتی اور مستقبل کی تاریخ کا فیصلہ ہوتا کہ حالات غیر معمولی طور پر مساعد تھے لیکن حسین ابن علیؑ نے اس سنہری موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا، انہوں نے جانتے بوجھتے ہوئے اقدام سے گریز کیا یا (نعوذ باللہ) خوف و ہراس ان کے پاؤں کی زنجیر بن گیا۔

امام علیہ السلام نے مدد و نصرت کا ہاتھ بڑھانے والے لوگوں پر اتمام حجت کی غرض سے ان کی درخواست قبول کی اور کوفہ کی سمت روانہ ہو گئے۔

نتیجہ یہ کہ امام حسین علیہ السلام اپنی معنوی اور حقیقی شرعی ذمہ داری کے لحاظ سے (جس

سے وہ خود واقف اور اسکی جانب متوجہ تھے) اس بات کے پابند تھے کہ اس زمانے کے انحراف اور حکومتِ یزید کے مقابلے، نیز کلمہ حق کی سربلندی کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بچھا کر دیں۔

حکمِ طاہری کے لحاظ سے بھی، جو ہر شخص کے لئے واضح تھا، اہل کوفہ کے خطوط کے جواب اور عراق کے خاص حالات کے تحت ضروری تھا کہ آپ سرزمینِ عراق ہی کو اپنی جدوجہد کا مرکز بنائیں اور اپنے پروگرام کو اس علاقے میں جامہ عمل پہنائیں اور بالکل عام انداز میں اہل کوفہ کو کوفہ کی جانب اپنے سفر کی اطلاع دیں اور انہیں زیادہ سے زیادہ تیاری کا حکم دیں۔

اگرچہ عام افراد کے لئے ان دونوں قسم کی ذمے داریوں کو علیحدہ علیحدہ کرنا خاصا مشکل کام ہے لیکن شاید چوٹی کے ایک شیعہ عالم «مرحوم شیخ جعفر شوستری» نے اپنی کتاب «خصائص الحسینیہ» میں اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: امام حسینؑ نے طاہری اور حقیقی دونوں قسم کی ذمے داریوں کو جمع کر دیا اور کوفہ کی جانب اپنے سفر کے ذریعے دونوں ذمے داریوں کو انجام دیا۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ امامؑ نے مسئلے کے ان دونوں پہلوؤں کی جانب بارہا اشارہ فرمایا تھا۔ اپنی پہلی ذمے داری کو مختلف طریقوں سے مثلاً خواب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی طرف سے دی جانے والے ذمے داری اور کبھی ارادہ اور مشیتِ الہی کہہ کر بیان کیا اور دوسری ذمے داری اور امامؑ کا ظاہری فریضہ جسے آپؑ نے اہل کوفہ کی وعدہ خلافی کو جاننے کے باوجود ایک عام اور رائج طریقے سے انجام دیا، اس کی جانب آپؑ نے مختلف بیانات کے ذریعے مثلاً ابنِ زبیر کے ساتھ ہونے والی گفتگو میں اشارہ کیا۔ انہی مواقع میں سے ایک موقع امامؑ کی وہ گفتگو ہے جس کا مطالعہ آپؑ آئندہ صفحات میں کریں گے۔



کوفہ کے راستے میں

«إِنَّ هَؤُلَاءِ أَخَافُونِي وَهَذِهِ كُتُبُ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَهُمْ قَاتِلِي فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ وَلَمْ يَدْعُوا اللَّهَ مُحَرِّمًا إِلَّا أَنْتَهُكَوهُ بَعَثَ اللَّهُ إِلَيْهِمْ مَنْ يُذِلُّهُمْ حَتَّى يَكُونُوا أَذَلَّ

مِنْ فِرَاقِ الْمَرْأَةِ» (۱)

ترجمہ اور تشریح

«ابن کثیر دمشقی» اور «ابن نما» نے کوفہ کے ایک باشندے سے نقل کیا ہے کہ: میں اعمالِ حج انجام دینے کے بعد تیزی سے کوفہ واپس پلٹ رہا تھا کہ مجھے راستے میں چند خیمے نظر آئے۔ میں نے ان خیموں کے مالک کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ خیمے حسین ابن علی کے ہیں۔ یہ سن کر میں نواسہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت کے شوق میں ان کے مخصوص خیمے کی طرف چلا گیا۔ آپ اپنے سراپے سے مجھے ایک ایسے شخص نظر آئے جس نے ابھی اپنے بڑھاپے کی ابتدا کی ہو۔ میں نے دیکھا کہ آپ تلاوتِ قرآن میں مشغول ہیں اور

۱- ابن عساکر - ص ۲۱۱ البدایہ والنہایہ - ج ۸ - ص ۱۶۹، مثیر الاحزان - ص ۲۱ (البدایہ اور ابن عساکر کے جو نسخے ہمارے پاس موجود ہیں ان میں اس کلام کا پہلا جملہ ذکر نہیں ہوا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ دستِ سیاست نے اسے تبدیل کر دیا ہو)۔

آپؐ کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کے قطرے آپؐ کے چہرے اور داڑھی کو تر کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، اے نواسہ رسولؐ! کیا وجہ ہے کہ آپؐ اس بے آب و گیاہ بیابان میں تشریف لائے ہیں؟

امامؑ نے مجھے جواب دیا :

«إِنَّ هَؤُلَاءِ أَخَافُونِي وَ هَذِهِ كُتُبُ أَهْلِ الْكُوفَةِ (ایک طرف)

مجھے اس قوم (بنی امیہ) سے خطرہ ہے (اور دوسری طرف) یہ اہل کوفہ کے خطوط ہیں (جو انہوں نے مجھے ارسال کئے ہیں) اور یہی اہل کوفہ مجھے قتل کریں گے، اور جب اس جرم میں اپنے ہاتھ رنگ لیں گے اور خدا کے احکام اور فرامین کا احترام پامال کر لیں گے تب خدا ان پر ایک ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو انہیں ذلیل و خوار کر دے گا اور ان کی حیثیت (ماہانہ عادت کے ایام میں) عورتوں کے استعمال شدہ کپڑے سے زیادہ پست ہو جائے گی۔»

امام علیہ السلام کی پیش گوئی

امامؑ کی اس گفتگو میں انتہائی قابل توجہ چیز اہل کوفہ کے بارے میں آپؐ کی پیش گوئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہی لوگ مجھے قتل کریں گے اور اس جرم کے ارتکاب کے بعد خدا ایک ایسے شخص کو ان پر مسلط کرے گا جو انہیں اتنی ذلت اور خواری کا مزہ چکھائے گا کہ یہ لوگ دنیا کے پست اور ذلیل ترین افراد ہو جائیں گے۔

امامؑ نے متعدد مواقع پر اپنی گفتگو میں یہ پیش گوئی کی ہے۔ مثلاً «بطن عقبہ» کے مقام پر آپؐ کی گفتگو میں اور مکہ سے روانگی کے وقت ابن عباس کے مشورے کے جواب میں۔ اسی طرح عاشوراء کے دن اہل کوفہ کے سامنے کی گئی اپنی دوسری تقریر میں جس کے الفاظ یہ ہیں کہ خدا کی قسم اس جنگ کے بعد بجز انتہائی کم مدت کے تم آ سودگی اور خوشی نہیں پاؤ گے۔ صرف اتنی

ہی دیر کے لئے جتنی دیر ایک انسان کو گھوڑے پر سوار ہونے میں لگتی ہے۔ اسکے بعد (گردش زمانہ کی) چکی تمہیں گھما ڈالے گی اور چرخ کی طرح چکر میں ڈال دے گی۔

اہل کوفہ کی ذلت و خواری

آئیے اب دیکھتے ہیں کہ اہل کوفہ کے بارے میں امام کی پیش گوئی کب کس طرح اور کس کے ہاتھوں پوری ہوئی۔ وہ کون تھا جو اہل کوفہ پر مسلط ہوا اور انہیں اس طرح ذلیل و خوار کیا کہ وہ تمام اقوام و ملل سے زیادہ ذلیل و رسوا ہوئے۔

جیسا کہ امام نے فرمایا تھا، کربلا کے واقعے کے بعد اہل کوفہ ایک مختصر عرصے کے سوا کبھی سکون و اطمینان سے نہ رہ سکے۔ کیونکہ کچھ ہی مدت کے بعد اس شہر سے تعلق رکھنے والے ایک گروہ نے «توابین» (توبہ کرنے والوں) کے نام سے قیام کیا، اس کے کچھ ہی عرصے بعد خروج مختار کا واقعہ پیش آیا اور پھر یہ سلسلہ جاری رہا۔ ان تمام واقعات میں بڑے پیمانے پر قتل و غارت ہوئی اور اہل کوفہ کو شدید مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا اور آخر کار ان تمام افراد کو سزا ملی جو واقعہ کربلا میں ملوث تھے۔

عراق اور اس کے مرکز کوفہ کے باشندوں کی یہ مشکلات اور پریشانیاں بنی امیہ کی خلافت کی تقریباً تمام مدت میں اور خلافت عباسیہ کے بھی اچھے خاصے زمانے تک جاری رہیں۔ اسی بات کی جانب امام نے یہ کہہ کر اشارہ فرمایا تھا کہ: ان کا کوئی حاکم کبھی ان سے خوش نہیں رہے گا۔

لیکن اہل کوفہ کا بدترین اور سخت ترین دور اور کوفہ کی تاریخ کے تلخ ترین ایام وہ بیس سال ہیں جب حجاج بن یوسف ثقفی پورے عراق اور ایران کے کچھ حصوں کا مطلق العنان حاکم بنا۔ اس نے اپنے دور اقتدار (۷۵ھ سے ۹۵ھ تک) میں اہل عراق بالخصوص اہل کوفہ کو اس قدر سخت عذاب میں مبتلا کیا اور ان کے دلوں میں اتنا خوف و ہراس بٹھایا، اور ان کے اتنے افراد کو

قتل کیا، اتنوں کو قید و بند کی سختیوں میں ڈالا اور اتنا زیادہ انہیں ذلیل و رسوا، تباہ و رو سیاہ کیا کہ ان کی اس حالت کی ترجمان اس سے بہتر کوئی عبارت ہو ہی نہیں سکتی کہ: **أَذَلَّ مِنْ فِرَامِ الْمَرْأَةِ** (ماہانہ عادت کے ایام میں عورتوں کے استعمال کئے ہوئے کپڑے سے زیادہ پست۔)

حجاج کے بعض مظالم

«مروج الذهب» اور «کامل ابن اثیر» میں درج ہے کہ جب حجاج بن یوسف ثقفی کو عراق کا حاکم بنایا گیا اور وہ اپنے مرکز حکومت کوفہ میں آیا، تو اس نے اپنے پہلے ہی خطاب کے ذریعے جو اس نے بغیر بسم اللہ کے شروع کیا اور جو دھمکیوں اور رعب و دہشت کی باتوں سے بھرپور تھا، اپنی جلاد صفت اور خونخوار شخصیت کا اظہار کیا۔ اپنی پہلی ہی تقریر میں جو فقرے اس نے استعمال کئے ان میں سے چند یہ تھے: اے اہل عراق! تم باہم متفرق (جھگڑالو) منافع اور بدترین صفات کے حامل لوگ ہو۔ میں تمہارے درمیان بہت سی اٹھی ہوئی گردنیں اور ایسے سر دیکھ رہا ہوں جن کے کٹنے کا وقت اب آ گیا ہے اور یہ کام میں با آسانی کر سکتا ہوں۔ اے اہل عراق! اچھی طرح جان لو کہ میں نہ تمہاری غلطیاں معاف کروں گا اور نہ تمہارا عذر قبول کروں گا۔ (۱)

پھر اس نے حکم دیا کہ تم سب شہر کے باہر جمع ہو کر «مہلب» کی مدد کے لئے روانہ ہو جاؤ جو بصرہ میں حکومت کے مخالفوں کے ساتھ جنگ میں مصروف ہے۔ جو کوئی اس حکم کی مخالفت کرے گا، میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اس کا گھر منہدم کر دوں گا۔

تیسرے دن ایک ایسے وقت جب حجاج بذاتِ خود اہل کوفہ کی بصرہ روانگی کی نگرانی کر رہا تھا، کوفہ میں مقیم قبیلوں میں سے ایک قبیلے کا بوڑھا سردار جس کا نام «عمیر بن ضابی» تھا،

حجاج کے پاس آیا اور کہا کہ اے امیر! میں ایک بوڑھا، اپاہج اور لاغر شخص ہوں، میرے چند جوان بیٹے جنگ میں شرکت کر رہے ہیں، ان میں سے کسی ایک کو میری جگہ سمجھ لو اور مجھے اس جنگ میں شرکت سے معاف رکھو۔ ابھی بوڑھے کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ حجاج نے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑادی جائے اور اسکی دولت ضبط کر لی جائے۔

یہ سختی دیکھ کر اہل کوفہ ایسے جوق در جوق اور عجلت میں شہر سے نکل کر بصرہ کی سمت روانہ ہوئے کہ اس ہڑبونگ میں کئی افراد پل پر سے دریائے فرات میں گر کر غرق ہو گئے۔ (۱)

مورخین کے مطابق ۹۵ھ میں اپنے بیس سالہ دورِ اقتدار کے بعد جب حجاج بن یوسف کی موت واقع ہوئی تو اس مدت میں (جنگوں میں مرنے والوں کے علاوہ) ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد افراد اس کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ حجاج کی موت کے وقت پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں اسکے قید خانوں میں قید تھے اور ان قیدی خواتین میں سے سولہ ہزار خواتین کو برہنہ رکھا گیا تھا۔

ان حالات کو رقم کرنے کے بعد «مسعودی» لکھتا ہے کہ حجاج عورتوں اور مردوں کو ایک ہی جگہ قید رکھتا تھا اور اس کے قید خانوں میں چھتیس نہیں تھیں جو گرمیوں میں سورج کی تپش، باد و باران اور جاڑوں میں سردی سے قیدیوں کو محفوظ رکھتیں۔ (۲)

«تاریخ ابن جوزی» میں تحریر ہے کہ حجاج کے قیدیوں کو جو غذا دی جاتی تھی وہ جو کے آٹے، راکھ اور نمک کا مرکب ہوتی تھی اور جو کوئی بھی حجاج کی قید میں چند دن گزارتا تھا اس قسم کی غذا اور سورج کی تمازت کی وجہ سے اس کا رنگ سیاہ فاموں جیسا ہو جاتا تھا۔ (۳)

«ابن قتیبہ دینوری» نے لکھا ہے کہ بصرہ میں لوگوں کی طرف سے حکومت کی مخالفت کی

۲۱- مروج الذهب - ج ۲ - ص ۱۳۷۔

۳- سفینۃ البحار - ج ۱ - ص ۲۲۲۔

خبر ملنے پر حجاج ماہ رمضان میں جمعہ کے دن بصرہ پہنچا اور ایک منصوبے اور سازش کے ذریعے اس شہر کی جامع مسجد میں ستر ہزار افراد کو 'جی ہاں ستر ہزار افراد کو ایک ساتھ تہہ تیغ کروادیا۔ یہ وہ ظلم اور سفاکی ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ (۱)

لبنان کے مشہور مصنف، مرحوم شیخ محمد جواد مغنیہ لکھتے ہیں کہ میں نے تاریخ کا جتنا بھی مطالعہ کیا ہے اس میں قساوت اور خونخواری میں کسی کو حجاج کا ہم پلہ نہیں پایا۔ صرف «نیرو» کے بارے میں ایسی چیزیں سنی ہیں جو حجاج کی شقاوت اور اذیت پسندی کی ترجمانی کر سکتی ہیں کہ «نیرو» نے روم کو جلوانے کے بعد اس شہر سے اٹھنے والے شعلوں کا نظارہ کیا اور جلنے والی عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار سن کر قہقہے لگائے۔ (۲)

حد یہ ہے کہ (بنی امیہ کے ایک خلیفہ) عمر ابن عبدالعزیز نے حجاج بن یوسف کے بارے میں کہا ہے کہ: اگر دنیا کی تمام قومیں ظلم و ستم اور درندہ صفتی کے مقابلے (Competition) میں اپنے خبیث ترین اور خونخوار ترین افراد کو لائیں اور ہم اپنی طرف سے صرف حجاج کو پیش کریں تو پست فطرتی کے اس مقابلے میں ہم سب قوموں سے بازی لے جائیں گے۔ (۳)

یہاں پہنچ کر حسین ابن علی کی اس گفتگو کا مفہوم ایک حد تک واضح ہو جاتا ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ:

«سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَنْ يُدْلُهُمْ حَتَّى يَكُونُوا أَذَلَّ مِنْ فِرَامِ الْمَرْأَةِ.....» (خدا ان پر ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو انہیں ذلیل و خوار کر دے گا اور ان کی حیثیت (ماہانہ عادت کے ایام میں) عورتوں کے استعمال شدہ کپڑے سے زیادہ پست ہو جائے گی۔)

۱۔ یہ واقعہ پوری تفصیلات کے ساتھ الامامة والسياسة - ج ۲ - ص ۳۲ میں ذکر ہوا ہے۔
۲۔ شیعہ وزامداران خود سر - ص ۱۲۲ - ۳۔ تہذیب التہذیب - ج ۲ - ص ۲۱۱۔

۲۵

حضرت زینبؓ کے جواب میں

«يَا اُخْتَاهُ كُلُّ مَا قُضِيَ فَهُوَ كَائِنٌ» (۱)

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؓ کربلا کے راستے میں «خزیمہ» نامی مقام پر پہنچے اور ایک دن اور ایک رات وہاں قیام کیا اور آرام فرمایا۔ اسی جگہ علی الصبح حضرت زینب سلام اللہ علیہا امامؓ کی خدمت میں تشریف لائیں اور عرض کیا: بھئی! گویا کسی غیبی آواز سے مجھے یہ دو شعر سنائی دیئے ہیں جو میری پریشانی اور تشویش میں اضافے کا سبب ہیں۔

أَلَا يَاعَيْنُ فَأَحْتَفِلِي بِجُهْدٍ فَمَنْ يَبْكِي عَلَى الشَّهْدَاءِ بَعْدِي
«اے میری آنکھوں اب کوشش کرو اور رونے کے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ
میرے علاوہ کون ہے جو شہیدوں پر گریہ کرے گا۔»

عَلَى قَوْمٍ تَسُوْفُهُمُ الْمَنَآيَا بِمَقْدَارِ الْإِنْجَازِ وَعَدِ
«ان لوگوں پر رونے کے لئے جنہیں تقدیر میں لکھے خطرات اور مشکلات
وعدے کی وفا کی طرف لے جا رہے ہیں۔»

امام حسین علیہ السلام نے جناب زینبؓ کے جواب میں، محض ایک جملے پر اکتفا کیا، جی

ہاں صرف ایک جملے پر۔ وہ مختصر جملہ یہ تھا:

«يَا اُخْتَاهُ كُلُّ مَا قَضِيَ فَهُوَ كَائِنٌ»

«اے بہن! جو خدا نے مقدر کیا ہے وہ واقع ہو کر رہے گا۔»

قضا سے کیا مراد ہے؟

اس وضاحت کو مد نظر رکھتے ہوئے جو مشیت اور اللہ کے تکوینی اور تشریعی ارادے کے سلسلے میں گزشتہ صفحات میں کی گئی اور ان خاص حالات اور فضا کے پس منظر میں جن میں امام حسینؑ نے اپنی شرعی ذمے داریوں کو انجام دینا تھا، ہم محسوس کرتے ہیں کہ اب قارئین کرام کے لئے امام کے اس کلام میں ذکر ہونے والی «قضا» کا مطلب ایک حد تک واضح ہو گیا ہوگا۔ اس «قضا» کا مطلب ان خاص حالات میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا اور امام کا اپنی شرعی ذمے داری کو انجام دینا ہے۔ کیونکہ «قضا» کا مطلب یقینی حکم اور مشیت اور تقدیر کا انجام دینا ہے جو اللہ کے ارادے اور تقدیر کے بعد کا مرحلہ ہے۔



ثعلبیہ کے مقام پر

«لَا خَيْرَ فِي الْعَيْشِ بَعْدَ هَؤُلَاءِ» (۱)

ترجمہ اور تشریح

«خزیمہ» اور «زرود» کے بعد امام حسینؑ کا قافلہ «ثعلبیہ» کے مقام پر پہنچا۔ اس مقام پر امام حسینؑ کے تین بیانات تاریخ میں نقل ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت مسلم بن عقیلؑ کی شہادت کی مناسبت سے ہے اور دوسرے دو بیانات دو سوال کرنے والوں کے جواب میں ہیں۔ ہم یہاں ان تینوں بیانات کو بالترتیب پیش کر رہے ہیں۔

پہلا بیان حضرت مسلم بن عقیلؑ کی شہادت کی مناسبت سے ہے۔ اس واقعے کو «طبری» اور دوسرے مورخین نے عبد اللہ بن مسلم کے توسط سے مکمل تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ «ابن سلیم» جو کوفہ سے تعلق رکھتا ہے کہتا ہے: میں اور میرے ہمسفر «مذری» نے مراسم حج کی ادائیگی کے بعد فیصلہ کیا کہ اپنی بھرپور کوشش کر کے جلد از جلد امام حسینؑ کے قافلے تک پہنچ کر ان کے انجام کو دیکھیں گے۔ «زرود» نامی مقام پر جب ہم امامؑ کے قافلے کے پاس پہنچے تو یہاں «بکیر» نامی شخص سے ہماری ملاقات ہوئی جو کوفہ سے آ رہا

۱۔ انساب الاشراف - ج ۳ - ص ۱۶۸، تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۲۹۳، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۷۸، البدایہ والنہایہ ابن کثیر - ج ۸ - ص ۱۶۸، ارشاد مفید - ص ۲۲۲، لہوف - ص ۳۱، سیر اعلام النبلاء - ج ۳ - ص

تھا۔ ہم نے اس سے اپنے شہر کے حالات دریافت کئے۔ اس نے بتایا کہ خدا کی قسم جس وقت میں شہر سے نکلا ہوں اس سے پہلے مسلم بن عقیل اور ہانی ابن عروہ قتل کئے جا چکے تھے اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ان دونوں شہداء کے بدن کوفہ کے بازار میں زمین پر گھسیٹے جا رہے تھے۔

عبداللہ کہتا ہے: یہ خبر حاصل کرنے کے بعد ہم حسین ابن علی کے قافلے سے جا ملے یہاں تک کہ غروب آفتاب کے وقت «ثعلبیہ» کے مقام پر پہنچے اور اس جگہ قریب جا کر امام حسین سے ملاقات کی اور انہیں مسلم اور ہانی کی شہادت سے مطلع کیا۔

«ابن سلیم» کہتا ہے کہ امام نے یہ خبر سننے کے بعد کلمہ استرجاع (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) پڑھا اور پھر ان کے رخسار مبارک پر آنسو جاری ہو گئے۔ امام کے ساتھی اور بنی ہاشم کے افراد بھی رونے لگے اور خواتین کے رونے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔

لوگوں کے خاموش ہو جانے کے بعد «عبداللہ» اور اس کے ساتھی نے امام سے عرض کیا: اے فرزند رسول! مسلم اور ہانی کی شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب کوفہ میں آپ کے حامی اور طرفدار نہیں رہے لہذا بہتر ہے کہ آپ یہیں سے واپس چلے جائیں۔

لیکن اولادِ عقیل نے واپسی سے انکار کیا اور کہا کہ: خدا کی قسم ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک یا تو مسلم کے قاتلوں سے ان کے خون کا بدلہ نہ لے لیں یا پھر انہی کی طرح اپنے خون میں نہ نہا جائیں۔

عبداللہ اور اس کے ساتھی اور اولادِ عقیل کے درمیان یہ بحث طول پکڑ گئی۔ دونوں اپنی اپنی رائے کو ثابت کرنے کے لئے دلائل لاتے تھے اور تائیدی باتوں کا ذکر کرتے تھے۔ ساتھ ہی سب اس بات کے منتظر تھے کہ اس سلسلے میں امام علیہ السلام اپنی رائے اور فیصلے کا اظہار کریں۔ آخر کار امام نے ارشاد فرمایا:

«لَا خَيْرَ فِي الْعَيْشِ ان سب (مسلم، ہانی اور ان کے حامی مراد

ہیں) کے بعد زندگی میں کوئی خیر نہیں۔»

نتیجہ: امامِ حریت، حسین ابن علیؑ کی نگاہ میں ایسے معاشرے میں زندگی گزارنا بے فائدہ ہے جہاں مسلم ابن عقیل اور ہانی ابن عروہ جیسے افراد کو فہ جیسے اسلامی مرکز میں قتل کر دیئے جائیں اور ان کے بدن اس شہر کے بازاروں میں گھیٹے جائیں، وہ بازار جہاں کسی وقت مولائے کائنات کے وعظ و نصیحت کی صدائیں گونجا کرتی تھیں۔ جی ہاں، اس سنگین جرم اور ایسے خدا پرست افراد کی شہادت کے بعد ایسے پست اور حقیر معاشرے میں زندگی گزارنا بے فائدہ ہے۔ حالانکہ ایسے انسانوں کے لئے جو صرف «انسان نما» ہیں، اسی ذلت آمیز ماحول میں زندگی بسر کرنا انتہائی لذت بخش اور خوشگوار ہوتا ہے۔



ثعلبیہ کے مقام پر ایک سوال کے جواب میں

«إِمَامٌ دَعَا إِلَى هُدًى، فَاجَابُوا إِلَيْهِ وَ إِمَامٌ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ
فَاجَابُوا إِلَيْهَا هَوْلَاءِ فِي الْجَنَّةِ وَ هَوْلَاءِ فِي النَّارِ وَ هُوَ
قَوْلُهُ تَعَالَى: فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَ فَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ» (۱)

ترجمہ اور تشریح

عظیم شیعہ محدث «شیخ صدوق» اور «خطیب خوارزمی» نے نقل کیا ہے کہ «ثعلبیہ» ہی کے مقام پر ایک شخص حسین ابن علی کی خدمت میں شرفیاب ہوا اور اس آیت کریمہ کی تفسیر دریافت کی کہ: يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ (قیامت کے دن ہم ہر قوم کو اس کے امام اور پیشوا کے ساتھ بلائیں گے۔ سورہ بنی اسرائیل ۱۷- آیت ۱۷)۔ امام علیہ السلام نے اسکے جواب میں فرمایا:

«إِمَامٌ دَعَا إِلَى هُدًى..... ایک امام و پیشوا وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو راہِ راست اور کامیابی اور سعادت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ کچھ لوگ اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور اس کی پیروی کرتے ہیں۔ (جبکہ) ایک اور امام

اور پیشوا وہ ہے جو لوگوں کو گمراہی اور بد بختی کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کا ایک گروہ اس کی دعوت قبول کرتا ہے۔ ان میں سے پہلا گروہ جنت میں اور دوسرا گروہ دوزخ میں جائے گا۔»

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یہی اس آئیہ کریمہ کی تفسیر ہے جس میں پروردگار نے فرمایا ہے: **فَرِیقٌ فِی الْجَنَّةِ وَ فَرِیقٌ فِی السَّعِیرِ** (کچھ لوگ جنت میں اور کچھ لوگ دوزخ میں ہوں گے۔ سورہ شوریٰ ۴۲- آیت ۷)

رہنماؤں کی اقسام

امام حسین علیہ السلام نے اپنی اس گفتگو میں قرآن کریم کی دو آیات کی بنیاد پر دو متضاد گروہوں اور دو قسم کے رہبروں کا ذکر کیا ہے۔ ان دونوں میں سے ہر گروہ ایک رہبر سے وابستہ اور اسی کے افکار کی روشنی میں زندگی بسر کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں ہمیشہ ایسے گروہ اور ایسے رہبر رہے ہیں اور رہیں گے۔ اب یہ ہر شخص کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ ان رہنماؤں کے پیش کردہ پروگراموں کی بنیاد پر انہیں پرکھے، پہچانے اور اس رہنما کی پیروی کرے جو انسانی سعادت کی سمت دعوت دیتا ہو۔



ایک اور سوال کا جواب

«أَمَّا وَاللَّهِ لَوْ لَقِيتُكَ بِالْمَدِينَةِ لَأَرَيْتُكَ أَثَرَ جِبْرِئِيلَ فِي
دَارِنَا وَنَزُولِهِ بِالْوُحْيِ عَلَى جَدِّي يَا أَخَا أَهْلِ الْكُوفَةِ
مِنْ عِنْدِنَا مُسْتَقَى الْعِلْمِ أَفَعَلِمُوا وَجَهْلُنَا؟ هَذَا مِمَّا
لَا يَكُونُ.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

أَرَيْتُ ' اَرِئْتِہ : دکھانا۔ اثر جبرئیل : جبرئیل کے داخل ہونے کا مقام۔ مُسْتَقَى :
وہ جگہ جہاں سے پانی پیا جاتا ہے۔

ترجمہ اور تشریح

«ثعلبیہ» ہی کے مقام پر یہ امام کا تیسرا کلام ہے۔ کوفہ کا ایک شخص امام کی خدمت میں
حاضر ہوا۔ دورانِ گفتگو امام نے اس سے پوچھا کہ وہ کس شہر کا رہنے والا ہے۔ اس نے جواب
دیا کہ وہ کوفہ کا باشندہ ہے۔ امام نے اس سے فرمایا:

«أَمَّا وَاللَّهِ لَوْ لَقِيتُكَ بِالْمَدِينَةِ خدا کی قسم اگر مدینہ میں ہماری

ملاقات ہوئی ہوتی، تو میں تمہیں اپنے گھر میں جبریل کے داخل ہونے کی جگہ اور اپنے نانا پرچی کے نزول کا مقام دکھاتا۔ (۲) اے کوئی بھائی! لوگوں نے علم کی پیاس ہمارے ہی گھرانے سے بجھائی ہے۔ پس کیسے ممکن ہے کہ ان کے پاس تو علم ہو اور ہم جاہل اور بے خبر رہیں؟ یہ نہیں ہو سکتا۔»

«بصائر الدرجات» اور «اصول کافی» میں نقل ہونے والے امام کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ امام نے یہ گفتگو اس کوئی کی جانب سے کئے جانے والے کسی سوال کے جواب میں فرمائی ہے۔ جہاں تک ہمارے لئے ممکن تھا ہم نے کوشش کی کہ وہ سوال بھی کہیں مل جائے تاکہ امام کی یہ گفتگو بخوبی واضح اور روشن ہو جائے لیکن بد قسمتی سے ہمیں وہ سوال نہ مل سکا۔

لیکن امام کے بیان کی مجموعی کیفیت اور خاص کر اس جملے سے جس میں آپؑ نے فرمایا کہ: «پس کیسے ممکن ہے کہ ان کے پاس تو علم ہو اور ہم جاہل اور بے خبر رہیں؟» یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ امام کا مخاطب ایک بے خبر اور سادہ لوح شخص تھا جس نے دوسرے اور لوگوں کی طرح بنی امیہ کے خلاف امام کے اقدام پر اعتراض کیا تھا۔ اور امام علیہ السلام نے (اسکے جواب میں) بنی امیہ کے ہاتھوں وقوع پذیر ہونے والے افسوسناک حادثات اور ان کے جرائم کو بیان کرتے ہوئے اس انحراف اور بگاڑ کا تذکرہ کیا تھا جو ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رحلت کے بعد رہبری کے مسئلے میں اسلام میں در آیا تھا اور اس بات کا باعث بنا تھا کہ بنی امیہ (جن کی اسلام اور قرآن سے سخت دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی) مسلمانوں کے حاکم اور رہنما بن بیٹھے اور پھر انہوں نے تمام مظالم اور خیانتیں اور وہ بھی اسلام کے نام پر انجام

۲- علامہ مجلسیؒ نے «مرآت العقول» میں فرمایا ہے: اثر جبرئیل سے مراد وہ جگہ ہے جہاں جبریل ٹھہر کر نبی اکرمؐ سے داخلے کی اجازت طلب کرتے تھے۔ یہ جگہ آج بھی مشہور ہے اور اس کے قریب واقع دروازے کو «باب جبریل» کہتے ہیں۔

دیں۔

البتہ وہ کوئی امام کی گفتگو سے مطمئن نہیں ہوا تھا اور بعض دوسرے کوتاہ ہیں مسلمانوں کی طرح وہ بھی بنی امیہ کے افعال کو اسلامی تعلیمات کے مطابق سمجھتے ہوئے ان کے ظاہری اعمال جیسے نماز، روزہ اور نماز جمعہ و جماعت کو ان کی حقانیت کی دلیل قرار دے رہا تھا۔ یہاں تک کہ امام نے اسے مطمئن کرنے کے لئے یہ آخری بات کہی۔

امام کی گفتگو سے سامنے آنے والی بات

امام کی اس گفتگو سے کئی نکات حاصل کئے جاسکتے ہیں، لیکن جیسا کہ پہلے وضاحت کی گئی ہے، اس گفتگو میں ایک نکتہ دوسری تمام چیزوں سے زیادہ قابلِ توجہ ہے اور وہ نکتہ امام کی اس گفتگو میں موجود ایک کلی اور عمومی قانون ہے جسے قاعدہ، «اہل البیت ادریٰ بے مافیہ»، کا نام دیا جاسکتا ہے۔ یعنی اہل خانہ دوسروں سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ یہ وہ قانون ہے جس سے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے بعد مسلمانوں کے درمیان پیش آنے والے اختلاف اور نزاع کے حل کے سلسلے میں استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کے یہ دو مکاتب یعنی «شیعہ» اور «سنی»، بے شمار اسلامی اصول و فروع میں ایک دوسرے سے متفق اور ہم خیال ہیں، جیسے توحید، نبوت، قیامت، قرآن، قبلہ، نماز، زکات، حج اور دوسرے مسائل لیکن بعض فروعی اور اسی طرح بعض اصولی مسائل جیسے «امامت» کے مسئلے میں یہ دونوں مکاتب اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ لیکن اگر تنگ نظری اور تعصب کو چھوڑ دیا جائے تو باہمی تفاهم، علمی تحقیقات اور تجزیہ و تحلیل کے ذریعے مکمل اتحاد حاصل کیا جاسکتا ہے اور ان دونوں مکاتب فکر کو اللہ اور اس کے رسول کے پسندیدہ ایک اصل مکتب کے زیر سایہ جمع کیا جاسکتا ہے۔

لیکن ان چند اختلافی مسائل میں حق کس طرف ہے؟ ایک ایسا سوال ہے جس کے مختلف

اور متعدد عمومی اور خصوصی جوابات دیئے گئے ہیں۔ اس کا ایک عمومی ترین جواب وہی ہے جو امام کے بیان سے ایک قاعدے کی صورت میں حاصل کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ: اہل البیت اداری بما فیہ یعنی اہل خانہ گھر کے امور سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔

شیعہ اپنے تمام عقائد مذہبی احکام اور دین کے اصول و فروع، خاندانِ نبوت اور اہل بیت کے توسط سے علوم اسلامی کے بنیادی سرچشمے پیغمبر اکرمؐ سے حاصل کرتے ہیں۔ یوں مکتب تشیع درحقیقت مکتب وحی اور مکتب اہل بیت ہے، وہی اہل بیت جن کا خداوند عالم نے قرآن مجید میں اس طرح تعارف کرایا ہے کہ: اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيرًا. (سورہ احزاب ۳۳- آیت ۳۳)

لیکن ((سنی)) مکتب فکر نے اپنے عقائد اور احکام اس گھرانے سے حاصل نہیں کئے۔ ((شیعہ)) توحید قیامت اور دوسرے تمام عقائد میں رسول کریمؐ اور ان کے اہل بیت کی روایات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جبکہ اہل سنت اس سلسلے میں ابوہریرہ اور ان جیسے دوسرے راویوں کی روایات پر تکیہ کرتے ہیں۔ شیعوں نے اپنے فقہی احکام امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے حاصل کئے ہیں جبکہ اہل سنت نے امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ سے۔

یہی وہ بات ہے جو ہمیں امام علیہ السلام کے اس کلام سے سمجھ میں آتی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا: يَا اَخَا اَهْلِ الْكُوفَةِ مِنْ عِنْدِنَا مُسْتَغْنَى الْعِلْمِ اَفَعَلِمُوا وَجَهِلْنَا؟ هَذَا مِمَّا لَا يَكُونُ..... (اے کوئی بھائی! لوگوں نے علم کی پیاس ہمارے ہی گھرانے سے بجھائی ہے۔ پس کیونکر ممکن ہے کہ ان کے پاس تو علم ہو اور ہم جاہل اور بے خبر رہیں۔)



شقوق کے مقام پر

«إِنَّ الْأَمْرَ لِلَّهِ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَرَبُّنَا تَبَارَكَ هُوَ كُلَّ يَوْمٍ فِي شَأْنٍ
فَإِنْ تَكُنِ الدُّنْيَا تَعْدُ نَفْسَةً فَدَارَ ثَوَابِ اللَّهِ أَغْلًا وَأَنْبَلُ
وَإِنْ تَكُنِ الْأَمْوَالُ لِلتَّرَكِّ جَمْعُهَا فَمَا بَالُ مَتْرُوكٍ بِهِ الْمَرْءُ يَخْلُ
وَإِنْ تَكُنِ الْأَرْزَاقُ قِسْمًا مُقَسَّمًا فَقِلَّةُ حِرْصِ الْمَرْءِ فِي الْكَسْبِ أَجْمَلُ
وَإِنْ تَكُنِ الْأَبْدَانُ لِلْمَوْتِ أَنْشَاءً فَقَتْلُ امْرِئٍ بِالسَّيْفِ فِي اللَّهِ أَفْضَلُ
عَلَيْكُمْ سَلَامٌ اللَّهُ يَا آلَ أَحْمَدَ فَإِنِّي أَرَانِي عَنْكُمْ سَوْفَ أَرْحَلُ (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

نَفِيس اور نفیسہ: قیمتی۔ اَنْبَل: افضل۔ بال: حالت۔

ترجمہ اور تشریح

جوں جوں حسین ابن علی عراق سے نزدیک ہو رہے تھے ہر روز عراق اور کوفہ سے تعلق رکھنے والے متعدد افراد سر راہ امام کو ملتے تھے۔ جب آپؑ «ثعلبیہ» سے آگے بڑھ کر

«شقوق» کے مقام پر پہنچے تو کوفہ سے آنے والے ایک شخص سے آپؐ کی ملاقات ہوئی۔ آپؐ

نے اس سے کوفہ کے حالات اور اہل کوفہ کے افکار و خیالات کے بارے میں سوال کیا۔

اس شخص نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! اہل عراق آپؐ کے خلاف متحد اور ہم آواز

ہو چکے ہیں اور انہوں نے آپؐ کے خلاف جنگ کے لئے آپس میں گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔

اس کے جواب میں امام علیہ السلام نے فرمایا:

«إِنَّ الْأَمْرَ لِلَّهِ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ..... يَقِينًا جو کچھ بھی پیش آتا ہے وہ سب

اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے انجام دیتا ہے اور ہر روز اس کا ایک

خاص ارادہ ہوتا ہے۔»

اس کے بعد امامؑ نے وہ اشعار پڑھے جو اوپر درج کئے گئے ہیں۔ ان اشعار کا ترجمہ

یوں ہے:

«اگرچہ بعض لوگوں کے لئے یہ دنیا انتہائی قیمتی ہے لیکن اللہ کا دارِ ثواب اس

سے زیادہ قیمتی اور گرانہا ہے۔ اور اگر جمع شدہ مال و دولت کو چھوڑ ہی جانا ہے

تو پھر انسان کا اس کے بارے میں بخل کرنا صحیح نہیں۔ اور اگر رزق اور روزی

مقدر ہے اور تقسیم کر دی گئی ہے تو پھر انسان دولت کے حصول کے لئے جتنی کم

طمع کرے اتنا ہی بہتر ہے۔ اور اگر بدن بنائے ہی اس لئے گئے ہیں کہ انہیں

موت آئے تو پھر اللہ کی راہ میں تلوار سے مارے جانا ہی افضل ہے۔ اے

خاندان محمدؐ! آپؐ پر میرا سلام ہو کیونکہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ جلد ہی آپؐ

سے رخصت ہو جاؤں گا۔»

آہنی ارادہ

کسی بھی تحریک اور جدوجہد کی کامیابی کی ایک شرط بالخصوص اسکے رہنما میں پائی جانے

والی شرائط میں سے ایک اہم ترین شرط یہ ہے کہ وہ ناگوار حوادث اور اپنے مقاصد کے راستے میں پیش آنے والی رکاوٹوں کے سامنے ہمت نہ ہارے، اپنے ارادوں سے پلٹ نہ جائے اور کمزوری اور سستی کا مظاہرہ نہ کرے۔

امام حسین علیہ السلام کے مذکورہ کلام میں یہ موضوع بہت روشن اور واضح دکھائی دیتا ہے کہ جب کوئی شخص امام کو تلخ اور غیر متوقع صورتحال سے مطلع کرتا ہے، بتاتا ہے کہ اہل کوفہ یعنی امام کے قوت بازو، حامی و ناصر اب ان کے خلاف متحد ہو گئے ہیں، تو امام یہ سن کر نہ صرف کسی کمزوری اور کم ہمتی کا اظہار نہیں کرتے، اپنے راستے پر گامزن رہتے ہیں بلکہ دنیا اور مال دنیا کی بے وقعتی کے بارے میں اشعار پڑھ کر خود کو اور اپنے اصحاب کو پہلے سے زیادہ پختہ اور مستحکم بناتے ہیں اور یہی وہ درس شجاعت و استقامت ہے جو امام حسین علیہ السلام نے انسانیت کو دیا۔



۳۰

زبالہ کے مقام پر

«بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّهُ قَدْ أَتَانَا خَبْرٌ
فَطِيعٌ قَتَلَ مُسْلِمَ بْنَ عَقِيلٍ وَهَانِيَّ بْنَ عُرْوَةَ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ
يَقْطُرٍ وَقَدْ خَذَلْتَنَا شِيعَتُنَا فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ الْإِنْصِرَافَ
فَلْيَنْصَرِفْ لَيْسَ عَلَيْهِ مِنَّا ذِمَامٌ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

فَطِيعٌ : ناگوار۔ خَذَلَهُ : مدد سے دستبردار ہو جانا۔ اِنْصِرَافَ : پلٹ جانا۔ ذِمَامٌ :
حق، معاہدہ۔

ترجمہ اور تشریح

امام کا قافلہ «شقوق» کے بعد «زبالہ» کے مقام پر پہنچا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں امام
کو ایک خط کے ذریعے (جو کوفہ سے آپ کے کسی حامی نے آپ کو ارسال کیا تھا) حضرت
مسلم ابن عقیل، ہانی ابن عروہ اور عبد اللہ ابن یقطر (۲) کی شہادت کی باقاعدہ خبر موصول ہوئی۔

۱- تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۲۹۴، ارشاد مفید - ص ۱۲۳۔

۲- ابن حجر نے کتاب «(اصابہ)» میں عبد اللہ ابن یقطر کے مارے جانے کا واقعہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

جس وقت امامؑ نے مذکورہ گفتگو ارشاد فرمائی، اس وقت آپؑ اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے اور وہ خط آپؑ کے دست مبارک میں تھا۔ آپؑ نے فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّهُ قَدْ أَتَانَا خَبَرٌ فَطِيعٌ..... ایک نہایت افسوس ناک خبر

ہمیں ملی ہے اور وہ مسلم ابن عقیل، ہانی ابن عروہ اور عبداللہ ابن یقطر کی شہادت

کی خبر ہے۔ ہمارے دوستوں نے ہماری مدد ترک کر دی ہے۔ اب تم میں سے

جو بھی واپس جانا چاہے وہ آزاد ہے اور ہماری طرف سے اس پر کوئی حق نہیں

ہے۔»

صاف گوئی

دینی اور مذہبی رہنماؤں اور عام سیاسی لیڈروں کے درمیان ایک بنیادی اور واضح فرق یہ ہوتا ہے کہ دینی رہنما سچے اور صاف گو ہوتے ہیں، حقائق کو کھل کر بیان کر دیتے ہیں۔ ایک دینی رہنما اپنے ایمان اور عقیدے پر بھروسہ کرتے ہوئے اہم امور و معاملات کے بارے میں

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) مختصر طور پر یوں بیان کیا ہے: امامؑ نے مکہ سے روانگی کے بعد عبداللہ ابن یقطر کو مسلم بن عقیل کے نام ایک خط دے کر روانہ کیا۔ عبداللہ قادیہ کے مقام پر حصین بن نمیر کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور انہیں کوفہ میں عبید اللہ ابن زیاد کے پاس بھیج دیا گیا۔ ابن زیاد نے انہیں حکم دیا کہ وہ منبر پر جائیں اور امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ اور حسین ابن علیؑ پر تنقید کریں اور انہیں برا بھلا کہیں، لیکن اس کے برخلاف عبداللہ ابن یقطر نے منبر پر جا کے بنی امیہ کی مذمت اور خاندان علی ابن ابی طالبؑ کی تعریف و تمجید کرتے ہوئے کہا: «اے لوگو! میں فرزند فاطمہ حسینؑ کا قاصد ہوں اور تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگ ان کی نصرت و حمایت کرتے ہوئے ابن مرجانہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہو»۔ ابن زیاد کے حکم سے انہیں ہاتھ باندھ کر دارالامارہ کی چھت سے نیچے پھینک دیا گیا۔ جس سے ان کی ہڈیاں چورہ چورہ ہو گئیں۔ ابھی ان کے بدن میں کچھ جان باقی تھی کہ عبدالملک بن عمیر نامی ایک شخص آگے بڑھا اور ان کا سرتن سے جدا کر دیا۔ جب لوگوں نے اس عمل پر اس کی مذمت کی تو اس نے جواب دیا کہ مجھ سے ان کی تکلیف دیکھی نہ گئی، لہذا میں نے چاہا کہ انہیں اس تکلیف سے نجات دلا دوں۔

اپنے ماننے والوں اور اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے صداقت اور صراحت سے کام لیتا ہے، چاہے اس کے نتیجے میں اسے نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان رہنماؤں کا اولین مقصد لوگوں کے دلوں کو ایمان کے نور سے منور کرنا ہے۔ ان کی تمام سرگرمیاں اور کوششیں اسی مقصد کی تمہید ہوا کرتی ہیں اور اس مقصد کا حصول حقائق کی پردہ پوشی، دھوکہ دہی اور فریب کاری کے ذریعے ممکن نہیں، جو آج کے سیاستدانوں میں رائج اور ان کا معمول ہے، جو افراد اور ماحول کو دیکھتے ہوئے اپنا ظاہر تبدیل کرتے رہتے ہیں۔

اس صفا و اخلاص، وفا و صداقت کا مشاہدہ تمام دینی رہنماؤں میں، خاص کر نبی اکرمؐ میں جو ساری دنیا کے لیے نمونہ عمل کی حیثیت رکھتے ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تمام جنگوں میں اور آنحضرت کی پوری حیات طیبہ میں بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ امام حریت حسین ابن علیؑ بھی نہ صرف اس قاعدے اور قانون سے مستثنیٰ نہیں بلکہ اس اعتبار سے بھی دوسرے مذہبی رہنماؤں کے لیے ایک اصول اور اسوہ عمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ نے مدینہ سے کربلا تک سفر کے دوران مستقبل میں جو کچھ ہوتا محسوس کیا اس سے مختلف مواقع پر اور مختلف مناسبتوں سے اپنے اصحاب کو مطلع کیا۔ مثال کے طور پر آپؐ مکہ سے روانگی کے موقع پر تقریر کے دوران اور اسی طرح عبداللہ ابن عباسؓ، عبداللہ ابن زبیرؓ، عبداللہ ابن عمرؓ اور محمد ابن حنفیہؓ سے گفتگو کے ضمن میں اپنے اصحاب کو آئندہ کے حالات سے باخبر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب آپؐ کو اپنے ایک مخلص کی طرف سے ایک خط کے ذریعے کوفہ میں اپنے تین باوفا ترین اصحاب کی شہادت کی خبر پہنچتی ہے، تو مزید زور دینے کی خاطر خط کو ہاتھ میں تھام کر سب کے سامنے یہ خط پڑھتے ہیں۔

امامؑ کی اس پیشکش کا سبب اور نتیجہ

مشہور مورخ «طبری» اور انتہائی عالی مرتبت شیعہ عالم «شیخ مفید» نے امام حسینؑ کے

اس بیان کو نقل کرنے کے بعد امامؑ کی اس پیشکش کے سبب اور نتیجے کے بارے میں تقریباً ایک ہی جیسی وضاحت کی ہے۔ اس سلسلے میں «طبری» نے امامؑ کی پیشکش کے سبب کے بارے میں جو تحریر کیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے: امامؑ جانتے تھے کہ وہ لوگ جو راستے میں آپؐ سے ملحق ہوئے ہیں ان کی توقع یہ ہے کہ امامؑ ایک ایسے شہر کی طرف جارہے ہیں جس کے لوگ ان کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ اور کیونکہ امامؑ نہ یہ چاہتے تھے اور نہ پسند کرتے تھے کہ یہ لوگ حالات سے بے خبر رہتے ہوئے آپؐ کے ساتھ رہیں، نیز آپؐ اس بات کو بھی جانتے تھے کہ اگر ان لوگوں کو حقیقتِ حال کا علم ہوگا تو وہ ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے (سوائے ان چند افراد کے جو تادمِ مرگ امامؑ کی نصرت کا سچا عزم رکھتے تھے)۔ لہذا امامؑ نے انہیں یہ پیشکش کی اور ان کے سامنے اس خط کا مضمون پڑھا۔

«طبری» نے اس پیشکش کے نتیجے کے بارے میں بھی یہ تحریر کیا ہے کہ: امامؑ کے اس خطاب کے بعد آپؐ کے ساتھ آنے والے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ٹکڑیوں کی صورت میں ادھر ادھر منتشر ہو گئی اور وہ مختلف سمتوں میں روانہ ہو گئے اور آپؐ کے ہمراہ صرف وہ چند خاص اصحاب رہ گئے جو مدینہ سے آپؐ کے ساتھ آئے تھے.... اور یہی بات طبقات ابن سعد میں بھی تحریر ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا، حسین ابن علیؑ کی طرف سے یہ پیشکش صرف ایک مرتبہ اور صرف کسی ایک مقام پر نہیں کی گئی بلکہ بارہا، مختلف مناسبتوں اور مواقع پر اس کا اظہار کیا گیا تھا۔ «زبالہ» کے مقام پر اس پیشکش اور جانے کی اجازت دینے کے بعد جبکہ چند انتہائی باوفا، مخلص اور جانثار ساتھیوں کے سوا سب چلے گئے، تو امامؑ «طن عقبہ» کے مقام پر ایک مرتبہ پھر زیادہ واضح الفاظ میں اس پیشکش کا اعادہ کرتے ہیں۔ اس پیشکش کا ذکر قارئین آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔



۳۱

بطن عقبہ کے مقام پر

»مَا أَرَانِي إِلَّا مَقْتُولًا فَإِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كِلَابًا
تَنْهَشُنِي وَأَشَدُّهَا عَلَى كُلِّ أَبْقَعٍ....

...یا عَبْدَ اللَّهِ لَيْسَ يَخْفَى عَلَى الرَّأْيِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُغْلَبُ
عَلَى أَمْرِهِ (۱) إِنَّهُمْ لَنُ يَدْعُونِي حَتَّى يَسْتَخْرِجُوا هَذِهِ
الْعَلَقَةَ مِنْ جَوْفِي فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ سَلَطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَنْ
يُذِلُّهُمْ حَتَّى يَكُونُوا أَذَلَّ فِرْقِ الْأُمَمِ» (۲).

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مَنَام: خواب۔ کِلَاب: (کلب کی جمع): کتے۔ تَنْهَشُنِي (نہش سے): دانتوں
سے کاٹنا۔ أَبْقَعُ: خاکستری رنگ، سیاہ اور سفید دھبوں والا۔ عَلَقَهُ: خون کا لوٹھڑا (اسے نکالنا
ایک کنایہ ہے جس کے معنی کسی شخص کو قتل کرنا ہے۔)

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؑ کا قافلہ ((زبالہ)) سے روانہ ہونے کے بعد ایک دوسرے مقام ((بطن عقبہ))

۱- کامل الزیارات - ص ۷۵ تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۲۹۴۔

۲- ارشاد مفید - ص ۲۲۳ ابن عساکر - ص ۲۱۱۔

پر پہنچا۔

«ابن قولویہ» نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے اور دیگر محدثین اور مورخین نے بھی ذکر کیا ہے کہ اس مقام پر امام حسینؑ نے ایک خواب دیکھا جس کی مناسبت سے اپنے اصحاب و انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

«مَا أَرَانِي إِلَّا مَقْتُولًا..... مجھے اپنے قتل کے آثار کے سوا کچھ نظر نہیں

آتا۔ کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کئی کتے مجھے کاٹ رہے ہیں اور

ان میں سب سے زیادہ شدید ایک سیاہ اور سفید (خاکستری) رنگت والا کتا

ہے۔»

کتاب الارشاد میں شیخ مفید علیہ الرحمہ نے نقل کیا ہے کہ اس موقع پر قبیلہ عکرمہ سے تعلق رکھنے والے «عمرو بن لوزان» نامی ایک بوڑھے شخص نے جو اسی مقام پر امام حسینؑ کے قافلے سے ملا تھا، امامؑ کو مخاطب کر کے سوال کیا: آپؑ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: کوفہ۔ «عمرو بن لوزان» نے کہا: میں آپؑ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپؑ یہیں سے پلٹ جائیے، کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس سفر میں آپؑ کو صرف تلوار اور نیزے ہی ملیں گے۔ جن لوگوں نے آپؑ کو دعوت دی ہے اگر وہ جنگ و جدال کی روک تھام کر سکیں اور ہر طرح سے تیار ہوں تب آپؑ کے ان کی طرف جانے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اس صورتحال میں جس کی آپؑ خود بھی پیش گوئی فرما رہے ہیں، آپؑ کا وہاں جانا میں کسی بھی صورت میں مناسب نہیں سمجھتا۔

امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا:

«... يَا عَبْدَ اللَّهِ لَيْسَ يَخْفَى عَلَى الرَّأْيِ ... اے بندہ خدا! جو بات

تم محسوس کر رہے ہو وہ مجھ سے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن اللہ کے حکم کو تبدیل

نہیں کیا جاسکتا۔»

امامؑ نے مزید فرمایا:

«اِنَّهُمْ لَنْ يَدْعُوْنِي یہ میرا خون بہائے بغیر مجھے نہیں چھوڑیں گے اور

جب یہ لوگ یہ کام کر گزریں گے تو خدا ان پر ایک ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو

انہیں انتہائی ذلیل و خوار کر ڈالے گا۔ یہاں تک کہ انہیں تمام قوموں سے زیادہ

ذلیل ترین بنادے گا۔»



۳۲

شرف کے مقام پر نمازِ ظہر کے بعد امام کا خطاب

«أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهَا مَعْدِرَةٌ إِلَى اللَّهِ وَإِلَيْكُمْ وَإِنِّي لَمْ أَتِكُمْ
حَتَّى أَتَنِي كُتُبُكُمْ وَقَدِمْتُ بِهَا رُسُلُكُمْ أَنْ أَقْدِمَ عَلَيْنَا
فَإِنَّهُ لَيْسَ لَنَا إِمَامٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يَجْمَعَنَا بِكَ عَلَى الْهُدَى
فَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى ذَلِكَ فَقَدْ جِئْتُكُمْ فَأَعْطُونِي مَا أَطْمَئِنُّ
بِهِ مِنْ عَهْدِكُمْ وَ مُوَائِقِكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ لِمَقْدَمِي كَا
رِهِينَ أَنْصَرِفَ عَنْكُمْ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي جِئْتُ مِنْهُ
إِلَيْكُمْ.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مَعْدِرَةٌ: حجت اور دلیل بیان کرنا۔ عہود و مواعیق: (عہد و میثاق کی جمع):

معاہدے۔

۱۔ تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۲۹۷ اور ۲۹۸، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۸۰، ارشادِ مفید - ص

۲۲۲ اور ۲۲۵، مقتل خوارزمی - ص ۲۳۱ اور ۲۳۲۔

ترجمہ اور تشریح

حسینی کارواں «بطن عقبہ» سے گزرنے کے بعد «شراف» نامی مقام پر پہنچا۔ امام کی یہاں تشریف آوری کے بعد «حرا بن یزید ریاحی» ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل لشکر کے ہمراہ اسی مقام پر پہنچے۔ «حر» اس لشکر کے سردار تھے اور انہیں یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ امام کو کوفہ کی سمت بڑھنے نہ دیں۔ اس مقام پر امام نے دو مختصر تقریروں کے ذریعے لشکرِ حر کے سامنے اپنے مقام و منزلت کا ذکر کیا، بنی امیہ کے کردار کی وضاحت کی اور اپنے سفر کے سبب کو بیان کیا۔

فرزندِ فاطمہؑ کی نرم دلی

ان دو تقریروں کے ترجمے اور تشریح سے پہلے تاریخوں میں درج، امام اور «حر» کی ملاقات کے احوال اور اس دوران «حر» اور اس کے سپاہیوں کے ساتھ امام کے اس طرزِ عمل پر نگاہ ڈالیں گے جو فرزندِ فاطمہؑ کی رحم دلی اور شفقت و مہربانی کا عکاس ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے قائدین اور تحریکوں اور انقلابات کے رہنماؤں کے لئے ایک درس کی حیثیت رکھتا ہے۔ امام نے «شراف» کے مقام پر پہنچنے کے بعد اپنے قافلے میں موجود جوانوں کو حکم دیا کہ وہ صبح طلوع ہونے سے پہلے فرات سے معمول کے برخلاف ضرورت سے زیادہ پانی خیموں میں لے آئیں۔ اسی دن ظہر سے پہلے شدید گرمی میں حرا بن یزید ریاحی ایک ہزار سپاہیوں کی قیادت کرتے ہوئے شراف پہنچے۔ جب امام حسینؑ نے راستے کے گرد و غبار میں اٹے ہوئے بھاری اسلحوں کے بوجھ سے تھکے ماندے ہونے کے ساتھ ساتھ پیاس کی شدت سے نڈھال حر کے سپاہیوں کو دیکھا تو اپنے اصحاب و انصار کو حکم دیا کہ وہ ان سپاہیوں اور ان کے گھوڑوں کو سیراب کریں اور چل کر آئی ہوئی سواریوں پر حسبِ دستور پانی چھڑکیں۔

اصحاب نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور ان میں سے کچھ «حر» کے سپاہیوں کو پانی

پلانے میں مشغول ہو گئے، کچھ نے پانی کے برتن بھر کے جانوروں کے سامنے رکھ دیئے اور کچھ افراد سواری کے جانوروں پر پانی چھڑکنے لگے۔

«حر» کے سپاہیوں میں سے ایک شخص «علی بن طعان محاربی» کہتا ہے: شدید پیاس اور تھکاوٹ کی وجہ سے میں اپنے لشکر کے تمام سپاہیوں کے بعد شراف کے مقام پر اس جگہ پہنچا جہاں لشکر ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس وقت کیونکہ امام کے تمام اصحاب سپاہیوں کو پانی پلانے میں مشغول تھے اس لئے کوئی میری طرف متوجہ نہ ہوا۔ اسی دوران خیموں کی طرف سے ایک جاذب نظر اور پروقار شخص میری طرف متوجہ ہوا، مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ حسین ابن علی تھے۔ آپ پانی کی مشک اٹھائے ہوئے میری مدد کے لئے آگے بڑھے اور نزدیک پہنچ کر فرمایا: اَنْخِ الرَّاِوِيَةَ (اونٹ کو بٹھاؤ)۔

«ابن طعان» کہتا ہے کہ میں حجاز کی زبان سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے ان کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ لہذا آپ نے فرمایا: اَنْخِ الْجَمَلَ (اونٹ کو بٹھاؤ)۔ اب بات میری سمجھ میں آئی اور میں نے اپنی سواری کو بٹھایا اور پانی پر ٹوٹ پڑا۔ لیکن شدید پیاس اور گھبراہٹ کی وجہ سے پانی میرے سر اور چہرے پر بہہ رہا تھا اور میں صحیح طرح پانی نہیں پی پا رہا تھا۔ (یہ حالت دیکھ کر) امام نے فرمایا: اِخْنِثِ السَّقَاءَ (مشکیزے کو دباؤ)۔ میں پھر ان کی بات نہیں سمجھ پایا۔ امام جو ایک ہاتھ سے مشکیزے کو تھامے ہوئے تھے انہوں نے دوسرے ہاتھ سے اس کے منہ کو پکڑا، یہاں تک کہ میں نے بغیر کسی زحمت کے آسانی سے اپنی پیاس بجھائی۔

نمازِ باجماعت

اس پر خلوص استقبال، مہمان نوازی اور کچھ دیر آرام کے بعد ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ امام نے اپنے خاص مؤذن «حجاج بن مسروق» سے فرمایا: اَذِّنْ يَرْحَمُكَ اللهُ وَاقُمْ لِلصَّلَاةِ نُصْلَى (خدا تم پر رحمت کرے اذان اور اقامت کہوتا کہ ہم نماز پڑھیں)۔ حجاج

اذان دینے میں مشغول ہو گئے۔ امامؑ نے ((حر)) سے پوچھا: کیا تم ہمارے ساتھ ہی نماز پڑھو گے یا علیحدہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ؟ ((حر)) نے جواب دیا: نہیں، ہم آپؑ ہی کے ساتھ باجماعت نماز ادا کریں گے۔

امامؑ نے اقتدا کی اور آپؑ کے اصحاب ((حر)) اور ان کے سپاہی امامؑ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور سب نے مل کر آپؑ کے ساتھ نمازِ ظہر ادا کی۔

امامؑ کا خطاب

نماز سے فارغ ہونے کے بعد، حسین ابن علیؑ نے جو اپنی تلوار پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور آپؑ کے پیروں میں نعلین تھی اور آپؑ نے سادہ عربی لباس زیب تن کیا ہوا تھا، لوگوں کی طرف رخ کیا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهَا مَعْدِرَةٌ إِلَى اللَّهِ وَإِلَيْكُمْ اے لوگو! میرا یہ خطاب درحقیقت تمہارے لئے اتمامِ حجت اور اللہ کے حضور اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے ہے۔ میں خود سے تمہاری طرف نہیں آیا، بلکہ میں نے تمہاری طرف آنے کا ارادہ اس وقت کیا جب تمہارے خطوط مجھ تک پہنچے اور تمہارے قاصدوں نے پیغام پہنچائے کہ ہمارا کوئی رہبر اور امام نہیں ہے، آپ آئیے تاکہ خداوند عالم آپ کے ذریعے ہمیں ہدایت اور راہِ راست پر جمع کر دے۔ اگر تم اپنی ان دعوتوں پر باقی ہو تو میں یہاں آچکا ہوں۔ اب تمہارا کام ہے کہ اپنے عہد و پیمان کو مضبوط کرو اور اپنی مدد و نصرت کے ذریعے مجھے مزید مطمئن کرو، لیکن اگر تم میرے آنے سے ناخوش ہو، تو میں وہیں واپس چلا جاؤں گا جہاں سے تمہاری خاطر آیا تھا۔»

((حر)) کے سپاہی امامؑ کی یہ گفتگو سننے کے بعد خاموش رہے اور ان کی طرف سے کوئی

ثبت یا منفی جواب نہیں دیا گیا۔

اس طرح امام کی اس گفتگو پر نمازِ ظہر کا اختتام ہوا، یہاں تک کہ عصر کا وقت آ پہنچا اور نمازِ عصر بھی امام حسینؑ کے اصحاب، حرا و ران کے سپاہیوں نے امام کی اقتدا میں ادا کی۔ اس نماز کے بعد ایک مرتبہ پھر امام نے خطاب فرمایا جسے آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔



۳۳

شرف کے مقام پر نمازِ عصر کے بعد امام کا خطاب

«أَمَّا بَعْدُ، أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنَّكُمْ أَنْ تَتَّقُوا اللَّهَ وَتَعْرِفُوا الْحَقَّ
لَا هَلْهُ يَكُنْ أَرْضَى لِلَّهِ وَنَحْنُ أَهْلُ بَيْتِ مُحَمَّدٍ (ص)
أُولَىٰ بِلَايَةِ هَذَا الْأَمْرِ مِنْ هَؤُلَاءِ الْمُدَّعِينَ مَا لَيْسَ
لَهُمْ وَالسَّائِرِينَ بِالْجَوْرِ وَالْعُدْوَانِ وَإِنْ أَبَيْتُمْ إِلَّا
الْكِرَاهَةَ لَنَا وَالْجَهْلَ بِحَقِّنَا وَكَانَ رَأْيُكُمْ إِلَّا نَ غَيْرَ مَا
أَتْنَىٰ بِهِ كُتُبُكُمْ أَنْصَرِفْ عَنْكُمْ»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

السَّائِرِينَ بِالْجَوْرِ وَالْعُدْوَانِ: لوگوں کے ساتھ دشمنی اور ظلم سے پیش آنے والے (عربی میں کہتے ہیں: سَارَ السُّنَّةَ اور سَارَ بِالسُّنَّةِ: اس نے اس طریقے پر عمل کیا)۔ أَبَيْتُمْ (ابی، یا بنی، ابناء کے مادہ سے): یعنی منع کیا۔

ترجمہ اور تشریح

جیسا کہ آپ نے گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمایا «شرف» کے مقام پر «حرا بن یزید ریاحی» کے لشکر سے جو ابن زیاد کی طرف سے بھیجا گیا پہلا لشکر تھا، امام کا سامنا ہوا۔ ظہر کی نماز

اور امام کی تقریر کے بعد نمازِ عصر بھی دونوں لشکروں نے امام کی اقتدا میں باجماعت ادا کی۔ اس کے بعد امام نے «حر» کے لشکر سے اپنا دوسرا خطاب ان الفاظ میں فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنَّكُمْ..... اے لوگو! اگر خدا سے ڈرو اور حق کو اہل حق کے لئے قبول کرو تو (تمہارا یہ عمل) اللہ کی خوشنودی کا باعث ہوگا۔ ہم نبی اکرم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل بیت، ولایت اور رہبری کے لئے ان لوگوں (بنی امیہ) سے بہتر ہیں جو ایسی چیز کے دعویدار ہیں جس کا انہیں حق نہیں ہے۔ انہوں نے ظلم و ستم اور اللہ کی دشمنی کا راستہ اپنایا ہوا ہے۔ اب اگر تمہیں انکار ہے، ہم سے منھ موڑنا چاہتے ہو، ہمارے حق سے غفلت کرنا چاہتے ہو اور اب اگر تمہاری رائے وہ نہیں ہے جسے تم نے خطوط میں لکھا تھا تو میں یہیں سے واپس چلا جاؤں گا۔»

امام کی تقریر ختم ہونے پر «حر» نے کہا کہ ہمیں ایسے خطوط کا کوئی علم نہیں۔ امام نے «عقبة بن سمعان» کو حکم دیا، جس پر وہ دو تھیلے اٹھالائے جو اہل کوفہ کے خطوط سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود «حر» نے ان خطوط سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس موقع پر امام اور «حر» کے درمیان کچھ گفتگو ہوئی جسے آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

خطاب میں موجود تین اہم نکات

امام نے اپنے اس خطاب میں تین انتہائی اہم اور قابلِ توجہ نکات کی جانب اشارہ کیا ہے۔

۱۔ اہل بیت اور خاندانِ نبوت کا تعارف اور ان کی پاکیزگی، تقدس اور عظمت کا ذکر، جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے امت کی رہبری اور سرپرستی کا منصب ان کے سپرد کیا۔

۲۔ اپنے دشمنوں کا تعارف جو ظالم، ستمگر اور فاسد افراد تھے۔ جنہوں نے ظلم و جور اور طاقت کے بل بوتے پر مسلمانوں کی حاکمیت کو ناحق اپنے ہاتھوں میں لیا ہوا ہے۔

۳۔ اور تیسرا وہ نکتہ ہے جس کا ذکر دونوں تقریروں میں ہوا ہے اور وہ یہ کہ امامؑ نے کوفہ کی طرف آنے کی اصل وجہ کو صاف صاف الفاظ میں بیان فرمایا اور واضح کیا ہے کہ اس سفر کی وجہ اہل کوفہ کی طرف سے ارسال کئے جانے والے خطوط اور ان ہی کی خواہش ہے وہ خود سے اور بغیر کسی دعوت کے کوفہ کی سمت نہیں آئے ہیں۔ اب اگر دعوت دینے والے اہل کوفہ (جن میں سے کچھ افراد اس وقت بھی وہاں موجود تھے) اپنی دعوت پر باقی نہیں رہے ہیں اور ان کا ارادہ بدل گیا ہے تو امامؑ بھی تیار ہیں کہ جس راستے سے آئے ہیں اسی سے واپس پلٹ جائیں۔

البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہاں امامؑ نے خطوط اور دعوت کو کوفہ کی طرف آنے کا سبب قرار دیا ہے، یزید کے خلاف اپنی جدوجہد کی وجہ اور محرک نہیں۔

کیا امامؑ مدینہ تشریف لے جاتے؟

یہاں یہ سوال پیش آتا ہے کہ اگر اہل کوفہ (جو اس وقت «حر» کے لشکر کی صورت میں وہاں موجود تھے) امامؑ کو جانے دیتے تو کیا آپؑ مدینہ واپس تشریف لے جاتے اور اپنی جدوجہد ترک کر دیتے؟

اس سوال کا جواب امامؑ کے اپنے الفاظ سے حاصل کیا جاسکتا ہے، خاص طور پر انہی خطبوں کے ذریعے جو آپؑ نے «شراف» کے مقام پر ارشاد فرمائے۔ ان دو خطبات کے انداز سے بالکل واضح ہے کہ یہ تقاریر اتمام حجت کا پہلو لئے ہوئے تھیں اور امامؑ چاہتے تھے کہ اہل کوفہ کے لئے کوئی عذر اور بہانہ باقی نہ رہے۔ امامؑ نے وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا: **إِنَّهَا مَعْدِرَةٌ إِلَى اللَّهِ وَإِلَيْكُمْ** (میرا یہ خطاب درحقیقت تمہارے لئے اتمام حجت اور اللہ کے حضور اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے ہے۔)

اس گفتگو کے ذریعے امام حاضرین کو سمجھانا چاہتے تھے کہ ان کا کوفہ کی طرف آنا، اس شہر یا اس کے شہریوں کے خلاف کسی حملے کی غرض سے نہیں ہے۔ اور اگر اموی اہل کاروں نے فضا کو زہریلا بنانے کے لئے ایسا پروپیگنڈا کیا ہے تو یہ سفید جھوٹ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ کہ یہ سفر اہلیان کوفہ کی دعوت پر انجام پایا ہے۔

البتہ امام کی مراد یہ نہیں تھی کہ اگر اہل کوفہ اپنی دعوت سے پلٹ گئے ہیں تو وہ بھی اپنی جدوجہد سے دستبردار ہو کر گھر جا بیٹھیں گے، بلکہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ اہل کوفہ کے اپنے وعدوں سے مکر جانے اور اپنی دعوت سے پلٹ جانے کی صورت میں، ہم بھی اس شہر میں نہیں آئیں گے لیکن یزید کے ہاتھ پر بیعت اور اس کے خلاف جدوجہد کا مسئلہ اپنی جگہ اسی قوت سے باقی رہے گا، اگرچہ اس راہ میں ہم مارے ہی کیوں نہ جائیں۔ مختصر یہ کہ اگر یہ جنگ کوفہ میں نہ ہوئی تو کسی اور جگہ ہو سکتی ہے۔

اگر امام کی مراد اسکے سوا کچھ اور ہوتی اور حکومت کو صرف اتنا ہی اشارہ مل جاتا کہ امام حسینؑ نے مقابلے کا ارادہ ترک کر دیا ہے، یا اب امام اس سلسلے میں شک و تردد کا شکار ہیں تو وہ یقیناً امام حسینؑ کے خلاف جنگ سے گریز کرتی۔ کیونکہ حکمران ٹولہ بخوبی جانتا تھا کہ بنی امیہ کو اس جنگ کی کتنی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

خلاصہ کلام یہ کہ لشکر یزید کے ساتھ امام کی جنگ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپؑ نے جدوجہد ترک کرنے کا کوئی معمولی سا اشارہ بھی نہیں دیا تھا۔

مزید یہ کہ مدینہ سے لے کر شہادت تک امام کے تمام کلمات آپؑ کے عزمِ راسخ اور پکے ارادے پر ایک اور قطعی دلیل ہیں۔

وہ جو خود یہ کہتے ہوں کہ: فَقَتُلْ أَمْرِي بِالسَّيْفِ فِي اللَّهِ أَفْضَلُ (اللہ کی راہ میں مارے جانا انسان کے لئے باعث افتخار ہے۔)

جو کہتے ہوں کہ: سَأُضْيِ وَمَا بِالْمَوْتِ غَارٌ عَلَى الْفَتَى (میں موت کی طرف

بڑھ رہا ہوں اور موت جواں مرد کے لئے ذلت نہیں۔)

جن کا کہنا یہ ہو کہ: هَيْهَاتَ مِنَّا الذَّلَّةُ (ذلت ہم سے کوسوں دور ہے۔)

جو یہ کہے کہ: لَا أُعْطِيهِمْ بِيَدِي إِعْطَاءَ الدَّلِيلِ وَلَا أَفِرُّ مِنْهُمْ فِرَارَ الْعَبْدِ (نہ ذلت قبول کرتے ہوئے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دوں گا اور نہ غلاموں کی طرح راہ فرار اختیار کروں گا۔)

جو یہ کہیں کہ: وَيَزِيدُ شَارِبُ الْخُمُورِ... وَمِثْلِي لَا يُبَايِعُ مِثْلَهُ (مجھ جیسا شخص ہرگز یزید جیسے شراب خور کی بیعت نہیں کرے گا۔)

اور جن کا یہ کہنا ہو کہ: وَاللَّهِ لَا أُعْطِي الدَّنِيَّةَ مِنْ نَفْسِي (خدا کی قسم ہرگز اس ذلت اور حقارت کو قبول نہیں کروں گا۔)

جی ہاں، جس کی فکر اور سوچ یہ ہو وہ کسی قیمت پر تیار نہیں ہوگا کہ اس نے جس جدوجہد کا عزم و ارادہ کیا ہے اور جس مقصد کے حصول کی راہ پر گامزن ہے اس سے دستبردار ہو جائے۔ مختصر یہ کہ اہل کوفہ کا امام کو چھوڑ دینا امام کی جدوجہد کے ارادے میں کسی مثبت یا منفی اثر کا باعث نہیں بنا، اسی طرح جیسے اہل کوفہ کی دعوت امام کی تحریک کا سبب اور محرک نہیں تھی۔



۳۴

حر کے جواب میں

«أَفَبِالْمَوْتِ تُخَوِّفُنِي وَهَلْ يَعْدُو أَبْكُمْ الْخَطْبُ أَنْ
تَقْتُلُونِي وَسَأَقُولُ مَا قَالَ أَخُو الْأَوْسِ لِابْنِ عَمِّهِ وَ
هُوَ يُرِيدُ نَصْرَةَ رَسُولِ اللَّهِ (ص)»

سَامُضِي وَمَا بِالْمَوْتِ غَارٌ عَلَى الْفَتَى إِذَا مَا نَوَى حَقًّا وَجَاهَدَ مُسْلِمًا
وَالسِّي الرَّجَالُ الصَّالِحِينَ بِنَفْسِهِ وَفَارَقَ مَثُورًا وَخَالَفَ مُجْرِمًا
أَقْدَمَ نَفْسِي لَا أُرِيدُ بَقَاءَهَا لَتَلْقَى خَمِيسًا فِي الْهِيَاجِ عَرْمَرَمًا
فَإِنْ عِشْتُ لَمْ أَمَمْ وَإِنْ مِتُّ لَمْ أَلَمْ كَفَى لَكَ ذُلًّا أَنْ تَعِيشَ وَتَرْغَمَا (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

يَعْدُو أَبْكُمْ الْخَطْبُ أَنْ تَقْتُلُونِي : عَدُو: تیزی، خَطْب: اہم اور خطرناک
کام (اس جملے میں ایک اشارہ پنہاں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ: کیا مجھے قتل کرنے کے
علاوہ تم کچھ کر سکتے ہو)۔ اَوْس: مدینہ کے عرب قبیلوں میں سے ایک قبیلہ۔ فَارَقَ فِرَاقًا:
دور ہو جانا۔ مَثُور: ملعون اور دھتکارا ہوا کافر کے لئے کنایہ ہے، خَمِيس: لشکر، کیونکہ لشکر

پانچ حصوں سے مل کر بنتا ہے لہذا اسے خمیس کہا جاتا ہے۔ ہیناج: جنگ۔ عَرْمَرْم: خمیس کی صفت یعنی عظیم الشان لشکر۔ عِشْتُ: (عَاشَ عَيْشًا سے): زندگی گزارنا۔ لَمْ أَلَمْ (لام یلوم کا متکلم وحدہ مجہول ہے): ناگوار درد عذاب۔ تَرَعَم (رغم سے): ذلت و خواری۔

ترجمہ اور تشریح

جیسا کہ اس سے پہلے ہونے والی گفتگو میں ہم نے اشارہ کیا تھا کہ «شراف» کے مقام پر امام کی دوسری تقریر کے بعد جب «حر» اور اسکے سپاہیوں کو اہل کوفہ کے خطوط دکھائے گئے اور «حر» نے ان خطوط سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا، تو اس موقع پر امام اور «حر» کے درمیان بحث و تکرار ہوئی۔ کیونکہ امام کوفہ کی طرف اپنا سفر جاری رکھنا چاہتے تھے جبکہ «حر» نے ارادہ کر لیا تھا کہ جو ذمے داری ان کے سپرد کی گئی ہے اس کے مطابق امام کو وہیں روکیں گے۔ لیکن جب «حر» نے دیکھا کہ امام اپنے فیصلے میں اٹل ہیں اور کسی صورت اسکی بات ماننے اور اپنا ارادہ تبدیل کرنے پر تیار نہیں، تو اس نے کہا: اب اگر آپ نے اپنا سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو بہتر یہ ہے کہ اپنے لئے ایک ایسے راستے کا انتخاب کیجئے جو نہ کوفہ جاتا ہو نہ مدینہ۔ تاکہ اس دوران ملنے والے وقت سے فائدہ اٹھا کر میں ایک ایسا خط ابن زیاد کو لکھ دوں جس سے معاملہ صلح و صفائی سے حل ہو جائے۔ شاید اس طرح خدا آپ کے خلاف جنگ سے مجھے بچالے۔

«حر» نے آخر میں یہ بھی کہا کہ: اِنِّیْ اُذْکُرُکَ اللّٰہَ فِیْ نَفْسِکَ فَاِنِّیْ اَشْہَدُ لَکَ قَاتَلْتَ لِتُقْتَلَ (میں آپ کو خبردار کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ نے جنگ کا ارادہ کیا تو آپ یقیناً مارے جائیں گے۔)

جب «حر» کی گفتگو یہاں تک پہنچی اور امام نے ان کی یہ دھمکی سنی تو جواب میں فرمایا:

«اَبِالْمَوْتِ تُخَوِّفُنِیْ کیا مجھے موت سے ڈرانا چاہتے ہو، کیا مجھے

قتل کرنے کے علاوہ تم کچھ اور کر سکتے ہو؟ میں تمہارے جواب میں وہی چند شعر پڑھوں گا جو ((اوس)) سے تعلق رکھنے والے مومن بھائی نے اپنے چچا زاد بھائی سے کہے تھے جب اس نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد کا ارادہ کیا تھا اور اس کے چچا زاد نے اس کے اس عمل کی مخالفت کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ: میں موت کا انتخاب کروں گا کیونکہ اگر کوئی جوان دین اسلام اور مقدس مقاصد پر ایمان رکھتا ہو تو پھر موت اس کے لئے کوئی ذلت کی بات نہیں ہے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ اپنی جان قربان کر کے ظالموں اور ستمگروں کی مخالفت کرے اور اللہ کے دشمنوں سے دوری اختیار کرے۔ اور میں خود اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں اور ہرگز نہیں چاہتا کہ زندہ رہوں کیونکہ مجھے ایک سخت جنگ میں ایک بڑے دشمن کا سامنا کرنا ہے۔ اب اگر زندہ رہا تو نادم نہیں ہوں گا اور اگر مر گیا تو مجھے کوئی غم نہ ہو گا اور تمہارے لئے یہی بے عزتی کافی ہے کہ ایسی ذلت آمیز زندگی گزارو۔))

((حر)) امام کا یہ اٹل جواب سننے کے بعد غصے اور طیش کے عالم میں وہاں سے ہٹ گئے۔ ((ادب الحسین)) میں لکھا ہے کہ یہ اشعار امام کو بہت پسند تھے۔ لہذا عراق کے راستے میں آپ نے کئی مرتبہ یہ اشعار پڑھے اور مختلف موقعوں پر انہیں دہراتے رہے۔ امام کا یہ اشعار پڑھنا اور انہیں بار بار دہرانا بخوبی واضح کرتا ہے کہ اس سفر سے امام کا بنیادی مقصد اپنے دین اور اپنے نانا کے آئین کی نصرت اسلام کی راہ میں جہاد قرآنی دستور و قوانین کا دفاع اور اس کے احکام کو زوال اور اضمحلال سے محفوظ رکھنا تھا۔ یہ جہاد اہم ترین الہی فریضہ اور رسول کریم کی سنت حسنہ کی پیروی ہے۔ اور آپ اس راہ میں اپنا مقام و حیثیت فدا کرنے حتیٰ اپنی اور اپنے عزیزوں کی جاں نثار کرنے پر بھی آمادہ تھے۔

جی ہاں کسی کا بھی ان مقاصد کے لئے جہاد کرنا اور مارا جانا ذلت اور ملامت کا باعث

نہیں۔ اسکے برعکس اگر کوئی اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور ان مقاصد کے حصول کے لئے میدان
مبارزہ و جہاد میں قدم نہ رکھے تو جب تک وہ زندہ ہے ملامت اور مذمت کا مستحق ہوگا۔ (۱)



بیضہ کے مقام پر

«أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
 قَالَ مَنْ رَأَى سُلْطَانًا جَائِرًا مُسْتَحِلًّا لِحَرَامِ اللَّهِ نَاكِثًا
 عَهْدَهُ مُخَالِفًا لِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ تَعْمَلُ فِي عِبَادِ اللَّهِ بِأَلَا ثُمَّ
 وَالْعُدُوَّانِ فَلَمْ يُغَيِّرْ عَلَيْهِ بِفِعْلٍ وَلَا قَوْلٍ كَانَ حَقًّا عَلَى
 اللَّهِ أَنْ يَدْخُلَهُ مَدْخَلُهُ أَلَا وَإِنَّ هَؤُلَاءِ قَدْ لَزِمُوا طَاعَةَ
 الشَّيْطَانِ وَتَرَكُوا طَاعَةَ الرَّحْمَنِ وَأَظْهَرُوا الْفَسَادَ
 وَعَظَّلُوا الْحُدُودَ وَاسْتَأْثَرُوا بِالْفِئَةِ وَأَحْلَوْا حَرَامَ اللَّهِ
 وَحَرَّمُوا حَلَالَهُ وَأَنَا أَحَقُّ مِمَّنْ غَيَّرَ وَقَدْ أَتَنَى كُتُبَكُمْ
 وَقَدِمْتُ عَلَى رُسُلِكُمْ بَيِّعْتَكُمْ أَنْكُمْ لَا تُسَلِّمُونِي وَلَا
 تَحْدِلُونِي فَإِنْ أَتَمَّمْتُمْ عَلَى بَيِّعَتِكُمْ تُصِيبُوا رُشْدَكُمْ
 فَإِنَّا الْحَسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ وَابْنُ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ نَفْسِي
 مَعَ أَنْفُسِكُمْ وَأَهْلِي مَعَ أَهْلِكُمْ وَلَكُمْ فِي أُسُوءَةٍ وَإِنْ لَمْ
 تَفْعَلُوا وَنَقَضْتُمْ عَهْدَكُمْ وَخَلَفْتُمْ بَيِّعَتِي مِنْ أَعْنَاقِكُمْ مَا
 هِيَ لَكُمْ بِنُكْرٍ لَقَدْ فَعَلْتُمُوهَا يَا بِي وَآخِي وَابْنِ عَمِّي

مُسْلِمٍ فَالْمَغْرُورُ مَنْ اغْتَرَّ بِكُمْ فَحَظَّكُمْ أَخْطَأْتُمْ
وَنَصِيبَكُمْ ضَيَّعْتُمْ وَمَنْ نَكَتْ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ
وَسَيُغْنِي اللَّهُ عَنْكُمْ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ
وَبَرَكَاتُهُ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

نکث عہد: وعدہ خلافی۔ مدخل (میم پر زبر): داخل ہونے کی جگہ۔ یہاں اس سے مراد وہ عذاب ہے جس میں ظالم و جابر حاکم کو مبتلا کیا جائے گا۔ استیشار: اپنے لئے مخصوص کرنا۔ فیء: وہ مال و دولت اور حقوق جو صرف خاندان پیغمبر کے لئے مختص ہیں۔ احق: زیادہ مستحق ہونا۔ تسلّمونی (سَلَمَہ سے): ترک کر دینا۔ رشد: کامیابی، خوش قسمتی۔ اُسْوۃ: نمونہ عمل، پیشرو۔ نُکِر: نیا کام جواب تک نہ کیا گیا ہو۔ مغرور: جس نے دھوکہ کھایا ہو۔

ترجمہ اور تشریح

«شراف» کے مقام سے چلنے کے بعد امام حسین علیہ السلام اور حرا بن یزید ریاحی کے قافلے ایک دوسرے کے متوازی نزدیک نزدیک چلتے رہے اور جہاں کہیں پانی ہوتا اور آرام کر لینا ممکن نظر آتا وہاں دونوں قافلے ایک ساتھ پڑاؤ کر لیتے۔

ایسے ہی مقامات میں سے ایک «بیضہ» کا مقام تھا جہاں ایک مرتبہ پھر امام کو «لشکرِ حر» سے خطاب اس کے سامنے حقائق کے بیان اور اپنی جدوجہد کے علل و اسباب کی تشریح

۱- تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۳۰۰، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۸۰، خوارزمی - ج ۱ - ص ۲۳۴، انساب

الاشراف - ج ۴ - ص ۱۷۱۔

کا موقع ملا۔ امامؑ نے اپنے اس خطاب (۱) میں فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ..... اے لوگو! رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ: اگر کوئی شخص کسی ظالم حاکم کو دیکھے جو اللہ کے حرام کئے ہوئے کو حلال بنا رہا ہو، خدا سے کئے ہوئے عہد و پیمان توڑ رہا ہو، رسول کی سنت کی مخالفت کرتا ہو اور اللہ کے بندوں کے ساتھ ظلم و ستم سے پیش آتا ہو اور (یہ شخص) ایسے حاکم کو دیکھنے کے باوجود اپنے عمل یا اپنے قول سے اس کی مخالفت نہ کرے تو اللہ کو حق ہے کہ اس (خاموش اور بے عمل) شخص کو اسی ظالم کے ہمراہ عذاب میں مبتلا کرے۔

اے لوگو! جان لو کہ ان لوگوں (بنی امیہ) نے شیطان کی اطاعت اختیار کر لی ہے اور رحمن کی اطاعت کو ترک کر دیا ہے، فتنہ و فساد کو رواج دیا ہے اور اللہ کی حدود (احکام الہی) کو معطل کر دیا ہے۔ (خاندان نبوت سے مختص) مال کو اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے اللہ کی طرف سے کئے گئے حرام کو حلال میں اور اللہ کی طرف سے قرار دیئے گئے حلال کو حرام میں تبدیل کر دیا ہے اور میں (ان) مفسدوں کے مقابلے میں اسلامی معاشرے کی رہبری کا) زیادہ حقدار ہوں۔ ان حالات میں مجھ تک پہنچنے والے تمہارے خطوط کا مضمون اور تمہارے قاصدوں کا پیغام یہ تھا کہ تم لوگوں نے اس بات پر میری بیعت کی ہے کہ نہ تم

۱۔ خطیب خوارزمی کے مطابق امامؑ نے یہ باتیں کسی تقریر میں نہیں فرمائیں بلکہ انہیں کربلا تشریف آوری کے بعد کوفہ کے سرداروں اور سرکردہ شخصیات کے نام ارسال کئے گئے ایک خط میں تحریر فرمایا تھا۔

ہمارے خیال میں ان باتوں کی اہمیت کے پیش نظر ممکن ہے امامؑ نے انہیں دونوں طریقوں سے ارشاد

فرمایا ہو، یعنی تقریر میں بھی کہا ہو اور خط میں بھی تحریر کیا ہو۔

مجھے تنہا چھوڑ دے اور نہ مجھ سے بے وفائی کرو گے۔ اب اگر تم اپنی بیعت پر قائم رہے، تو کامیابی اور ہدایت حاصل کرو گے۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ میں حسین ابن علی فرزندِ فاطمہ بنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں۔ میری جان تمہاری جان کے ساتھ اور میرے اہل و عیال تمہارے اہل و عیال کے ہمراہ ہیں (ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی دوئی نہیں) میں تمہارے لئے نمونہ عمل ہوں۔ اب اگر تم نے مجھ سے کئے جانے والے اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیا اور میری بیعت سے انکار کیا تو یہ تم کوئی نئی بات نہیں کرو گے۔ تم میرے والد میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے مسلم بن عقیل کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو۔ جس نے تم پر بھروسہ کیا، اس نے دھوکہ کھایا۔ یاد رکھو کہ تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہے اور اپنے ہی حصے کو ضائع کیا ہے۔ جو کوئی وعدہ خلافی کرتا ہے وہ خود اپنے آپ ہی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اللہ جلد ہی مجھے تم لوگوں سے بے نیاز کر دے گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔»

ایک بار پھر جدوجہد کے اسباب کا بیان

امام حسینؑ نے اپنی اس تقریر میں اسلام کے طاقتور اور ظالم دشمن بنی امیہ کے جرائم اور خرابیوں کو نہایت جرأت کے ساتھ طشت از بام کیا، ان کے اعمال اور کردار کا اپنی دینی حیثیت اور قائدانہ ذمے داریوں سے موازنہ کیا اور رسول اکرمؐ کے قول کا سہارا لیتے ہوئے ایک بار پھر اپنی جدوجہد کے علل و اسباب بیان فرمائے اور اموی حکومت کے خلاف جدوجہد کا اعلان کیا جو ایک فریضے اور ذمے داری کے بطور آپؐ پر واجب تھی۔ آپؐ نے بتایا کہ اموی حکومت نے اسلام کو اپنی خواہشات کے حصول کا ذریعہ بنالیا ہے۔ وہ قرآن کریم اور سنت نبویؐ میں تحریف اور تبدیلی کی مرتکب ہو رہی ہے۔

یہ وہی اسباب ہیں جن کا تذکرہ آپؐ نے مدینہ سے روانگی کے وقت اپنے وصیت نامے میں کیا ہے اور وہی مقصد ہے جسے آپؐ نے اپنے بھائی محمد ابن حنفیہ کے سامنے بیان فرمایا تھا کہ میری جدوجہد کا بنیادی سبب یہ ہے کہ معاشرے میں ظلم و فساد پھیل رہا ہے اور اسلام کے قوانین تبدیل کئے جا رہے ہیں۔ میرے اس اقدام کا مقصد بس یہی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا جائے اور اسلامی قوانین پر عمل کیا جائے، جنہیں یا بھلا دیا گیا ہے یا تبدیل کر دیا گیا ہے: اُرِيدُ أَنْ أَمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَأَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَسِيرُ بِسِيرَةِ جَدِّي..... اور اب یہاں پھر فرما رہے ہیں کہ: مَنْ رَأَى سُلْطَانًا جَائِرًا..... فَلَمْ يُغَيِّرْ عَلَيْهِ بِفَعْلٍ..... كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يُدْخِلَهُ مَدْخَلَهُ.....»

یہی امام حسینؑ کی جدوجہد کا بنیادی مقصد ہے جسے خود آپؐ نے اپنی زبان سے بیان فرمایا ہے۔

قرآن کریم بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل نہ کرنے کو گزشتہ اقوام کے زوال و انحطاط اور انبیا کے لائے ہوئے قوانین کی نابودی کا بنیادی سبب قرار دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ: فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ. (تو تم سے پہلے کے زمانوں اور نسلوں میں ایسے صاحبان عقل کیوں نہ پیدا ہوئے جو لوگوں کو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے۔ سورہ ہود ۱۱- آیت ۱۱۶)

گواہی یا اعتراف حقیقت

زیارت امام حسینؑ میں ہم پڑھتے ہیں: أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ أَقَمْتَ الصَّلَاةَ وَآتَيْتَ الزَّكَاةَ وَآمَرْتَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَيْتَ عَنِ الْمُنْكَرِ. (میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے نماز قائم کی، زکات ادا کی، نیکیوں کا حکم دیا اور برائیوں سے روکا)۔ یہاں یقیناً شہادت سے مراد اسکا جانا پہچانا مفہوم یعنی گواہی دینا اور کسی مادی اور حقوقی موضوع کو ثابت کرنا

نہیں بلکہ ایک مقدس ہدف اور معنوی محرک کی بنیاد پر ایک معنوی حقیقت کا بیان اور ایک واقعیت کا اعتراف ہے۔

اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ میں یہ بات سمجھتا ہوں اور اس حقیقت کو جانتا اور محسوس کرتا ہوں کہ حسین ابن علیؑ آپ کی تحریک اور قیام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے تھی، نہ کہ اہل کوفہ کے بلاوے یا دوسرے اسباب کی بنا پر۔ اور اگر اس سلسلے میں کوئی اور سبب تھا بھی اور کوئی کوشش ہوئی بھی تھی تو یہ سب ایک عظیم مقصد اور اس ہدف تک پہنچنے کے لئے مقدمات کی حیثیت رکھتے تھے کہ: **وَجَاهَدْتَ فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ**۔ (اور اللہ کی راہ میں ایسا جہاد کیا جیسا جہاد کا حق تھا۔ ماخوذ از زیارت امام حسینؑ در حرم امیر المومنینؑ)

کیا امام حسینؑ نے امر بالمعروف کی شرائط کو مد نظر نہیں رکھا؟

جیسا کہ ہم نے اس کتاب کی ابتدا میں اشارہ کیا تھا کہ سید الشہد اعلیہ السلام کی تحریک کے حوالے سے ایک سوال یہ بھی پیش آتا ہے کہ فقہاء اور علمائے اسلام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے ایک شرط یہ بھی رکھتے ہیں کہ اس پر عمل کی صورت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے شخص کو کسی خطرے کا سامنا نہ کرنا پڑے، لیکن امام حسینؑ نے اپنے قیام میں (جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے انجام پایا تھا) اس شرط کو مد نظر نہیں رکھا اور آپؑ نے اس راہ میں بڑے بڑے خطرات (جیسے اپنی اور اپنے اصحاب کی دردناک شہادت اور خواتین اور بچوں کی غم انگیز اسیری) کو قبول کیا۔ جبکہ ہم جانتے ہیں کہ فقہی احکام درحقیقت نبی اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ کے قول و فعل ہی سے ماخوذ ہوتے ہیں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ شرط ایک کلی اور عمومی شرط ہے اور خاص اور استثنائی حالات میں اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس نکتے کی وضاحت کے لئے درج ذیل دو موضوعات پر توجہ اور ان کا جائزہ لینا ضروری ہے:

۱۔ گناہگار کی حیثیت اور اس کا مقام۔

۲۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کی حیثیت اور اس کا مقام۔

اول :- اگر گناہ اور اللہ کے احکام کی مخالفت کا مرتکب ایسا شخص ہو جو سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے ایسے مقام کا حامل ہے کہ اس کا فعل لوگوں کے لئے نمونہ عمل اور نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے اور یوں اس کا طرز عمل معاشرے میں ایک بدعت کی صورت رائج ہو جائے گا۔ تو ایسی صورت میں کسی بھی باشعور اور دیندار مسلمان کا خاموش رہنا ناقابل معافی گناہ ہے۔ اور ایسے مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ چاہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کی وجہ سے اسے جانی اور مالی نقصان ہی کیوں نہ برداشت کرنا پڑے، پھر بھی اسکے خلاف اٹھ کھڑا ہو اور اس گناہ کی روک تھام کی حتیٰ الامکان کوشش کرے جو معاشرے میں بدعت کی شکل اختیار کر رہا ہے اور اس گناہ کے مرتکب شخص کی سرکوبی کرے۔

لیکن اگر حالات اسے اس حد تک اجازت نہ دیں تو کم از کم اپنے قول سے اس عمل کی مخالفت کا اظہار کرے اور اس موقع پر یہ خیال دل میں نہ لائے کہ کہیں اس کی بات غیر موثر تو نہیں رہے گی یا اسے نقصان کا سامنا تو نہیں کرنا پڑے گا؟

ظالموں اور بدعت گزاروں کے مقابل امیر المومنین حضرت علیؑ کے کچھ خاص اصحاب کا رویہ اس بات پر واضح دلیل فراہم کرتا ہے۔ میثم تمارؓ، حجر بن عدیؓ، ابوذر غفاریؓ اور ان جیسے دیگر دسیوں دیندار اور مکتب تشیع کے پروردہ افراد نے نہ صرف اصل اسلام اور نظام امامت و ولایت کا دفاع کیا، اسلام کے سچے اور سیدھے راستے کے بالمقابل پیش کئے جانے والے جھوٹے اور انحرافی افکار کا مقابلہ کیا بلکہ بعض اوقات کسی چھوٹے سے انحراف اور بظاہر کم اہمیت اور معمولی سے اسلامی حکم کے تحفظ کی خاطر اپنی اور اپنی آل اولاد کی جان و مال کو قربان کر دیا۔

دوم :- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے فرد کی شخصیت کو مد نظر رکھنا بھی ضروری

ہے۔ وہ لوگ جو مذہب کے بانی اور رسالت اور احکام الہی کی تبلیغ کے ذمے دار ہیں، یعنی انبیاء علیہم السلام اور اسی طرح وہ ہستیاں جو ان احکام کی محافظ (علتِ مبقیہ) اور پاسدار قوت ہیں، یعنی ائمہ ہدیٰ علیہم السلام، مذہبی پیشوا اور ان کے جانشین جن پر احکام و قوانین الہی کے بارے میں خاص ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں، ان پر سوال میں مذکور فقہی مسئلہ اور اسکی شرائط لاگو نہیں ہوتیں۔

بالفاظ دیگر زیر بحث فقہی حکم کا تعلق عام افراد سے ہے لیکن انبیاء، اولیا اور اسلام کے سچے محافظوں کی ذمے داریاں ان عمومی ذمے داریوں سے بلند تر اور ان سے کہیں زیادہ سخت اور حساس ہیں۔

اگر تمام انبیاء علیہم السلام اپنے فرائض اور ذمے داریوں کی ادائیگی کے دوران انہی شرائط کو سامنے رکھتے جو عام لوگوں کے لئے مقرر کی گئی ہیں، تو نہ تو ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان کوئی جنگ ہوتی اور نہ روئے زمین پر احکام و تعلیمات الہی کا نام و نشان دکھائی دیتا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کے خلاف اپنی جدوجہد کا آغاز کیا اور انسانوں کے ایک سیلاب اور اس زمانے کی مقتدر حکومتوں کے سامنے کھڑے ہوئے اور بتوں کو پاش پاش کیا، تو اس موقع پر وہ کسی خوف و خطر کو خاطر میں نہ لائے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام اگرچہ خود صاحبِ شریعت و کتاب نہ تھے بلکہ خدا کی طرف سے انہیں گزشتہ شریعتوں کی حفاظت کی ذمے داری سونپی گئی تھی، آپؑ نے اپنے زمانے کے طاغوت کی ایک خلافِ شریعت شادی کے مسئلے پر اسکی مخالفت کی اور اس حد تک یہ پیکار جاری رکھی کہ ان کا سر اقدس ایک تھال میں سجا کر اس ظالم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ کربلا کے راستے میں امام حسین علیہ السلام بار بار اس واقعے کا تذکرہ کرتے تھے اور فرماتے تھے: اِنَّ رَاسَ یَحْیٰی بْنِ زَكَرِیَّا اُھْدِیْ اِلَیْ بَغِیَا بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ..... (یحییٰ ابن زکریا کا سر بنی اسرائیل کے ایک ظالم کو تحفے میں دیا گیا تھا۔)

چنانچہ پیغامِ وحی کے محافظوں اور قافلہ سالارانِ شریعت کی ذمے داریاں عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہیں۔

کفر آمیز خاموشی

یہ وہی حقیقت ہے جسے امیر المومنینؑ نے جنگِ صفین میں اس وقت بیان کیا جب شامیوں میں سے ایک معمر شخص دونوں صفوں کے درمیان نمودار ہوا اور آواز دی کہ اے ابوالحسن! اے علی! مجھے آپ سے کام ہے اور میں براہِ راست آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت علیؑ اپنے لشکر کی صفوں سے باہر تشریف لائے اور جب اس کے نزدیک پہنچے تو شامی نے کہا: اے علی! آپ کا اور اسلام کا دیرینہ ساتھ ہے اور آپ نے اسکے لئے شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ کیا آپ میری ایک تجویز قبول کریں گے تاکہ مسلمانوں کا خون بہنے سے بچ جائے؟

امیر المومنینؑ نے فرمایا: کہو تمہاری تجویز کیا ہے؟

اس نے کہا: آپ عراق واپس چلے جائیے اور وہاں رہئے اور ہم شام واپس چلے جاتے ہیں اور وہاں رہتے ہیں۔ نہ آپ ہمارے مزاحم ہوں نہ ہم آپ کے مزاحم۔

امیر المومنینؑ نے اس کے جواب میں فرمایا: تم نے ہمدردی اور حسن نیت کے ساتھ جو تجویز پیش کی ہے وہ میں نے سمجھ لی ہے۔ اس جنگ کے بارے میں میں نے بھی بہت غور و فکر کیا ہے راتوں کو جاگ جاگ کر ہر طرح سے اسکا جائزہ لیا ہے۔ آخر کار مجھے دو ہی راستے نظر آئے ہیں یا تو جنگ یا کفر۔ اور میں نے جنگ کو کفر پر ترجیح دی ہے۔ کیونکہ اگر زمین پر اللہ کی معصیت ہو اور اللہ کے اوصیا خاموش رہیں، انہی حالات پر مطمئن رہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کریں تو اللہ کبھی ان سے راضی اور خوشنود نہیں ہوگا لہذا میں نے دیکھا کہ ان (بنی امیہ) سے جنگ کرنا جہنم کی زنجیریں برداشت کرنے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔ (۱)

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا، امیر المومنینؑ گناہ دیکھ کر خاموش رہنے کو اپنے لئے ایک
عظیم گناہ یہاں تک کہ کفر کے برابر قرار دے رہے ہیں اور اللہ کی معصیت کے مقابلے میں
اولیائے الہی کی خاموشی کو اللہ کی ناراضگی اور عذاب کا سبب بتا رہے ہیں۔



۳۶

ابوہرم کے جواب میں

«يَا أَبَا هَرَمٍ إِنَّ بَنِي أُمَيَّةَ شَتَمُوا عِرْضِي فَصَبَرْتُ
وَأَخَذُوا مَالِي فَصَبَرْتُ وَطَلَبُوا دَمِي فَهَرَبْتُ وَأَيْمُ اللَّهِ
لَيَقْتُلُونِي فَيَلْبِسُهُمُ اللَّهُ ذُلًّا شَامِلًا وَسِيفًا قَاطِعًا وَيُسَلِّطُ
عَلَيْهِمْ مَنْ يُذِلُّهُمْ حَتَّى يَكُونُوا أَذَلَّ مِنْ قَوْمِ سَبَأٍ إِذْ
مَلَكَتْهُمْ امْرَأَةٌ فَحَكَمَتْ فِي أَمْوَالِهِمْ وَدِمَائِهِمْ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

شتم : برا بھلا کہنا، گالیاں دینا۔ عِرْض : عزت و آبرو۔ هَرَب : فرار کرنا۔ ذُل (ذپریش) ذلت و خواری۔ شامل : چھا جانا، کہا جاتا ہے شَمِلَهُ : یعنی اس پر چھا گیا۔

ترجمہ اور تشریح

«رہیمہ» کے مقام پر کوفہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص «ابوہرم» (۲) امام کی خدمت

۱۔ مقتل خوارزمی ج ۱۔ ص ۲۲۶، لہوف۔ ص ۶۲، مشیر الاحزان از ابن نما۔ ص ۳۶۔

۲۔ بعض کتب میں، جیسا کہ مقتل خوارزمی کے ایک نسخے میں اس شخص کا نام «ابوہرہ» آیا ہے جو بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے۔

میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یَا ابْنَ رَسُولِ اللّٰهِ الَّذِیْ اَخْرَجَكَ عَنْ حَرَمِ جَدِّكَ
(اے فرزند رسول! کس چیز نے آپ کو اپنے جد کا حرم چھوڑنے پر مجبور کیا؟)

امامؑ نے فرمایا:

«یَا اَبَا هِرَمٍ! اِنَّ بَنِیْ اُمَیَّہَ اے ابوہرم! بنی امیہ نے مجھے برا بھلا کہا»
میں نے صبر کیا، میرے اموال کو غصب کیا، میں نے صبر کیا، لیکن جب انہوں
نے میرا خون بہانا چاہا تو میں نے مدینہ چھوڑ دیا، خدا کی قسم یہ (بنی امیہ) مجھے
قتل کر دیں گے۔ پھر خدا انہیں ذلت و خواری اور قتل و غارت گری میں مبتلا کر
دے گا اور ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو انہیں پستی اور ذلت سے
دوچار کر دیں گے، یہاں تک کہ یہ لوگ قوم سبا سے بھی زیادہ ذلت و خواری کا
شکار ہو جائیں گے، جن کے جان و مال پر ایک عورت حکومت کیا کرتی تھی۔»

نتیجہ: امامؑ نے مختلف افراد سے جو گفتگوئیں کیں، وہ آپؑ کے عام خطبات کے برخلاف بہت
مختصر اور انتہائی جامع ہوا کرتی تھیں، (ابوہرم) کو جو جواب آپؑ نے دیا، وہ ایسا ہی ہے۔ امامؑ
نے اختصار کے باوجود بنی امیہ کے اعمال و کردار کی تشریح کرتے ہوئے، دو امور کی جانب توجہ
دلائی، یاد و مسائل کی پیش گوئی فرمائی۔ ایک اپنی شہادت کی اور دوسرے بنی امیہ کے زوال اور
ان کے ذلیل و رسوا ہونے کی۔

امامؑ کا یہ جواب اس امر پر ایک اور دلیل ہے کہ آپؑ نے شہادت کا راستہ مکمل علم و آگہی
کے ساتھ اختیار کیا تھا اور جو کچھ مستقبل میں پیش آیا امامؑ اس کے بارے میں قطعی اور یقینی طور پر
پہلے ہی سے آگاہ فرما رہے تھے۔



طراح بن عدی اور اسکے ساتھیوں کے جواب میں

«أَمَّا وَاللَّهِ إِنِّي لَا رَجُو أَنْ يَكُونَ خَيْرًا مَا أَرَادَ اللَّهُ بِنَا قَتْلَنَا أَمْ ظَفَرْنَا .

.... فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا
تَبْدِيلًا. اللَّهُمَّ اجْعَلْ لَنَا وَلَهُمُ الْجَنَّةَ وَاجْمَعْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ
فِي مُسْتَقَرٍّ مِنْ رَحْمَتِكَ وَرَغَائِبِ مَذْخُورِ ثَوَابِكَ.
..... إِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ عَهْدًا وَمِيثَاقًا وَلَسْنَا نَقْدِرُ
عَلَى الْإِنصِرَافِ حَتَّى تَتَصَرَّفَ بِنَا وَبِهِمُ الْأُمُورُ فِي
عَاقِبَةٍ.»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

قَتْلَنَا (فعل مجہول ہے): ہم مارے جائیں گے۔ ظَفَر: کامیابی۔ قَضَىٰ نَحْبَهُ
قضاء: کسی کام کو انجام دینا اور اختتام تک پہنچانا۔ نَحْب: وعدہ معاہدہ اللہ کی راہ میں مارے
جانے کو بھی نَحْب کہتے ہیں کیونکہ شہید خود کو پابند کرتا ہے کہ اپنی جان کی قربانی تک جدوجہد
کرے گا اور یوں گویا اپنی شہادت کے ذریعے اللہ کے ساتھ کئے گئے اپنے وعدے کو پورا کرتا

ہے۔ مُسْتَقَرّ: ٹھہرنے کی جگہ۔ رَغَائِب (رَغْبَة کی جمع): کوئی ایسی چیز جسے پسند کیا جائے اور جس کی طرف مائل ہو جائے اور کوئی ایسی چیز جسکے نتیجے میں ثواب اور اجرِ عظیم کی توقع ہو۔ مَذْخُور: جسے ذخیرہ کیا گیا ہو۔ عَہْد و مِثَاق: معاہدہ۔

ترجمہ اور تشریح

«طبری» کہتا ہے کہ (۱) «طرماح بن عدی» کے ساتھ چار افراد جن کے نام عمرو بن خالد، سعد، مجمع اور نافع بن ہلال تھے کوفہ سے روانہ ہوئے اور «عذیب الہجانات» کے مقام پر امام حسینؑ کے قافلے سے ملے۔ یہاں امامؑ سے گفتگو کرتے ہوئے «طرماح» کے ساتھیوں نے عرض کیا: اے فرزند رسول! «طرماح» سارے راستے ان چند اشعار کی تکرار کرتا رہا ہے اور اونٹ کو ہکانے کے لئے آواز نکالنے کی بجائے بھی انہی اشعار کو دہراتا رہا ہے۔

يَا نَاقَتِي لَا تَدْعُرِي مِنْ زَجْرِي وَشَمْرِي قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ
بِخَيْرِ رُكْبَانٍ وَخَيْرِ سَفَرٍ حَتَّى تُحَلِّيَ بِكَرِيمِ الْخَبَرِ
الْمَاجِدِ الْحُرِّ رَحِيبِ الصَّدْرِ أَتَى بِهِ اللَّهُ لِيُخَيِّرَ أَمْرَ

ثُمَّ أَبْقَاهُ بَقَاءَ الدَّهْرِ (۲)

«اے میرے اونٹ میرے سختی کرنے سے پریشان نہ ہو اور صبح ہونے سے پہلے تیزی سے مجھے لے چل۔ تیرا سوار بہت اچھا ہے اور یہ سفر بھی بہترین سفر ہے۔ بس اب تو مجھے اس شخص تک پہنچادے جس کی سرشت میں بھلائی اور بزرگواری ہے۔ وہ عظیم، آزاد، بیباک اور وسیع القلب ہے اور خدا نے بہترین

۱- تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۳۰۴۔

۲- انساب الاشراف - ج ۳ - ص ۱۷۲۔ ان اشعار کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ مزید اطلاع کے لئے مقتل خوارزمی، مشیر الاحزان، کامل الزیارات اور نفس المہموم سے رجوع کیجئے۔

کام کے لئے اسے یہاں بھیجا ہے۔ بارِ الہا تا ابد اس کی حفاظت فرما۔»
 جب امام کے حضور امام کے لئے محبت و عقیدت کے اظہار پر مشتمل «طرماح» کے یہ
 اشعار پڑھے گئے تو امام نے ان کے جواب میں فرمایا:

«أَمَّا وَاللَّهِ إِنِّي لَا رَجُو أَنْ يَكُونَ خَيْرًا..... خدا کی قسم ہمیں امید ہے
 کہ ہمارے بارے میں خدا کا ارادہ خیر پر مبنی ہوگا، خواہ ہم مارے جائیں یا
 کامیاب ہوں۔»

اس کے بعد امام نے ان لوگوں سے اہل کوفہ کے خیالات کی بابت سوال کیا۔ ان لوگوں
 نے عرض کیا: اے فرزند رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کوفہ کے بڑے بڑے لوگوں اور
 سرداروں کو ابن زیاد کی طرف سے بھاری رشوتیں ملی ہیں اور باقی لوگوں کے دل آپ کے ہمراہ
 لیکن تلواریں آپ کے خلاف ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے امام کے قاصد قیس بن مسہر صیداوی
 کے مارے جانے کی خبر امام کو دی۔ امام نے یہ افسوسناک خبر سننے کے بعد اس آیت کریمہ کی
 تلاوت فرمائی: فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (کچھ
 نے اپنے وعدوں کو پورا کر دیا اور کچھ اسکے منتظر ہیں اور انہوں نے اپنے وعدے میں کوئی تبدیلی
 نہیں کی ہے۔ سورہ احزاب ۳۳- آیت ۲۳)۔ پھر امام نے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

«اللَّهُمَّ اجْعَلْ لَنَا وَلَهُمُ الْجَنَّةَ..... اے اللہ! ہمیں اور انہیں جنت

عنایت فرما اور ہمیں اور ان کو اپنے جوارِ رحمت میں اکٹھا کرتے ہوئے اپنا
 ذخیرہ شدہ بہترین ثواب عطا فرما۔»

اس کے بعد «طرماح» نے گفتگو کا آغاز کیا اور کہا: اے فرزند رسول! میں نے کوفہ سے
 نکلتے وقت بیرون شہر لوگوں کا ایک جمع غفیر دیکھا۔ جب میں نے ان کے اکٹھا ہونے کا سبب
 دریافت کیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ حسین ابن علی سے مقابلے اور ان سے جنگ کی تیاری کر

رہے ہیں۔ اے فرزندِ رسول! آپ کو خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ اس سفر سے پلٹ جائیے کیونکہ مجھے امید نہیں ہے کہ کوفہ کا ایک آدمی بھی آپ کی مدد کے لئے آئے گا اور حتیٰ اگر صرف وہی لوگ آپ سے جنگ کے لئے آجائیں جنہیں میں دیکھ کے آیا ہوں تو وہی آپ کو شکست دینے کے لئے کافی ہونگے۔ جبکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی طاقت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

پھر »طرماح« نے مشورہ دیتے ہوئے کہا: اے فرزندِ رسول! میرا خیال ہے کہ آپ اور آپ کے ہمراہ میں بھی »احبا« کے علاقے کی طرف چلتے ہیں جو ہمارے قبیلے »بنی طی« کا مسکن ہے اور بلند و بالہ پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے۔ یہ علاقہ اس قدر محفوظ اور دشمن کے تعرض سے دور ہے کہ ہمارے قبیلے نے یہاں رہتے ہوئے »سلاطینِ عسان« اور دوسرے تمام حملہ آوروں کا مقابلہ کیا ہے۔ اور خاص جغرافیائی حالت کی وجہ سے کوئی دشمن کبھی ہمارے علاقے تک نہیں پہنچ پایا ہے۔ جغرافیائی اہمیت کے علاوہ اگر آپ دس دن اس علاقے میں قیام فرمائیں تو قبیلہ »طی« کے تمام افراد سوار اور پیادوں کی صورت میں آپ کی مدد کو آجائیں گے اور خود میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے قبیلے کے بیس ہزار شمشیر بکف بہادر آپ کی مدد کو تیار کروں گا جو آپ کے مقاصد اور پروگرام کی تکمیل کے لئے آپ سے پیش پیش آپ کے دشمنوں سے لڑیں گے۔

امام نے »طرماح« کی اس پیشکش کے جواب میں فرمایا: خدا تمہیں اور تمہارے قبیلے کے افراد کو جزائے خیر دے۔

پھر یوں گویا ہوئے:

»إِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ عَهْدًا وَمِيثَاقًا..... ہمارے اور اس قوم کے

درمیان عہد و پیمان ہو چکا ہے اور اس کی موجودگی میں ہمارے لئے واپس پلٹنا

ممکن نہیں ہے۔ اب دیکھتے ہیں انجام کیا ہوتا ہے۔»

«طرماح» نے جب امامؑ کے اہل ارادوں کو دیکھا تو آپؑ سے رخصت کی اجازت چاہی تاکہ یہاں سے جا کے پہلے کچھ ضروریاتِ زندگی کا سامان جو اس نے فراہم کیا ہوا تھا کوفہ میں اپنے گھر والوں کو پہنچا دے اور پھر جتنی جلدی ممکن ہو واپس آ کر امامؑ کی مدد کے لئے آپؑ سے ملحق ہو جائے۔

امامؑ نے انہیں اجازت دے دی۔ «طرماح» اپنے اہل خانہ سے ملنے کے بعد انتہائی تیزی سے واپس پلٹے لیکن کر بلا پہنچنے سے پہلے ہی انہیں امامؑ اور ان کے اصحاب کی شہادت کی خبر مل گئی۔

انسانی اقدار کی ترویج

حسین ابن علیؑ کے دوسرے خطبوں اور تقریروں کی طرح اس گفتگو میں بھی چند انتہائی حساس اور قابلِ توجہ نکات موجود ہیں۔ ہم یہاں ان میں سے صرف ایک نکتے کی جانب اشارہ کر رہے ہیں۔

میدانِ جنگ میں قدم رکھنے والا اور دشمن کے سامنے کھڑا ہونے والا ہر شخص اپنی کامیابی اور دشمن کی کمزوری کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔ امام حسینؑ بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں۔ لیکن امامؑ کی نظر میں شکست اور کامیابی کا معیار کچھ اور ہے اور وہ اتنا مختلف ہے کہ عام آدمی کے لئے اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ امام حسین علیہ السلام کی جدوجہد کے سلسلے میں کی جانے والی مختلف بلکہ کبھی کبھی متضاد تفسیریں اسی بنا پر اور آپؑ کے جہاد کے مختلف پہلوؤں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے کی گئی ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کی نظر میں اپنے الہی فریضے کی ادائیگی شرعی ذمہ داری کی انجام دہی اور انسانی اقدار پر ثابت قدمی کامیابی ہے، چاہے اس راہ میں وہ ظاہری فتح بھی حاصل ہو

جائے جو تمام جنگوں اور مقابلوں میں مد نظر ہوتی ہے یا حاصل نہ ہو سکے۔

لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ جب «طرماح بن عدی»، جن کا شمار اہل بیت پیغمبرؐ کے خاص شیعوں اور عقیدتمندوں میں ہوتا تھا اور جو امیر المومنینؑ اور حسین ابن علیؑ کے خاص محبوبوں میں سے تھے، امام کو اس صورتحال سے آگاہ فرماتے ہیں اور آپؐ کی ظاہری شکست کو قطعی اور یقینی سمجھتے ہوئے کوئی راہ حل نکالنے کی کوشش کرتے ہیں تو امام علیہ السلام خداوند عالم سے یہ دعا، التماس اور درخواست کرتے ہوئے کہ وہ انہیں دیگر شہدا کے ساتھ بہشت بریں اور مقام رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے اور جزائے خیر اور خاص درجات نصیب فرمائے، «طرماح» کی توجہ ایک انتہائی اہم نکتے یعنی الہی فریضے کی ادائیگی اور انسانی اقدار کی پاسداری و حفاظت کی جانب مبذول کراتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے خطوط اور ملاقاتوں کے ذریعے اہل کوفہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا ہے۔ ہم نے ان سے کوفہ آنے اور اس شہر کے لوگوں کی امامت و رہبری اور ہدایت و رہنمائی کا وعدہ کیا ہے اور انہوں نے بھی ہماری ہر طرح کی مدد اور پشت پناہی کا عہد کیا ہے۔ اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ تمام تر خطرات اور مشکلات کے باوجود اپنے وعدوں پر باقی رہیں۔ جہاں تک اہل کوفہ کا مسئلہ ہے، تو وہ خود جانیں کہ اپنے عہد پر باقی رہیں یا اسے توڑ دیں۔

درحقیقت یہی ایک دینی اور روحانی رہنما اور ایک دنیاوی سیاسی قائد اور لیڈر کے درمیان پایا جانے والا بنیادی فرق ہے۔



عبید اللہ ابن حریص (۱) کے ساتھ گفتگو

«يَا بَنَ الْحُرِّ إِنَّ أَهْلَ مِصْرٍ كُتِبُوا إِلَيَّ أَنَّهُمْ مُجْتَمِعُونَ
عَلَى نُصْرَتِي وَسَأَلُونِي الْقُدُومَ عَلَيْهِمْ وَلَيْسَ الْأَمْرُ عَلَيَّ
مَا زَعَمُوا وَإِنَّ عَلَيْكَ ذُنُوبًا كَثِيرَةً فَهَلْ لَكَ مِنْ تَوْبَةٍ
تَمْحُوبُهَا ذُنُوبُكَ؟ ... تَنْصُرُوا ابْنَ بِنْتِ نَبِيِّكَ
وَتُقَاتِلُ مَعَهُ... أَمَّا إِذَا رَغِبْتَ بِنَفْسِكَ عَنَّا فَلَا حَاجَةَ لَنَا
فِي فَرَسِكَ وَلَا فِيكَ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذًا الْمُضِلِّينَ عَضْدًا
وَأَنِّي أَنْصَحُكَ كَمَا نَصَحْتَنِي إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا تَسْمَعَ
صُرَاخَنَا وَلَا تَشْهَدَ وَقُفْعَنَا فَا فَعَلْ فَوَاللَّهِ لَا يَسْمَعُ وَا
عَيْنَنَا أَحَدٌ وَلَا يَنْصُرُنَا إِلَّا أَكْبَهُ اللَّهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ» (۲)

۱- عبید اللہ ابن حریص، حضرت عثمان کے حامیوں میں سے تھا۔ ان کے مارے جانے کے بعد معاویہ سے جا ملا اور جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے خلاف لڑا۔ تاریخ میں اس کی لوٹ مار اور راہزنیوں کے بارے میں بہت کچھ نقل کیا گیا ہے۔ (رجوع کیجئے۔ تاریخ طبری۔ ج ۷- ص ۱۱۶۸ اور جمہورہ ابن حزم۔ ص ۳۸۵)

۲- انساب الاشراف۔ ج ۳- ص ۱۷۴، تاریخ طبری۔ ج ۷- ص ۳۰۶، تاریخ کامل ابن اثیر۔ ج ۳- ص ۲۸۲، مقتل خوارزمی۔ ج ۱- ص ۲۲۶، اخبار الطوال۔ ص ۲۴۶، امالی صدوق۔ مجلس ۳۰۔

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

رَغْبَ عَنْهُ : منھ موڑ لینا، اجتناب کرنا۔ مُضِلِّينَ (ضِل سے) : گمراہ، منحرف افراد۔
عَضُد : قوت، مدد۔ صُرَاخ : پکار، مدد کے لئے دی جانے والی آواز۔ وَقْعَہ : جنگ۔ وَاِعیَہ :
نالہ، آہ و زاری۔

ترجمہ اور تشریح

حسین ابن علیؑ «بنی مقاتل» نامی مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے آپؑ کو مطلع کیا گیا کہ
«عبید اللہ ابن حرجفی» بھی اسی مقام پر قیام پذیر ہے۔ امامؑ نے پہلے تو «حجاج بن مسروق» کو اس
کے پاس بھیجا۔ «حجاج» نے «عبید اللہ» سے کہا: اے پسرِ حر! اگر تم قبول کرو تو ایک بیش قیمت
تحفہ اور گرانقدر سوغات تمہارے لئے لایا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ حسین ابن علیؑ یہاں آئے ہوئے
ہیں اور تمہیں مدد کے لئے بلارہے ہیں، ان کے ساتھ ہو جاؤ تا کہ عظیم الشان سعادت اور ثواب
حاصل کر سکو۔ کیونکہ اگر ان کی رکاب میں جنگ کی تو بے حساب اجر و ثواب کے مستحق قرار پاؤ
گے اور اگر مارے گئے تو شہادت کا مرتبہ تمہیں ملے گا۔

«عبید اللہ ابن حرجفی» نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں نے شہر کوفہ سے نکلتے وقت دیکھا
تھا کہ اکثر افراد حسینؑ سے جنگ اور ان کے اصحاب کی سرکوبی کے لئے خود کو تیار کر رہے تھے۔
اور مجھے یقین ہے کہ وہ (حسینؑ) اس جنگ میں مارے جائیں گے۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ
ان کی مدد کروں۔ بلکہ مجھے تو ان سے ملنے کا بھی کوئی اشتیاق نہیں ہے۔

«حجاج بن مسروق» واپس آگئے اور «حرجفی» کا جواب امامؑ کے گوش گزار کیا۔ اس
کے بعد امامؑ خود اپنے چند اصحاب کے ہمراہ «عبید اللہ ابن حرجفی» سے ملاقات کے لئے
تشریف لے گئے۔ «عبید اللہ» نے اٹھ کر امامؑ کا استقبال کیا اور آپؑ کو خوش آمدید کہا۔

اس ملاقات کی تفصیل خود «عبید اللہ ابن حرجفی» کے الفاظ میں پڑھئے: جب میری نظر

حسین ابن علیؑ کے چہرے پر پڑی تو میں نے محسوس کیا کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں ان جیسا پروقار اور جاذب نظر چہرہ نہیں دیکھا۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ ان کی مانند کسی اور کے حال پر میرا دل ایسے کبھی نہ دکھا ہوگا۔ میں کبھی وہ منظر نہیں بھول پاؤں گا کہ جس وقت وہ تشریف لا رہے تھے تو چند بچے بھی ان کے گرد گھیرا ڈالے چل رہے تھے۔

«(حز جعفری)» کہتا ہے: جب میں نے امامؑ کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ ان کی داڑھی انتہائی سیاہ ہے۔ میں نے پوچھا: کیا آپؑ کی داڑھی کا یہ رنگ قدرتی ہے یا آپؑ نے اس پر خضاب لگایا ہوا ہے؟ امامؑ نے جواب دیا: اے ابن حرا! مجھ پر قبل از وقت بڑھا پا آ گیا ہے۔ ان کے یوں کہنے سے میں سمجھ گیا کہ آپؑ نے داڑھی کو خضاب کیا ہوا ہے۔

بہر حال ایک دوسرے کی احوال پر سی اور باہمی رسمی گفتگو کے بعد امامؑ نے «عبید اللہ» کو مخاطب کر کے فرمایا:

«يَا بَنَ الْحُرِّ اِنَّ اَهْلَ مِصْرٍ كُفُّوا... اے ابن حرا! تمہارے شہر (کوفہ) کے لوگوں نے مجھے خطوط لکھے کہ ان سب نے مل کر میری مدد اور نصرت کا عہد کیا ہے اور مجھ سے درخواست کی کہ میں ان کے شہر میں آ جاؤں۔ میں آ گیا ہوں، لیکن اب میں انہیں ویسا نہیں پاتا، جس کا انہوں نے دعویٰ کیا تھا۔ تم اپنی عمر میں بہت زیادہ گناہوں کے مرتکب رہے ہو اور تم سے بکثرت خطائیں سرزد ہوئی ہیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ توبہ کرو اور ان گناہوں اور خطاؤں سے پاک ہو جاؤ؟»

عبید اللہ نے پوچھا: میں کس طرح توبہ کروں؟

امامؑ نے فرمایا:

«تَنْصُرُوا ابْنَ بِنْتِ نَبِيِّكَ وَتُقَاتِلُ مَعَهُ... اپنے نبی کے نواسے کی

مدد کر کے اور اس کے ہمراہ دشمنوں سے جنگ کر کے۔»

عبید اللہ نے کہا: خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ جو کوئی آپ کے حکم کی تعمیل کرے گا وہ ابدی سعادت اور فلاح پائے گا لیکن میرا خیال ہے کہ میری مدد سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ کوفہ میں مجھے کوئی ایک بھی ایسا شخص نظر نہیں آیا ہے جو آپ کی مدد اور نصرت کا پختہ ارادہ رکھتا ہو۔ آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ مجھے اس کام سے معاف رکھئے کیونکہ مجھے موت سے سخت خوف آتا ہے۔ البتہ یہ میرا معروف گھوڑا ((ملحقہ)) آپ کے لئے حاضر ہے۔ یہ ایسا گھوڑا ہے کہ آج تک جب بھی میں نے اس پر سوار ہو کر کسی کا تعاقب کیا ہے تو لازماً اسے جا پکڑا ہے۔ اور اگر میں اس گھوڑے پر سوار ہوں اور کسی دشمن نے میرا تعاقب کیا ہے تو وہ میرے قریب بھی نہیں پہنچ پایا ہے۔

امام نے اس کے جواب میں فرمایا:

«أَمَّا إِذَا رَغِبْتَ بِنَفْسِكَ عَنَّا جب تم ہماری راہ میں جان نثار کرنے سے گریزاں ہو، تو ہمیں بھی نہ تمہاری کوئی ضرورت ہے اور نہ تمہارے گھوڑے کی کیونکہ ہم کسی گمراہ شخص کو اپنے مددگاروں میں شامل نہیں کرتے۔» یہ کہنے کے بعد امام نے مزید ارشاد فرمایا:

«وَأَنِّي أَنْصَحُكَ كَمَا نَصَحْتَنِي جس طرح تم نے مجھے نصیحت کی ہے، میں بھی تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں (اور وہ یہ ہے) کہ اس جگہ سے جتنا دور جاسکتے ہو دور چلے جاؤ تا کہ نہ ہماری صدائے استغاثہ تم تک پہنچے اور نہ ہماری جنگ دیکھ پاؤ۔ کیونکہ خدا کی قسم اگر کوئی ہماری صدائے استغاثہ کو سنے اور ہماری مدد کو نہ پہنچے تو خدا اسے آتش جہنم میں جگہ دے گا۔»

((عبید اللہ ابن حرقم)) نے امام کی اس نصیحت آمیز گفتگو سے کوئی اثر نہ لیا اور امام کے

لشکر میں شامل نہیں ہوا، لیکن عمر بھر اس پر اپنی شرمندگی اور ندامت کا اظہار کرتا رہا اور اس عظیم سعادت سے محروم رہ جانے پر کفِ افسوس ملتا رہا۔ وہ خود کو سرزنش اور ملامت کرتے ہوئے جو اشعار پڑھتا تھا، ان سے اسکی دلی کیفیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہتا تھا:

فِيَا لَكَ حَسْرَةً مَا ذُمْتُ حَيًّا تُرَدَّدُ بَيْنَ صَدْرِي وَالتَّرَاقِي
حُسَيْنٌ حِينَ يَطْلُبُ نَصْرَ مِثْلِي عَلَى أَهْلِ الْعَدَاوَةِ وَالشَّقَاقِ
حُسَيْنٌ حَيْثُ يَطْلُبُ بَذْلَ نَصْرِي عَلَى أَهْلِ الضَّلَالَةِ وَالنِّفَاقِ
لَوْ أَنِّي أَوْاسِيهِ بِنَفْسِي لَنِلْتُ كَرَامَةً يَوْمَ التَّلَاقِ

»آہ! جب تک زندہ ہوں یہ حسرت اور افسوس میرے دل اور سینے میں موجود رہے گا اور اس نے مجھے بے قرار کیا ہوا ہے۔ جب وہ وقت یاد کرتا ہوں کہ حسینؑ نے دشمنوں اور ظالموں کے مقابلے کے لئے مجھ جیسے شخص سے مدد چاہی۔ جب حسینؑ چاہتے تھے کہ گمراہوں اور منافقوں کے خلاف میں ان کی مدد کروں۔ کاش اگر اس دن میں اپنی جان کے ذریعے ان کی مدد اور نصرت کرتا تو قیامت میں عظیم درجات پالیتا۔«

انکی کوشش تھی کہ ڈوبتے کو بچالیں

امام حسین علیہ السلام اور «عبید اللہ ابن حرقم» کے درمیان ہونے والی ملاقات کے احوال اور مدد کے لئے امامؑ کی اس سے درخواست کا مطالعہ فوراً یہ سوال ذہن میں ابھارتا ہے کہ امامؑ کے ان باہم متضاد رویوں کی توجیہ کس طرح کی جاسکتی ہے کہ ایک طرف تو آپؑ نے «حرقم» جیسے عرب کے مشہور راہزن اور مجرم کو مدد کے لئے طلب کیا جبکہ وہ آپؑ کا ارادتمند بھی نہ تھا، اور امیر المومنین علیہ السلام کے مخالفین اور دشمنوں کی صف میں شامل رہا تھا اور دوسری طرف آپؑ نے ان افراد کو واپس جانے کی اجازت دی جو مکہ اور مدینہ سے آپؑ کے ساتھ

آئے تھے اور جنہوں نے امام کے سلسلے میں ہر قسم کی قربانی اور ایثار کا مظاہرہ کیا اور خود امام کے الفاظ میں ان سے زیادہ باوفا اصحاب کسی کو نہیں ملے تھے۔

آخر کیا وجہ تھی کہ آپؑ نے ان باوفا افراد کو واپس جانے کی اجازت دی؟ اور کس بنا پر اس قسم کے شخص سے مدد طلب کی؟

اگر ہم ائمہ اطہار کے کردار کے بارے میں تھوڑا سا بھی غور و فکر کریں اور جنگ اور امن اور حرکت و سکوت کے سلسلے میں ان کے اندازِ عمل کا جائزہ لیں تو اس سوال کا جواب واضح ہو جائے گا۔ ائمہ اطہار علیہم السلام انبیائے کرام کے مشن کے محافظ اور اسے آگے بڑھانے والے ہیں، جن کا مقصد انسانوں کی نجات اور انہیں ڈوبنے سے بچانے کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ ان حضرات نے کبھی یہ کوشش عمومی طور پر تمام انسانوں کے لئے انجام دی اور کبھی خصوصی طور پر کسی خاص شخص کے لئے۔

امام حسین علیہ السلام بالکل اسی طرح ((عبید اللہ حرقعی)) جیسے گناہگار اور مجرم کے خیمے میں تشریف لے گئے تھے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک فاحشہ کے گھر گئے تھے۔ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ لہذا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپؑ اپنے حواریوں کے ساتھ اس فاحشہ کے گھر کیوں گئے تھے؟ تو آپؑ نے کہا: بعض اوقات طبیب کا مریض کے گھر جانا ضروری ہو جاتا ہے۔ (۱)

امام حسین علیہ السلام نے بھی ((عبید اللہ حرقعی)) کے ساتھ ہونے والی ملاقات میں اسی طبابتِ علاج، گناہوں سے نجات اور اس کے گزشتہ گناہوں اور مظالم کو مد نظر رکھا اور اسے ان سے نجات کا راستہ بچھایا اور فرمایا:

۱- جیسا کہ امیر المومنین نے نبی اکرمؐ کے بارے میں فرمایا: طبیب دوار بطبہ۔ (وہ ایسے طبیب تھے جو اپنی طب کو لئے ہوئے (مریض کی تلاش میں) چکر لگا رہا ہو۔ نہج البلاغہ - خطبہ ۱۰۶)

«وَإِنَّ عَلَيْكَ ذُنُوبًا كَثِيرَةً فَهَلْ لَكَ مِنْ تَوْبَةٍ تَمُحِبُهَا

ذُنُوبِكَ؟ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے بے حساب گناہوں کو توبہ کے

ذریعے دھو ڈالو؟»

لیکن جب امامؑ نے دیکھا کہ «عبید اللہ حرجفی» آپؑ کا مدعا نہیں سمجھ سکا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ آپؑ اسکی طرف سے ایک گھوڑا قبول فرمالیں جو میدان جنگ میں تیز دوڑ کر دشمن کے تیر اور نیزوں سے آپؑ کو بچا سکے۔ وہ تمام مسائل کو صرف مادی عینک سے اور محض فتح و شکست کے نکتہ نظر سے دیکھ رہا ہے اور انہیں صرف دو الفاظ «حملے» اور «فرار» میں منحصر کر رہا ہے تو آپؑ نے اسے جواب دیا کہ مجھے نہ تمہاری ضرورت ہے اور نہ تمہارے گھوڑے کی کیونکہ:

مُتَّخِذِ الْمُضِلِّينَ عُضْدًا (میں کسی گمراہ کو اپنا مددگار نہیں بناؤں گا۔)



عمرو بن قیس اور اسکے چچا زاد بھائی کے جواب میں

«إِنِّ طَلِقَا فَلَا تَسْمَعَالِي وَاعِيَّةٌ وَلَا تَرِيَالِي سَوَادًا فَإِنَّهُ مَنْ
سَمِعَ وَاعِيَّتَنَا أَوْ رَأَى سَوَادَنَا فَلَمْ يُجِبْنَا أَوْ يُغِيثَنَا كَانَ
حَقًّا عَلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ يُكَبِّهُ عَلَى مَنْخَرِيهِ فِي
النَّارِ.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

يُغِيثُنَا (اغاث 'اغاثۃ سے): مدد کے لئے پہنچنا۔ اَكْبَهُ: اسے منہ کے بل زمین پر
ٹخ دیا (یادے مارا)۔ مَنْخَرَيْن: ناک، نتھنا۔

ترجمہ اور تشریح

«بنی مقاتل» ہی کے مقام پر «عمرو بن قیس مشرقی» اپنے چچا زاد بھائی کے ہمراہ حسین
ابن علی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امام نے اس سے پوچھا: کیا ہماری مدد اور نصرت کے لئے
آئے ہو؟ ان دونوں نے جواب دیا: نہیں، کیونکہ ایک تو ہم کثیر العیال ہیں اور دوسرے یہ کہ
ہمارے پاس لوگوں کے مال تجارت ہیں، ہمیں آپ کے انجام کا علم نہیں اور ہم مناسب نہیں

سمجھتے کہ لوگوں کا مال و دولت ہمارے ہاتھوں تلف و برباد ہو جائے۔

اس موقع پر امام نے ان دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

«انْطَلِقَا فَلَا تَسْمَعَالِي اس علاقے سے دور چلے جاؤ تا کہ ہماری

صدائے استغاثہ تم تک نہ پہنچ سکے اور نہ تم ہمیں دیکھ پاؤ۔ کیونکہ جو کوئی ہماری

صدائے استغاثہ کو سنے یا ہمیں دیکھے لیکن ہماری پکار کا مثبت جواب نہ دے یا

ہماری مدد کے لئے نہ آئے تو خدا اسے منہ کے بل (انتہائی ذلت و خواری کے

ساتھ) آتش جہنم میں پھینکے گا۔»

سخت سزا

امام علیہ السلام کے مذکورہ جملات اور ان سے ملتے جلتے ان جملات سے جو آپ نے

((عبداللہ ابن حرجفی)) کو مخاطب کر کے نصیحت اور خیر خواہی کے انداز میں ارشاد فرمائے یہ اہم

نکتہ حاصل ہوتا ہے کہ جو لوگ ضرورت کے وقت اپنے امام اور مذہبی پیشواؤں کی صدائے

استغاثہ اور طلب نصرت پر لبیک نہ کہیں، انہیں انتہائی ذلت و خواری کے ساتھ سخت عذاب کی سزا

بھگتنا پڑے گی۔ کیونکہ امام نے ان دونوں موقعوں پر ان افراد کے بارے میں صرف یہ نہیں

فرمایا کہ انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا بلکہ ان کی سزا اور عذاب کے بارے میں امام کے الفاظ

یہ ہیں کہ: اَكْبَهُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْخَرِيْهِ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ . اور یہ جملہ انتہائی ذلت کے ساتھ شدید

عذاب میں مبتلا کئے جانے کی نشاندہی کرتا ہے۔

ایسا شدید اور ذلت بھرا عذاب کیوں نہ ان لوگوں کا مقدر بنے؟

کیا امام اور پیشوائے برحق کا استغاثہ اور طلب نصرت، قرآن، اسلام اور دین حق کی

صدائے استغاثہ نہیں؟

کیا امام کا یہ استغاثہ درحقیقت نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مدد کے لئے پکارنا

نہیں اور کیا بنی کریم کا مدد طلب کرنا شدید ترین امر الہی نہیں؟

البتہ امام علیہ السلام کے جملات میں جس عذاب کا تذکرہ ہوا ہے وہ صرف ان کے استغاثے کا مثبت جواب نہ دینے والوں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ہر برحق رہبر اور رہنما کی صدائے استغاثہ سے ہے۔ ایک دن یہ رہبر و رہنما نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات تھی ان کے بعد ان کے جانشین ائمہ ہدیٰ علیہم السلام اور پھر اس سے کمتر درجات میں ائمہ اطہار کے جانشین یعنی مقام ولایت فقیہ کی حامل ہستیاں ہیں۔

حراماں نصیبی کی ایک اور مثال

اگرچہ «عبید اللہ ابن جعفی» نے اس عظیم سعادت اور خوش بختی کو اپنے ہاتھوں سے کھو دیا جو خود اپنے قدموں سے چل کر اسکے دروازے تک آئی تھی۔ اس نے امام کی نصرت اور شہادت کے راستے کو نہیں اپنایا جو اسکی نجات اور کامیابی کا ضامن تھا اور پھر ساری زندگی اس غلطی پر ندامت اور پشیمانی کا اظہار کرتا آہیں بھرتا اور حسرت سے شعر کہتا رہا، لیکن تاریخ کر بلا اس محرومیت اور حراماں نصیبی کے سلسلے میں «عمرو بن قیس» کو «عبید اللہ ابن جعفی» سے کہیں زیادہ بڑے اور مکمل نمونے کے طور پر پیش کرتی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ذکر ہوا «عبید اللہ ابن جعفی» چند روزہ دنیا پر ایسا مر مٹا تھا اور اسکا ایسا شیفہ تھا کہ امام کی نصیحت سنتے ہی فوراً اسے مسٹر ذکر کے ایک طرف ہو گیا اور یہ کہہ کر کہ «واللہ مجھے معاف رکھئے میں موت سے بہت ڈرتا ہوں» کسی بھی قسم کی ذمے داری قبول کرنے سے یکبارگی انکار کر دیا لیکن «عمرو بن قیس» نے پہلے تو معذرت چاہی لیکن بعد میں امام حسینؑ کی نصیحت قبول کر کے اور امام کا کلام: اِنْطَلَقَا فَلَا تَسْمَعَالِي وَاَعِيَّةَ (یہاں سے دور چلے جاؤ تا کہ ہماری آواز نہ سن پاؤ) سننے کے بعد اپنے چچا زاد بھائی «مالک بن نضر ارجسی» سے جدا ہو کر امام کے اصحاب میں شامل ہو گیا۔ البتہ اس نے امام علیہ السلام کے ساتھ یہ شرط رکھی کہ میں اس وقت تک آپ کے ساتھ رہ کر آپ کا

دفاع کروں گا، جب تک میرا ساتھ رہنا آپ کے لئے کارآمد اور آپ کی کامیابی میں موثر ہو گا۔ بصورتِ دیگر آپ سے علیحدہ ہونے اور آپ کا ساتھ چھوڑنے کے سلسلے میں میں آزاد اور خود مختار ہوں گا۔

امام نے اسکی یہ مشروط بیعت قبول کر لی اور ((عمر بن قیس)) ان آخری لمحات میں جبکہ امام کے تمام باوفا اصحاب ایک ایک کر کے جامِ شہادت نوش کر چکے تھے اور آپ کی صدائے استغاثہ بلند تھی، ایک انتہائی تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوا اور امام کو چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ اس طرح عین اس وقت جب وہ آگے بڑھ کر شہدا کی صف میں شامل ہو سکتا تھا، اس نے اپنے آپ کو اس عظیم سعادت اور ابدی کامیابی سے محروم کر لیا۔

((طبری)) (۱) نے امام سے اس کی ملاقات اور اسکے علیحدہ ہونے کی تفصیل خود اس کی زبانی نقل کی ہے، جس کا خلاصہ ہم یہاں پیش کر رہے ہیں: عاشور کے دن جب میں نے دیکھا کہ لشکرِ کوفہ نے امام کے ساتھیوں کے گھوڑوں کے پیر کاٹنا شروع کر دیئے ہیں تاکہ وہ ناکارہ ہو جائیں، تو میں نے اپنا گھوڑا ایک خالی خیمے میں باندھا اور پیادہ ہو کر دشمن پر حملہ کیا۔ دو افراد کو قتل کیا اور تیسرے کا ہاتھ کاٹ دیا۔ حسین ابن علی مسلسل فرما رہے تھے: الاتشل لایقطع اللہ یدک جزاک اللہ..... (خدا تمہارے ہاتھ سلامت رکھے اور جزائے خیر دے۔)

((عمر بن قیس)) مزید کہتا ہے: جب میں نے دیکھا کہ ((سوید بن عمرو)) اور ((بشر حضرمی)) کے علاوہ تمام اصحابِ حسین شہید ہو چکے ہیں، تو میں امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے فرزندِ رسول! آپ جانتے ہیں کہ میرے اور آپ کے درمیان ایک شرط طے پائی تھی۔ امام نے فرمایا: ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن اب یہاں سے بچ کر کیسے جاؤ گے؟ بہر حال، اگر جاسکتے ہو

۱- ((شیخ صدوق)) نے ((عقاب الاعمال)) میں اور ((رجال کشی)) اور ((رجال خوی)) جنہوں نے اس روایت کا متن نقل کیا ہے اور رجال کی بعض دوسری کتب میں اس شخص کا نام ((عمر بن قیس شرقی)) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

تو میری طرف سے آزاد ہو۔

عمر بن قیس کہتا ہے: جب امامؑ نے مجھے اجازت دے دی اور اپنی بیعت مجھ سے اٹھالی تو میں نے خیمے میں سے اپنا گھوڑا نکالا اس پر سوار ہوا اسے زوردار چابک رسید کئے اور دشمن کی صفوں کا ایک کونہ چیر کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ دشمن کے پندرہ افراد نے میرا تعاقب کیا اور فرات کے کنارے واقع «شفیہ» نامی دیہات کے قریب وہ مجھ تک پہنچ گئے۔ جب میں پلٹا تو ان میں سے تین افراد نے مجھے پہچان لیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ یوں میں یقینی موت سے بچ گیا۔



(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) درج ہے، لیکن تاریخ طبری کی جلد ۶، صفحہ ۲۳۸ تا ۲۵۵ میں کئی مرتبہ اس کا نام ((ضحاک بن عبداللہ شرقی)) لکھا ہے۔ ماہرین رجال اور طبری کی عبارات کو دیکھتے ہوئے ظاہراً ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ((عمر)) اور ((ضحاک)) دو الگ الگ افراد تھے اور علیحدہ علیحدہ سفر کرتے ہوئے دو مختلف جگہوں پر امام سے آ کے ملے تھے لیکن امام سے ہونے والی گفتگو اور ان کا معذرت کرنا ایک ہی جیسا تھا اور وہ شخص جو عاشورا کے دن تک امام کے ہمراہ تھا اور روز عاشور میدان جنگ چھوڑ کر گیا وہ ((ضحاک شرقی)) تھا۔

لیکن ہمارے خیال میں اور متعدد دلائل کی روشنی میں ((عمر بن قیس شرقی)) ہی ((ضحاک شرقی)) ہے اور راویوں اور ماہرین رجال کے درمیان نام و لقب یا کنیت کے بارے میں بکثرت اختلاف پیش آتا ہے اور اس کا ایک نمونہ آپ آئندہ صفحات میں بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔ خاص کر ((ضحاک)) یا ((قیس شرقی)) کے امام حسینؑ کی مدد سے منھ موڑ لینے اور اصحاب امامؑ میں ان کا شمار نہ ہونے کی وجہ سے ماہرین رجال نے ان کے حالات زندگی پر زیادہ غور و خوض نہیں کیا۔ بہر حال قیس اور ضحاک کے دو علیحدہ علیحدہ افراد ہونے کی صورت میں طبری کے بقول یہ ((حراما نصیب)) ضحاک شرقی تھا۔ طبری نے امام سے اس کی ملاقات اور پھر فرار کے علاوہ میدان کربلا اور عاشورا کے کئی واقعات ((ابو مخنف)) کے توسط سے اس سے نقل کئے ہیں۔

کربلا کے نزدیک

«إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.
..... إِنِّي خَفَقْتُ بِرَأْسِي فَعَنَّنِي فَارِسٌّ وَهُوَ يَقُولُ :
الْقَوْمُ يَسْرُونَ وَالْمَنَايَا تَسْرِي إِلَيْهِمْ فَعَلِمْتُ أَنَّهَا
أَنْفُسُنَا نُعِيَتْ إِلَيْنَا
..... جَزَاكَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ خَيْرَ مَا جَزَى وَلَدًا عَنْ

وَالِدِهِ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

خَفَقَ بِرَأْسِهِ: غنودگی، آنکھ لگ جانا۔ عَنْ: ظاہر ہوا۔ يَسْرُونَ (سری سے): رات کو سفر کرنا۔ مَنَايَا (منیہ کی جمع): موت۔ نُعِيَتْ (نَعِيَ يَنْعِي کا مجہول): موت کی خبر دینا۔

۱- انساب الاشراف - ج ۳ - ص ۱۸۵ - تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۳۰۶ - تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۸۲
خوارزمی - ج ۱ - ص ۲۲۶ اور طبقات ابن سعد - لیکن سید ابن طاووس نے لہوف میں فرمایا ہے کہ یہ واقعہ ثعلبیہ کے مقام پر پیش آیا۔

ترجمہ اور تشریح

امامؑ «قصر بنی مقاتل» کے مقام پر منزل کئے ہوئے تھے۔ رات کے آخری پہر آپؑ نے جوانوں کو حکم دیا کہ مشکیزوں کو پانی سے بھر کر اگلی منزل کی طرف سفر شروع کریں۔ قافلے کا سفر جاری تھا کہ ناگہاں امامؑ کی آواز سنائی دی۔ آپؑ مسلسل کلمہ استرجاع: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ دُہرا رہے تھے۔

آپؑ کے دلیر اور شجاع فرزند علی اکبرؑ نے کلمہ استرجاع پڑھنے کا سبب دریافت کیا تو امامؑ نے جواب دیا:

«اِنِّیْ خَفِیْتُ بِرَاسِیْ میں گھوڑے کی زین پر سر رکھے تھا اسی اثنا میں مجھ پر ہلکی سی نیند طاری ہو گئی۔ اس حال میں میں نے ایک گھڑسوار کو دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ: یہ لوگ اپنے سفر پر گامزن ہیں اور موت ان کا پیچھا کر رہی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ہمارے بارے میں کہہ رہا ہے اور یہ ہماری موت کی خبر ہے۔»

حضرت علی اکبرؑ نے عرض کیا: لَا اَرَاکَ اللّٰہُ بِسُوءِ اَلْسِنَا عَلٰی الْحَقِّ؟ (خدا برا وقت نہ لائے، لیکن کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟)

امامؑ نے جواب دیا: یقیناً ہم حق پر ہیں۔

علی اکبرؑ نے دوبارہ عرض کیا: اِذَا لَا نُبَالِیْ اَنْ نَّمُوْتَ مُحِقِّیْنَ (جب ہم حق پر ہیں تو ہمیں موت کی کوئی پروا نہیں۔)

اس موقع پر امامؑ نے انہیں دعا دی اور یوں فرمایا:

«جَزَاکَ اللّٰہُ مِنْ وَلَدٍ خدا تمہیں بہترین جزا دے جو بیٹے کو اسکے

باپ کی طرف سے ملتی ہے۔»

یقیناً اگر جنگ، موت، جدوجہد اور انقلاب سب حق کی خاطر ہو تو ایسی موت سے کوئی
باک نہیں اور یہ وہ درس ہے جو امامؑ نے نہ صرف اپنے بیٹے بلکہ اپنے تمام پیروکاروں کو دیا ہے۔





کربلا میں

کر بلا پہنچنے کے وقت

«مَا كُنْتُ لَأَبْدَأَهُمْ بِالْقِتَالِ (۱)

..... اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُرْبِ وَ الْبَلَاءِ هَاهُنَا

مَحَطُّ رَحَالِنَا وَ هَاهُنَا وَ اَللّٰهُ مَحَلُّ قُبُورِنَا وَ هَاهُنَا وَ اَللّٰهُ

مَحْشَرُنَا وَ مَنْشَرُنَا وَ بِهَذَا وَ عَدَنِيْ جَدِيْ رَسُوْلُ اَللّٰهِ (ص)

وَلَا خِلَافَ لَوْ عَدِهْ...» (۲)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مَحَطُّ: اترنے کی جگہ۔ رَحَل: مسافر کا سامان۔ مَحْشَر: اٹھائے جانے کا دن اور جگہ۔ مَنْشَر: وہ جگہ جہاں قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؑ کا قافلہ اور لشکرِ حرا ایک دوسرے کے متوازی چلتے ہوئے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ «نینوا» کے مقام پر پہنچے۔ یہاں تیز رفتار گھوڑے پر سوار ایک مسلح شخص ان کے نزدیک آیا۔ یہ شخص ابن زیاد کا قاصد تھا اور اس کی طرف سے «حر» کے نام ایک

۱- تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۳۰۸، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۸۲، مقتل خوارزمی - ج ۱ - ص ۲۳۴۔

۲- نور الثقلین - ج ۴ - ص ۲۲۱، بحار الانوار - ج ۱۰ - ص ۱۸۸۔

خط لے کر آیا تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا: یہ خط پاتے ہی حسین کے ساتھ سختی سے پیش آؤ اور انہیں ایک ایسے بیابان میں اترنے پر مجبور کر دو جہاں نہ پانی ہو اور نہ کوئی پناہ گاہ۔

»حر« نے یہ خط امام علیہ السلام کو پڑھ کر سنایا اور انہیں اپنی اس نئی ذمہ داری سے مطلع کیا۔ امام نے فرمایا: ہمیں نینوا، غاضریات یا شفیہ میں اتر کر قیام کرنے دو۔

»حر« نے کہا: میں آپ کی اس تجویز کو قبول کرنے سے عاجز ہوں کیونکہ اب میں خود سے فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ یہ قاصدا بن زیاد کا جاسوس بھی ہے اور میری تمام حرکات و سکنات پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

اس دوران »زہیر ابن قین« نے امام کو مشورہ دیا کہ ہمارے لئے اس مختصر لشکر سے جنگ کرنا ان کے پیچھے آنے والے کثیر افراد سے جنگ کرنے کی نسبت زیادہ آسان ہے کیونکہ خدا کی قسم کچھ ہی دیر بعد بہت سے لشکر ان کی مدد کو آ پہنچیں گے اور پھر ان سب کا مقابلہ کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہوگا۔

امام نے زہیر کے اس مشورے کے جواب میں فرمایا:

»مَا كُنْتُ لَأُبْدَاهُمْ بِالْقِتَالِ..«

»میں کبھی ان کے ساتھ جنگ میں پہل نہیں کروں گا۔«

اس کے بعد امام نے »حر« سے مخاطب ہو کے فرمایا: بہتر ہے کہ کچھ اور آگے بڑھ کر ٹھہرنے کے لئے کسی زیادہ مناسب جگہ کا انتخاب کریں۔ »حر« نے آپ کی تجویز سے اتفاق کیا اور دونوں قافلے آگے بڑھنے لگے یہاں تک کہ »کربلا« پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر »حر« کے لشکر نے یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ جگہ »فرات« سے نزدیک ہے اور پڑاؤ کے لئے مناسب ہے امام کو مزید آگے بڑھنے سے روک دیا۔

امام حسینؑ نے یہاں اترنے کا فیصلہ کرنے کے بعد اس جگہ کا نام دریافت کیا۔ آپ کو بتایا گیا کہ اس جگہ کو »طف« کہتے ہیں۔ امام نے پوچھا: کیا اس کا کوئی اور نام بھی ہے؟ عرض کیا

گیا: اسے ((کربلا)) بھی کہتے ہیں۔

امامؑ نے ((کربلا)) کا نام سنتے ہی فرمایا:

«اللَّهُمَّ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُرْبِ وَ الْبَلَاءِ.... بارِالہا! رنج و غم سے میں

تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (پھر فرمایا:) یہی ہمارے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ خدا کی قسم

یہی ہماری قبروں کا مقام ہے، خدا کی قسم ہم یہیں سے قیامت کے دن زندہ کئے

اور اٹھائے جائیں گے۔ میرے جدِ امجد نے اسی کا وعدہ کیا تھا اور ان کا وعدہ

کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔»

ان جملات کا مفہوم

امامؑ کے ان جملات میں تین اہم اور قابل توجہ نکات پائے جاتے ہیں۔

۱- جیسا کہ ہم نے کئی مرتبہ اس جانب اشارہ کیا ہے اور امامؑ کے کلمات میں مختلف مواقع پر بار بار، کبھی صریحاً اور کبھی اشارتاً ذکر ہوا ہے کہ حسین ابن علیؑ کربلا کے خونین واقعے سے مکمل طور پر آگاہ اور باخبر تھے۔ اس موقع پر بھی امام علیہ السلام نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حدیث کو سند بناتے ہوئے اس واقعے کے محل وقوع (کربلا) اور دیگر جزئیات کی جانب اشارہ کیا ہے۔

۲- دوسرا اہم نکتہ جنگ کے مسئلے میں وہ طریقہ کار اور اصول ہے جس کی امام حسینؑ پیروی کر رہے تھے۔ زہیر ابن قین کے بقول، ان حالات میں جنگ کرنا لشکرِ امامؑ کے فائدے میں تھا اور تاخیر کی صورت میں نتیجہ بالکل الٹ تھا اور شکست یقینی تھی، لیکن ان حالات کے باوجود امامؑ نے اپنے جنگی اصول کا یہ کہہ کر اعلان فرمایا کہ: میں کبھی جنگ میں پہل نہیں کروں گا۔

یہ وہی اصول ہے جس کا جنگِ جمل میں امیر المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام نے اپنے

اصحاب کے لئے اعلان فرمایا تھا، جب آپؐ اپنے جانی دشمن کے مقابل ایستادہ تھے۔ دشمن بھی وہ دشمن جس نے دو مرتبہ حملہ کر کے بصرہ میں مقیم مولائے کائنات کے مخلص ترین شیعوں کو تہ تیغ کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: لَا تَبْدَأُ وَالْقَوْمَ بِالْقِتَالِ ان کے ساتھ جنگ میں ابتدائے نہ کرو اپنی تلواروں اور نیزوں سے ان پر حملہ نہ کرو اور ان سے پہلے کسی کا خون نہ بہاؤ۔ نرمی، مہربانی، ملائمت اور محبت کے ساتھ ان سے بات چیت کرو (تاکہ وہ جنگ و جدال پر آمادہ نہ ہوں)۔ (۱)

۳۔ ائمہ ہدیٰ اور مذہبی پیشواؤں کا بنیادی مقصد انسانوں کی اصلاح، گمراہی کی روک تھام اور امام حسینؑ کے بقول «امر بالمعروف اور نہی عن المنکر» ہے۔ اس مقصد کا حصول طاقت کے بل بوتے پر جنگ و غارتگری کے ذریعے ممکن نہیں بلکہ جب کوئی اور راستہ باقی نہ رہے، تمام دوسرے راستے مسدود ہو جائیں، تب آخری تدبیر کے طور پر جنگ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ ان خاص حالات میں حسین ابن علیؑ نے «زہیر ابن قین» کو جو جواب دیا، وہ اس بات پر ایک اور دلیل ہے کہ اس تحریک کے ذریعے امام حسینؑ کا مقصد ظاہری جنگی کامیابی کا حصول نہ تھا بلکہ امام اس سے کہیں بڑھ کر اعلیٰ اور وسیع تر اہداف و مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔



کر بلا پہنچنے کے بعد امام کا خطاب

.....أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ نَزَلَ بِنَا مِنْ الْأُمْرِ مَا قَدَتَرُونَ وَإِنَّ
الدُّنْيَا قَدْ تَغَيَّرَتْ وَتَنَكَّرَتْ وَأَذْبَرَ مَعْرُوفَهَا وَلَمْ يَبْقَ مِنْهَا
إِلَّا صُبَابَةٌ كَصُبَابَةِ الْإِنَاءِ وَخَسِيسُ عَيْشٍ كَالْمَرْعَى
الْوَبِيلِ لَا تَرُونَ إِلَى الْحَقِّ لَا يُعْمَلُ بِهِ وَالْيَ الْبَاطِلِ لَا
يُتَنَاهَى عَنْهُ لِيَرْغَبَ الْمُؤْمِنُ فِي لِقَاءِ اللَّهِ فَإِنِّي لَا أَرَى
الْمَوْتَ إِلَّا سَعَادَةً وَالْحَيَاةَ مَعَ الظَّالِمِينَ إِلَّا بَرَمًا، النَّاسُ
عَبِيدُ الدُّنْيَا وَالِدِّينُ لِعِقْقِ عَلَى السِّنْتِهِمْ يَحُوطُونَهُ مَا دَرَّتْ
مَعَايشُهُمْ فَإِذَا مُحْصُوا بِالْبَلَاءِ قَلَّ الدِّيَانُونَ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

تَنَكَّرَ: بری شکل و صورت میں ظاہر ہونا۔ اِذْبَارَ: رخ پھیر لینا۔ صُبَابَةٌ: پیالے کی تہہ

۱۔ تحف العقول۔ ص ۱۷۴، تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۳۰۰، مشیر الاحزان۔ ص ۲۲، ابن عساکر۔ ص ۲۱۴، مقتل
خوارزمی۔ ج ۲۔ ص ۵، لہوف۔ ص ۶۹۔

((طبری)) اور ((ابن نما)) کے بقول امام علیہ السلام نے یہ خطبہ ((ذی حسم)) کے مقام پر ارشاد فرمایا۔ مذکورہ
بالا بعض کتب میں خطبہ کی ابتدا میں الناس کا لفظ آیا ہے لیکن ہم نے ((تحف العقول)) کی روایت نقل کی ہے۔

میں باقی بچا ہوا پانی۔ خسیس عُیْشٍ: ذلت و خواری کی زندگی۔ مَرْعٰی الْوَبیل: ایسی سخت اور چٹیل زمین جس میں بہت کم گھاس سبز ہو۔ بَرَم (فَرَس کے وزن پر): رنج و تکلیف۔ عَبید (عَبْد کی جمع): غلام۔ لَعَقَ (مصدر ہے جس کے معنی مفعول کے ہیں): شہد کی مانند ایسی میٹھی چیزیں جنہیں انگلی سے چاٹا جاتا ہے۔ یَحْوَطُونَهُ (حَاطَ یَحْوَطُهُ سے): کسی چیز کی حفاظت کرنا اور اس کا دفاع کرنا۔ دَرَّ: خوشی اور انتہائی آسائش۔ مَعَايش (معیشہ کی جمع): جس پر زندگی گزارنے کا انحصار ہو۔ مُحْصُوا (تَمَحَّیص سے): کسی امتحان میں ڈالنا۔

ترجمہ اور تشریح

امام حسین علیہ السلام ۲ محرم ۶۱ھ کو کر بلا پہنچے اور کچھ دیر توقف کے بعد اپنے اصحاب اور اہل بیت کے سامنے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

«... اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ نَزَلَ بِنَا مِنْ الْاَمْرِ اَمَّا بَعْدُ معاملات نے ہمارے ساتھ جو صورت اختیار کر لی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ یقیناً دنیا نے رنگ بدل لیا ہے اور بہت بری شکل اختیار کر گئی ہے۔ اس کی بھلائیوں نے منہ پھیر لیا ہے اور نیکیاں ختم ہو گئی ہیں اور اب اس میں اتنی ہی اچھائیاں باقی بچی ہیں جتنی کسی برتن کی تہہ میں باقی رہ جانے والا پانی۔ اب زندگی ایسی ہی ذلت آمیز اور پست ہو گئی ہے جیسا کوئی سنگلاخ اور چٹیل میدان۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا، اور کوئی باطل سے روکنے والا نہیں ہے۔ ان حالات میں مردِ مومن کو چاہئے کہ وہ خدا سے ملنے کی آرزو کرے۔ میں جانبازی اور شجاعت کی موت کو ایک سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنا میرے نزدیک ذلت اور حقارت ہے۔»

امام نے مزید فرمایا:

«النَّاسُ عَبِيدُ الدُّنْيَا لوگ دنیا کے غلام ہیں اور دین صرف ان کی زبانوں پر رہتا ہے۔ یہ بس اس وقت تک دین کے حامی ہیں جب تک ان کی زندگی آرام و آسائش سے گزرے، اور جب امتحان میں ڈالے جائیں تو دیندار بہت کم رہ جاتے ہیں۔»

امام کے اس خطبے کا مفہوم

یہ خطبہ کربلا کی سرزمین پر امام علیہ السلام کا پہلا خطبہ تھا اور اس میں امام نے درج ذیل دو انتہائی اہم نکات کی نشاندہی فرمائی ہے:

۱- جدوجہد کا سبب: جیسا کہ گزشتہ صفحات میں امام حسین علیہ السلام کے خطبات کے ضمن میں اشارہ کیا گیا ہے کہ آپؑ نے اپنی جدوجہد کے مختلف علل و اسباب بیان فرمائے ہیں۔ جن میں مجموعی طور پر حکومتِ یزید کی مخالفت، احکامِ اسلامی میں لائی جانے والی تبدیلیاں اور بالآخر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر کیا ہے۔ یہی تمام علل و اسباب امام کے اس خطبے میں ایک مرتبہ پھر بیان ہوئے ہیں۔

اب جبکہ حالات بدل چکے ہیں، برائیاں ظاہر ہو چکی ہیں، اعلیٰ اقدار اور فضائل پامال کئے جا چکے ہیں، ذلت اور پستی لوگوں کی زندگیوں پر چھا گئی ہے، نہ حق پر عمل ہوتا ہے اور نہ باطل کی روک تھام کی جا رہی ہے۔ تو ایسے حالات میں مومن اور دیندار شخص کا تبدیلی کی جدوجہد کے دوران شہادت اور خدا سے ملاقات کی آرزو کرنا بالکل بجا ہے اور امام عالی مقام حسین ابن علیؑ اس بافضیلت مومن کے عالی ترین مصداق ہیں، لہذا ان حالات میں آپؑ موت کو سعادت سمجھتے ہیں اور ایسی زندگی آپؑ کے نزدیک اذیت و آزار اور تدریجی موت کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

۲- مسئلہ امتحان: دوسرا نکتہ آزمائش اور امتحان کا موضوع ہے جو حقائق کی تشخیص، شخصیات کے افکار و خیالات اور انسانوں کی اصلیت جاننے کا بہترین ذریعہ ہے، چاہے یہ وہ

افراد ہوں جو اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتے ہیں؛ یا وہ گروہ ہوں جو پر زور و شور نعرے بازی کرتے ہیں اور خواہ وہ اشخاص ہوں جو بظاہر حق پرست اور دیندار نظر آتے ہیں۔ ان تمام افراد کے اصلی چہرے اور ان کی حقیقت اس وقت تک واضح نہیں ہوتی جب تک مصیبتوں، مشکلات، جنگ و جہاد اور ایسے حالات کے ذریعے ان کی آزمائش و امتحان نہ کر لیا جائے جن میں نہ صرف ان کے مادی مفادات بلکہ جان کو بھی خطرہ لاحق ہو۔

اب جبکہ فرزند فاطمہؑ اللہ کی جانب رواں دواں ہیں اور سرزمین عشق و شہادت سے گزر رہے ہیں، تو اس موقع پر وہ بہت سے لوگ دور دور تک نظر نہیں آ رہے جو دین کا دم بھرا کرتے تھے اور مسلمانوں کے درمیان مذہبی شخصیات کے طور پر پہچانے جاتے تھے۔

فرزند رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسلام اور قرآن کی راہ میں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے اسلام کے دیرینہ دشمن کے سامنے صف بستہ ہیں۔ وہ اپنی شہادت، اپنے خاندان کی قربانی، اور اہل حرم کی اسیری کے لئے تیار ہیں، لیکن دوسرے (دیندار افراد) آپؐ کے شانہ بشانہ چلنے اور آپؐ کی آواز سے آواز ملانے پر تیار نہیں۔ عبداللہ ابن عباسؓ، عبداللہ ابن زبیرؓ، عبداللہ ابن عمرؓ یہ وہ افراد ہیں جو اپنے آپ کو نمایاں مذہبی شخصیات میں سے سمجھتے ہیں اور دین کی وجہ سے لوگوں کے درمیان محبوبیت اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اب جبکہ احیائے اسلام اور مسلمانوں کی آزادی کی راہ میں شہادت اور قید و بند کا مسئلہ درپیش ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مسلمانوں کے درمیان ان کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔

نختیوں اور مشکلات ہی کے ذریعے بلند مرتبہ اور حقیقی مردوں اور مصنوعی، جھوٹے اور عام حالات میں سب سے بڑے مسلمان اور سب سے زیادہ مذہبی نظر آنے والے لوگوں کی پہچان ہوتی ہے اور ان کے چہروں پر پڑا ہوا نقاب اترتا ہے کہ: **فَإِذَا مُحْصُوا بِالْبَلَاءِ قَلَّ الدِّيَّانُونَ**۔ (جب امتحان میں ڈالے جائیں تو دیندار بہت کم رہ جاتے ہیں۔)



۴۳

محمد بن حنفیہ کے نام ایک خط

«بسم الله الرحمن الرحيم من الحسين بن علي (عليه السلام) الى محمد بن علي (عليه السلام) ومن قبله من بني هاشم اَمَّا بَعْدُ ، فَكَانَ الدُّنْيَا لَمْ تَكُنْ وَكَانَ الْآخِرَةُ لَمْ تَزَلْ . والسلام .» (۱)

ترجمہ اور تشریح

«ابن قولویہ» نے «کامل الزیارات» میں امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ امام حسینؑ نے کر بلا پہنچنے کے بعد محمد ابن حنفیہ اور بنی ہاشم کے ان افراد کے نام ایک خط تحریر کیا جو امامؑ کے ساتھ سفر میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ اس خط کا مضمون یہ ہے:

«بسم الله الرحمن الرحيم حسین ابن علی کی طرف سے محمد ابن علی اور ان کے ساتھ رہنے والے بنی ہاشم کے افراد کے نام۔ اَمَّا بَعْدُ گویا دنیا تھی ہی نہیں اور آخرت ہی سب کچھ ہے۔ والسلام۔»

امام علیہ السلام کا یہ کلام دنیا اور عالمِ آخرت کے بارے میں آپؑ کے اسی نظریے کی

نشاندہی کرتا ہے جو تمام ائمہ اطہار کا نظریہ ہے۔ آپ کا نظریہ بھی یہ ہے کہ اگر دنیا سے الہی فریضے اور ذمے داری کی ادائیگی کو منہا کر دیا جائے تو پھر اس دنیا کی کوئی قدر و قیمت وقعت اور اہمیت نہیں۔ کیونکہ کسی عارضی اور قابل زوال چیز کو اس سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ آپ کی نظر میں یہ پوری دنیاوی زندگی، اس کی لذتیں، مال و منال اور جاہ و حشم اور اس کی مشکلات، تکالیف اور اذیت و آزار، یکساں اور مساوی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ کی نگاہ میں ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

لیکن آپ کے نزدیک عالم آخرت بے حساب اور لامحدود عظمت کا مالک ہے اور اسے کسی بھی پیمانے اور کسی بھی ترازو سے نہیں تولہ جاسکتا۔ کیونکہ عالم آخرت دائمی اور ہمیشہ ہمیش رہنے والا ہے، زوال و فنا کا اسمیں گزر نہیں۔ اس کی سعادت و کامیابی، اسکی لذت و سرور دائمی، ناقابل زوال اور سب سے بڑھ کر خدا کی رضا و رضوان اسی میں ہے۔ اسی طرح آخرت کی تکالیف اور اذیتیں بھی کبھی نہ ختم ہونے والی ہیں۔

اس طرزِ تفکر کے نتیجے میں دنیا کو اس کی لذتوں، آسائشوں اور جاہ و جلال کے باوجود ترک کر دینا اور اس کے زرق و برق سے بے اعتنائی کرتے ہوئے آخرت سے تعلق قائم کرنا، انتہائی آسان اور فطری ہو جاتا ہے۔ ایسے انسان کے لئے دنیا کی تکالیف اور اذیت و آزار پر صبر کرنا نہ صرف قابل برداشت بلکہ لذت بخش اور شیریں ہوتا ہے۔

امام حسینؑ نے جس طرح اس طرزِ تفکر کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے اسی طرح اپنے عمل سے بھی اسکا اظہار کیا ہے اور تصورات اور عقائد کے مرحلے سے نکال کر برسرِ زمین اس پر عمل کر کے بھی دکھایا ہے۔

امامؑ نے اس کلام میں انتہائی سادہ اور مختصر الفاظ میں، ایک طرف تو اپنے بھائی محمد بن حنفیہ اور اپنے قبیلے کے افراد کے لئے دنیا اور آخرت کی حقیقت کو بیان کیا ہے اور زندگی کے آخری لمحات میں انہیں اپنے مواعظِ حسنہ سے مستفید فرمایا ہے اور دوسری طرف تمام دنیا والوں

اور خاص کر معاشرے کی ہدایت اور رہبری کے ذمے دار مذہبی راہنماؤں کے لئے اس راہ کا
تعیین کیا ہے اور اس طرزِ تفکر کی تعلیم فرمائی ہے جس کا انہیں حامل ہونا ضروری ہے۔



ابن زیاد کے خط کے جواب میں

«لَا أَفْلَحَ قَوْمٌ اشْتَرَوْا مَرْضَاتِ الْمَخْلُوقِ بِسَخَطِ
الْخَالِقِ».

..... مَا لَهُ عِنْدِي جَوَابٌ لِأَنَّهُ حَقَّتْ عَلَيْهِ كَلِمَةُ

الْعَذَابِ... (۱)

ترجمہ اور تشریح

«حرا بن یزید ریاحی» نے ایک خط کے ذریعے ابن زیاد کو امام کے کربلا پہنچنے کی اطلاع دی۔ یہ خبر پا کر ابن زیاد نے امام حسینؑ کے نام ایک خط ارسال کیا جس کا متن یہ ہے: اما بعد مجھے آپ کے کربلا پہنچنے کی اطلاع ملی ہے۔ امیر المومنین یزید ابن معاویہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس وقت تک چین سے نہ سوؤں اور سیر ہو کر کھانا نہ کھاؤں جب تک یا تو آپ کو قتل نہ کر دوں یا پھر آپ میرا حکم قبول کرتے ہوئے یزید کی حکومت کے مطیع نہ ہو جائیں۔ والسلام۔

امام نے ابن زیاد کا یہ خط پڑھ کر اسے زمین پر پھینک دیا اور فرمایا:

«لَا أَفْلَحَ قَوْمٌ اشْتَرَوْا.....» وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جو خالق کی

ناراضگی کی قیمت پر مخلوق کی خوشنودی اور رضا حاصل کرے۔»
 پھر جب قاصد نے خط کا جواب مانگا تو آپؐ نے اس کے جواب میں یہ جملہ ارشاد فرمایا:

«مَا لَهُ عِنْدِي جَوَابٌ لِأَنَّهُ حَقَّتْ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ.»
 «اس (ابن زیاد) کے لئے ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے لئے اللہ کا عذاب طے ہو چکا ہے۔»
 یعنی اس نے اللہ سے دشمنی اور جنگ کا راستہ اختیار کیا ہے۔
 جب واپس جا کے قاصد نے ابن زیاد کو اس کے خط پر امامؑ کے رد عمل سے آگاہ کیا تو وہ
 تیخ پا ہو گیا اور غصے میں پیچ و تاب کھانے لگا۔

درحقیقت امامؑ کا جواب وہی پیغام تھا جو آپؐ نے عاشورہ کے دن دیا اور فرمایا کہ:
 «ان الدّٰعی ابن الدّٰعی قدر کزنی بین اثنتین بین السّٰلّة و الدّٰلّة
 و هیّہات منا الدّٰلّة یا بّی اللّٰہ لنا ذلک و رَسُوْلُهُ.....»



۴۵

عمر ابن سعد سے گفتگو

«يَا بْنَ سَعْدٍ وَيَحْكُ اتَّقَاتِلْنِي؟ أَمَا تَتَّقِي اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ
مَعَادُكَ فَإِنَّا بَنُ مَنْ عَلِمْتَ أَلَا تَكُونُ مَعِيَ وَتَدْعُ هَؤُلَاءِ
فَإِنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى .

... مَا لَكَ ذَبَّكَ اللَّهُ عَلَى فِرَاشِكَ عَاجِلًا وَلَا
غَفَرَ لَكَ يَوْمَ حَشْرِكَ فَوَاللَّهِ إِنِّي لَا رَجُو أَنْ لَا تَأْكُلَ
مِنْ بُرِّ الْعِرَاقِ إِلَّا يَسِيرًا.....» (۱)

ترجمہ اور تشریح

«خطیب خوارزمی» نے نقل کیا ہے کہ حسین ابن علیؑ نے اپنے ایک ساتھی «عمر ابن قرقظہ
النصاری» کی وساطت سے عمر ابن سعد کو ملاقات کرنے اور باہمی گفت و شنید کا پیغام بھجوایا۔ عمر
ابن سعد نے امام کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اور آپؑ رات کے وقت (۲) اپنے بیس
ساتھیوں کے ہمراہ اس خیمے میں تشریف لے گئے جو دونوں لشکروں کے بیچ میں لگایا گیا تھا۔ امامؑ

۱۔ مقل خوارزمی۔ ج ۱۔ ص ۲۴۵۔

۲۔ قرآن سے پتا چلتا ہے کہ یہ ملاقات آٹھ یا نو محرم کی رات کو ہوئی۔

نے حکم دیا کہ ان کے بھائی ابو الفضل اور بیٹے علی اکبر کے سوا کوئی خیمے میں داخل نہ ہو۔ عمر ابن سعد نے بھی اپنے ساتھیوں کو جن کی تعداد بیس ہی تھی یہی حکم دیا اور اس کے ہمراہ اس کا بیٹا ((حفص)) اور خاص غلام خیمے میں گئے۔

امام نے اس ملاقات میں عمر ابن سعد سے مخاطب ہو کر فرمایا:

«يَا بَنَ سَعْدٍ اے ابن سعد! کیا مجھ سے لڑنا چاہتے ہو؟ کیا تمہیں خدا

کا کچھ خوف نہیں جس کی طرف تمہیں پلٹنا ہے؟ میں اس کا بیٹا ہوں جسے تم اچھی

طرح جانتے ہو۔ انہیں (بنی امیہ کو) چھوڑ کر میرے ساتھ ہو جاؤ کہ یہی

خدا کے نزدیک (پسندیدہ) ہے؟»

عمر ابن سعد نے جواب دیا: اگر آپ کا ساتھ دوں تو مجھے ڈر ہے کہ یہ لوگ کوفہ میں میرا

گھر ڈھا دیں گے۔

امام نے فرمایا: میں اپنے خرچے پر تمہارا گھر بنوادوں گا۔

عمر ابن سعد نے کہا: یہ میرے باغ اور نخلستان کو ضبط کر لیں گے۔

امام نے فرمایا: میں تمہیں حجاز میں ایسے باغ دلوادوں گا جو تمہارے کوفہ کے باغ سے

بہتر ہوں گے۔

عمر ابن سعد نے کہا: میرے بیوی بچے کوفہ میں ہیں یہ لوگ انہیں مروادیں گے۔

امام نے جب یہ دیکھا کہ وہ مسلسل بہانے بنا رہا ہے اور کسی طرح اس کی توبہ کی امید

نہیں تو یہ کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھے کہ:

مَا لَكَ ذَبَّكَ اللَّهُ عَلَى فِرَاشِكَ تمہیں کیا ہوا ہے؟ خدا جلد

ہی تمہیں تمہارے بستر میں ذبح کرائے گا اور روزِ محشر تمہارے گناہوں سے

درگزر نہ کرے گا۔ خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ عراق کی گندم میں سے بہت ہی کم

تم کھا پاؤ گے۔»

عمر ابن سعد نے طنزاً کہا کہ: میرے لئے عراق کی ((جو)) ہی کافی ہے۔»

امام کے ان جملات کا مفہوم

امام کا یہ کلام دو قابل توجہ اور حساس نکات پر مشتمل ہے:

۱- جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں، امام اپنے سخت ترین اور خون کے پیا سے دشمن ((عمر ابن سعد)) کی بھی خیر خواہی چاہتے ہوئے اس سے گفتگو کرتے ہیں اور وعظ و نصیحت سے کام لیتے ہیں تاکہ اسے بدبختی اور ہلاکت سے نجات دلائیں۔ اور جب وہ فضول اور مادی بہانوں کا سہارا لیتا ہے اور گھر اور نخلستان کا ذکر کرتا ہے، تب بھی جواب میں امام اسے اپنے تعاون کا یقین دلاتے ہیں اور ان نقصانات کی تلافی کا وعدہ کرتے ہیں۔

۲- دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ امام اس گفتگو میں اس کے برے انجام کی پیش گوئی فرماتے ہیں۔ لہذا جب دیکھتے ہیں کہ اس پر وعظ و نصیحت کا کوئی اثر نہیں پڑ رہا، تو فرماتے ہیں کہ نہ ہی تو زیادہ عرصے جی سکے گا اور نہ ہی تیرا یہ جاہ و مقام باقی رہے گا۔

امام کی عمر ابن سعد کے ساتھ ہونے والی آئندہ گفتگو میں، ابن سعد کے انجامِ بد کے بارے میں قارئین کی خدمت میں مزید وضاحت کریں گے۔ انشاء اللہ۔



نویں محرم کے دن عصر کے وقت امام کی گفتگو

«إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ فِي الْمَنَامِ فَقَالَ لِي: إِنَّكَ صَائِرٌ
إِلَيْنَا عَنْ قَرِيبٍ... إِرْكَبْ بِنَفْسِي أَنْتَ يَا أَخِي حَتَّى
تَلْقِيَهُمْ فَتَقُولَ لَهُمْ مَا لَكُمْ وَمَا بَدَأَ لَكُمْ وَتَسْأَلَهُمْ عَمَّا
جَاءَ بِهِمْ.

...إِرْجِعْ إِلَيْهِمْ فَإِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُؤَخِّرَهُمْ إِلَى غُدْوَةٍ وَ
تَدْفَعَهُمْ عَنَّا الْعَشِيَّةَ نُصَلِّيَ لِرَبِّنَا اللَّيْلَةَ وَ نَدْعُوهُ وَ
نَسْتَغْفِرُهُ فَهُوَ يَعْلَمُ إِنِّي أَحِبُّ الصَّلَاةَ وَ تِلَاوَةَ كِتَابِهِ وَ
كَثْرَةَ الدُّعَاءِ وَ الْإِسْتِغْفَارِ. « (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

صَائِرٌ (صَارَ يَصُورُ سے): پلٹ آؤ۔ عربی میں کہتے ہیں: صَارَ وَجْهَهُ إِلَى: اس
نے اپنا چہرہ میری طرف پلٹایا۔ غُدْوَةٍ: صبح سویرے۔ عَشِيَّةٍ: رات کے وقت۔

۱- انساب الاشراف - ج ۳ - ص ۱۸۵ تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۳۱۹ اور ۳۲۰، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ -

ص ۳۸۵، ارشاد مفید - ص ۲۴۰۔

ترجمہ اور تشریح

«طبری» نے تحریر کیا ہے کہ نویں محرم، جمعرات کے دن، عصر کے وقت «عمر ابن سعد» نے حملے کا حکم دیا اور اس کے لشکر نے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ امام حسین علیہ السلام اس وقت اپنے خیمے کے باہر تلوار پر ٹیک لگائے بیٹھے، ہلکی سی نیند میں تھے۔

جب حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے عمر سعد کے لشکر کا شور سنا اور انہیں آگے بڑھتے دیکھا تو امام کے نزدیک تشریف لائیں اور عرض کیا: اے بھائی! دیکھئے دشمن خیموں کے قریب آ گیا ہے۔

امام نے سراٹھایا اور پہلے تو یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ: «إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ فِي الْمَنَامِ فَقَالَ لِي: إِنَّكَ صَائِرٌ إِلَيْنَا عَنْ قَرِيبٍ» (میں نے رسول اللہ کو خواب میں دیکھا ہے جو مجھ سے فرما رہے تھے کہ میرے فرزند! تم جلد ہی میرے پاس آ جاؤ گے۔) اسکے بعد اپنے بھائی ابو الفضل العباس سے فرمایا: میں تم پر قربان جاؤں، سوار ہو کر جاؤ، ان سے ملو اور پوچھو کہ کیا چاہتے ہیں؟

امام کے حکم کے مطابق ابو الفضل العباس بیس آدمیوں کے ساتھ جن میں زہیر ابن قین اور حبیب ابن مظاہر بھی شامل تھے دشمن کی طرف گئے اور ان کے قریب جا کر ان سے آگے بڑھنے کا سبب دریافت کیا۔ عمر ابن سعد کے سپاہیوں نے جواب دیا: امیر «ابن زیاد» کی طرف سے ایک تازہ حکم آیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یا تو آپ لوگ بیعت کریں بصورت دیگر ہم اسی وقت جنگ شروع کر دیں گے۔

حضرت ابو الفضل واپس تشریف لائے اور امام کی خدمت میں ان کا مطالبہ پیش کیا۔ امام نے فرمایا:

«...إِرْجِعْ إِلَيْهِمْ فَإِنْ اسْتَطَعْتَ...» ان کے پاس واپس جاؤ اور اگر

ممکن ہو تو اس ایک رات کی مہلت مانگ لو اور جنگ کو کل صبح تک کے لئے ٹال دو تاکہ آج کی رات ہم نماز، استغفار اور اللہ کے ساتھ راز و نیاز میں بسر کریں۔ خدا جانتا ہے کہ مجھے نماز، تلاوت قرآن اور کثرت سے دعا اور استغفار کس قدر پسند ہیں۔»

حضرت ابو الفضل العباسؑ ایک مرتبہ پھر دشمن کی طرف گئے اور اس سے ایک رات کی مہلت طلب کی۔ عمر ابن سعدؓ یہ تجویز قبول کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔ لہذا اس نے اپنے لشکر کے سرداروں کے سامنے مسئلہ رکھا اور ان کی رائے جاننا چاہی۔

«عمر بن حجاج» نامی ایک سردار نے کہا: سبحان اللہ! اگر یہ لوگ «ترک» یا «دیلی» ہوتے اور اس قسم کی مہلت طلب کرتے تب بھی تمہیں انہیں مثبت جواب دینا چاہئے تھا جبکہ یہ تو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل اولاد ہیں۔

«قیس ابن اشعث» نامی ایک اور سردار نے کہا: میرا بھی یہی خیال ہے کہ حسین ابن علی کی اس درخواست کا مثبت جواب دینا چاہئے۔ کیونکہ نہ تو انہوں نے پسپائی کی خاطر یہ درخواست کی ہے اور نہ ہی اپنی رائے پر نظر ثانی کے لئے۔ بلکہ خدا کی قسم کل ان کے لوگ تم سے پہلے جنگ شروع کر دیں گے۔

«عمر ابن سعد» نے کہا: اگر ایسا ہے تو پھر ہم کیوں انہیں ایک رات کی مہلت دیں؟ بہر حال کافی بحث و گفتگو کے بعد «عمر ابن سعد» نے حضرت ابو الفضل العباسؑ کو یہ جواب دیا: ہم آپ لوگوں کو آج رات کی مہلت دے رہے ہیں۔ اگر آپ تسلیم ہو گئے اور آپ نے امیر کے فرمان کے سامنے سر جھکا دیا تو ہم آپ کو اس کے دربار میں لے چلیں گے اور اگر نہ مانے تو ہم آپ کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیں گے بلکہ جنگ آپ کے مقدر کا فیصلہ کرے گی۔ یوں امام حسین علیہ السلام کی درخواست کو قبول کیا گیا اور آپؑ کو شب عاشور کی مہلت دے دی گئی۔

نماز کی اہمیت

امام کی اس درخواست سے نماز، دعا، اللہ کی بارگاہ میں مناجات اور تلاوت قرآن مجید کی اہمیت کو سمجھا جاسکتا ہے۔ امام کو یہ اعمال اس قدر محبوب تھے کہ آپؐ نے ان کے لئے اپنے پست دشمن سے مہلت کی درخواست کی تاکہ اپنی زندگی کی ایک اور رات ان اعمال کی انجامدہی میں بسر کریں۔ ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ حسین ابن علیؑ نے اسی نماز، قرآن اور اسلامی شعائر کو زندہ کرنے کے لئے زمین کر بلا کا رخ کیا تھا اور دعا اور مناجات الہی میں گزرنے والے لمحات آپؐ کی زندگی کے پر لطف اور عزیز ترین اوقات ہوا کرتے تھے۔ لہذا جب بھی کوئی گروہ اللہ کی خاطر قیام کرے تو اسے چاہئے کہ انہی اعمال کو اپنی نشانی اور معیارِ عمل قرار دے۔ اسی بنا پر امام علیہ السلام کی زیارت میں درج ہے:

وَأَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ أَقَمْتَ الصَّلَاةَ وَآتَيْتَ الزَّكَاةَ وَأَمَرْتَ
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَيْتَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَطَعْتَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَتَّى
أَتَاكَ الْيَقِينُ. (اقتباس از زیارت وارثہ)

»میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ نے نماز کو قائم کر دیا ہے، زکات کو ادا کر دیا ہے، نیکیوں کا حکم دیا ہے، برائیوں سے روکا ہے، اور خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کی ہے، یہاں تک کہ موت سے ہمکنار ہو گئے۔«



شبِ عاشورا امام حسینؑ کا خطاب

«اُثْنِي عَلَى اللَّهِ أَحْسَنَ الثَّنَاءِ وَ أَحْمَدُهُ عَلَى السَّرِّاءِ وَ
الضَّرَّاءِ. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَحْمَدُكَ عَلٰی اَنْ اَكْرَمْتَنَا بِالنُّبُوَّةِ وَ
عَلَّمْتَنَا الْقُرْآنَ وَ فَهَّمْتَنَا فِی الدِّیْنِ وَ جَعَلْتَ لَنَا اَسْمَاعًا وَ
اَبْصَارًا وَ اَفِئْدَةً وَ لَمْ تَجْعَلْنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ لَا اَعْلَمُ اَصْحَابًا اَوْلٰی وَ لَا خَيْرًا مِنْ
اَصْحَابِیْ وَ لَا اَهْلَ بَيْتِ اَبْرَ وَ لَا اَوْصَلَ مِنْ اَهْلِ بَيْتِیْ
فَجَزَاكُمُ اللّٰهُ عَنِّیْ جَمِیْعًا خَيْرًا .

وَ قَدْ اَخْبَرَنِیْ جَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِہٖ
وَ اٰلِہٖ سَاسًا قُ اِلٰی الْعِرَاقِ فَانْزَلُ اَرْضًا یُقَالُ لَهَا عَمُورًا وَ
کَرْبَلًا وَ فِیْهَا اُسْتُشْهِدُ وَ قَدْ قَرُبَ الْمَوْعِدُ .

اَلَا وَ اِنِّیْ اَظُنُّ یَوْمَنَا مِنْ هٰؤُلَاءِ الْاَعْدَاءِ غَدًا وَ اِنِّیْ قَدْ
اَذِنْتُ لَکُمْ فَاَنْطَلِقُوْا جَمِیْعًا فِی حِلٍّ لِّیْسَ عَلَیْکُمْ مِنِّْیْ
ذِمَامٌ وَ هٰذَا اللَّیْلُ قَدْ غَشِیَکُمْ فَاتَّخِذُوْهُ جَمَلًا وَ لِیَاْخُذْ

كُلُّ رَجُلٍ مِنْكُمْ بِيَدِ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي فَجَزَاكُمْ اللَّهُ
جَمِيعاً خَيْراً . وَ تَفَرَّقُوا فِي سَوَادِكُمْ وَ مَدَائِنِكُمْ فَإِنَّ
الْقَوْمَ إِنَّمَا يَطْلُبُونََنِي وَ لَوْ أَصَابُونِي لَذَهَلُوا عَنْ طَلَبِ
غَيْرِي . (۱)

حَسْبُكُمْ مِنَ الْقَتْلِ بِمُسْلِمٍ إِذْهَبُوا قَدْ أَذِنْتُ لَكُمْ . (۲)
إِنِّي غَدًا أَقْتُلُ وَ كُلُّكُمْ تُقْتَلُونَ مَعِيَ وَ لَا يَبْقَى مِنْكُمْ أَحَدٌ
حَتَّى الْقَاسِمِ وَ عَبْدِ اللَّهِ الرَّضِيعِ . (۳)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

سَرَاءٌ : آرام اور آسائش۔ ضَرَاءٌ : مشکلات، سختی اور رنج۔ أَفِيدَةٌ (فُؤَاد کی جمع) : دل۔ اَبَرَّ (بَرَّيْرُ سے صیغہ فعل تفضیل) : سب سے زیادہ پرہیزگار، سب سے زیادہ نیک۔ اَوْصَلَ (وَصَلَ يَصِلُ سے صیغہ فعل تفضیل) : ایسا شخص جو رشتہ داری کے حق کو احسن طریقے سے نبھائے۔ اُسَاقُ (سَاقُ يَسُوقُ کا صیغہ مجہول) : کھینچنا۔ حَلَّ : معاہدے کی ذمہ داریاں ختم کرنا۔ ذِمَامٌ : وعدہ اور معاہدہ۔ سَوَادٌ : آبادی۔ مَدَائِنُ (مَدِينَةٍ کی جمع) : شہر۔ اَصَابَهُ : اس تک پہنچ گئے۔ ذَهَلَ ذَهُولًا : اسے چھوڑ دیا، بھلا دیا۔

۱ اور ۲۔ یہ خطبہ تاریخ طبری۔ ج ۷۔ ص ۳۲۱ اور ۳۲۲، تاریخ کامل ابن اثیر۔ ج ۳۔ ص ۲۸۵، ارشاد مفید۔ ص ۲۳۱، لہوف۔ ص ۷۹، مقتل خوارزمی۔ ج ۱۔ ص ۲۳۶ اور طبقات ابن سعد میں موجود ہے لیکن اس خطبے کا جملہ: وَ
قَدْ اخْبَرَنِي جَدِّي ... تاریخ طبری میں نہیں ہے۔
۳۔ یہ جملہ ((نفس المہوم)) میں نقل کیا گیا ہے۔

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؑ نے نویں محرم کے دن دشمن کی طرف سے مہلت ملنے کے بعد غروبِ آفتاب سے قبل (یا مغرب کی نماز کے بعد) خاندان بنی ہاشم کے افراد اور اپنے اصحاب کے سامنے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

«اُثْنِي عَلَى اللَّهِ أَحْسَنَ الثَّنَاءِ..... میں اللہ تعالیٰ کی بہترین تعریف و ثنا کرتا ہوں اور آسائشوں اور سختیوں میں اسی کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تیری حمد بجالاتا ہوں کہ تو نے ہمارے گھرانے کو نبوت کے ذریعے شرف و احترام عنایت فرمایا، اور ہمیں قرآن کی تعلیم دی، ہمیں دین کی سمجھ بوجھ عطا کی اور ہمیں (حق کو سننے والے) کان، (حق کو دیکھنے والی) آنکھیں اور (روشن اور نورانی) قلب عطا فرمایا، اور ہمیں مشرکوں میں قرار نہیں دیا۔

«أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي..... اما بعد میں نے اپنے اصحاب سے بہتر اصحاب کہیں نہیں دیکھے اور نہ کسی کے اہل خانہ اپنے اہل بیت سے بڑھ کر باوفا اور حق شناس پائے۔ خدا آپ سب کو میری طرف سے جزائے خیر عنایت کرے۔»

«وَقَدْ أَخْبَرَنِي جَدِّي رَسُولُ اللَّهِ..... میرے نانا رسول اللہؐ نے مجھے بتایا تھا کہ مجھے عراق بلایا جائے گا اور میں ((عمور)) اور ((کربلا)) نامی ایک مقام پر ٹھہروں گا اور وہیں شہید کر دیا جاؤں گا۔ اب اس شہادت کا وقت آ پہنچا ہے۔ میرے خیال میں کل ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کا دن ہوگا۔ میں آپ سب کو چلے جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ میں نے آپ سب پر سے اپنی بیعت اٹھالی ہے اور اب آپ لوگوں کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ رات کی تاریکی نے آپ سب کو چھپایا ہوا ہے اس سے فائدہ اٹھائیے۔ آپ میں سے

ہر شخص میرے اہل بیت میں سے کسی ایک کا ہاتھ تھام کر اسکے ساتھ یہاں سے چلا جائے۔ خدا آپ سب کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔ آپ سب اپنے اپنے علاقوں اور شہروں کی طرف چلے جائیے۔ یہ لوگ میرے درپے ہیں اور اگر مجھے مار لیں تو پھر دوسروں سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوگا۔»

آخری امتحان

حسین ابن علیؑ جنہوں نے مدینہ سے لے کر کربلا تک سفر کے دوران مختلف موقعوں پر اپنی شہادت کا اعلان کیا، اپنے اصحاب سے بیعت اٹھائی اور انہیں جانے کی اجازت دی، شبِ عاشور آخری مرتبہ ایک بار پھر انتہائی صاف الفاظ میں اسی بات کا اعلان فرماتے ہیں اور: قَدْ قَرُبَ الْمَوْعِدُ کہہ کر اپنے اصحاب کو بتاتے ہیں کہ: اب شہادت کا وقت انتہائی نزدیک آ پہنچا ہے، میں نے تم پر سے اپنی بیعت اٹھالی ہے، رات کی اس تاریکی سے فائدہ اٹھاؤ اور اپنے علاقوں کو چلے جاؤ۔

یہ پیشکش درحقیقت امام حسین علیہ السلام کی طرف سے اپنے اصحاب کی آخری آزمائش تھی۔ اس کے جواب میں امامؑ کے ہر صحابی نے اپنے مخصوص الفاظ کے ذریعے امامؑ سے اپنی وفاداری اور خون کے آخری قطرے تک اپنی پامردی اور استقامت کا اعلان کیا اور یوں اس آزمائش میں بھی سرخرو اور کامیاب ہوئے۔

اس موقع پر امامؑ کے باوفا اہل بیت اور جاں نثار اصحاب میں سے چند کے بیانات یہاں درج کئے جا رہے ہیں:

۱۔ امام علیہ السلام کی تقریر ختم ہونے کے بعد سب سے پہلے ان کے بھائی ابو الفضل العباسؑ نے کلام کیا اور فرمایا: لَا أَرَانَا اللَّهَ ذَلِكَ أَبَدًا (خدا کبھی ایسا دن نہ دکھلائے) کہ ہم آپ کو چھوڑ کر اپنے گھروں کی طرف واپس چلے جائیں۔

۲- ان کے بعد بنی ہاشم کے تمام ہی افراد نے حضرت ابو الفضل العباسؑ کی گفتگو دہرائی۔ امامؑ نے حضرت عقیل کے صاحبزادوں کی طرف دیکھا اور فرمایا: حَسْبُكُمْ مِنَ الْقَتْلِ بِمُسْلِمٍ اِذْهَبُوا قَدْ اَذْنُتُ لَكُمْ (تم لوگوں کی طرف سے مسلم کی قربانی کافی ہے، تم لوگ چلے جاؤ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔)

انہوں نے امامؑ کے جواب میں فرمایا: اگر ہم چلے گئے اور ہم سے پوچھا گیا کہ اپنے مولا اور آقا کو چھوڑ کر کیوں چلے آئے، تو ہم کیا جواب دیں گے؟ نہیں، خدا کی قسم ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے، بلکہ اپنی مال و دولت، جان اور اپنی اولادیں آپؑ کی راہ میں قربان کر دیں گے اور آخری دم تک آپؑ کی رکاب میں رہتے ہوئے جنگ کریں گے۔

۳- اس موقع پر ((مسلم ابن عوسجہ)) نے بھی خطاب کیا اور کہا: ہم کیسے آپؑ کی مدد سے ہاتھ اٹھا لیں؟ اس صورت میں خدا کے حضور کیا عذر پیش کریں گے؟ خدا کی قسم میں آپؑ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اپنے نیزے سے آپؑ کے دشمنوں کے سینے چھید ڈالوں گا اور جب تک تلوار ہاتھ میں ہے، ان سے جنگ کروں گا، اور اگر کوئی اسلحہ نہ رہا تو پتھروں سے ان پر حملہ کروں گا، یہاں تک کہ اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دوں۔

۴- امامؑ کے ایک اور صحابی ((سعد ابن عبداللہ)) نے کہا: خدا کی قسم، ہم ہرگز آپؑ کی مدد ترک نہیں کریں گے، تاکہ خدا کے حضور ثابت کر سکیں کہ ہم نے آپؑ کے سلسلے میں نبی اکرمؐ کے حق کا لحاظ رکھا ہے۔ خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہو کہ ستر مرتبہ مارا جاؤں گا اور ہر مرتبہ میرے جسم کو جلا کر راکھ کرنے کے بعد زندہ کیا جائے گی تب بھی آپؑ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا اور ہر مرتبہ زندہ ہونے کے بعد آپؑ کی مدد کروں گا، حالانکہ میں جانتا ہوں کہ موت صرف ایک ہی مرتبہ آئے گی اور اس کے بعد اللہ کی لازوال نعمتیں ہیں۔

۵- «زہیر ابن قین» نے کہا: اے فرزند رسول! خدا کی قسم میں تو چاہتا ہوں کہ آپؐ کی حمایت میں ہزار بار مارا جاؤں، پھر زندہ ہوں اور پھر مارا جاؤں اور ہر بار میری یہ آرزو ہو کہ میرے مارے جانے سے آپؐ یا ان بنی ہاشم کے کسی جوان کی جان بچ جائے۔

۶- اسی اثنا میں امامؑ کے ایک صحابی «محمد بن بشیر حضرمی» کو خبر ملی کہ ان کا بیٹا قید کر لیا گیا ہے۔ امامؑ نے فرمایا: تم میری طرف سے آزاد ہو جاؤ اور اپنے بیٹے کو چھڑانے کی کوشش کرو۔ «محمد بن بشیر» نے کہا: خدا کی قسم میں کسی بھی صورت میں آپؐ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ مزید کہا: اگر میں آپؐ کو چھوڑوں تو جنگل کے درندے میرے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنی غذا بنا لیں۔ امامؑ نے چند قیمتی لباس انہیں دیئے تاکہ وہ یہ لباس ان لوگوں کے حوالے کر دیں جو ان کے بیٹے کو چھڑانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ (۱)

جب امام حسینؑ نے بنی ہاشم کے افراد اور اپنے اصحاب کے اس ردِ عمل کا مشاہدہ کیا اور ان کی زبانی وہ کلمات سنے جو ان کی معرفت احساسِ ذمہ داری اور امامت سے وفاداری کی دلیل تھے تو انہیں ان الفاظ میں دعادی: جَزَاكُمُ اللّٰهُ خَيْرًا (خدا تم سب کو بہترین جزا عنایت فرمائے) اور پھر انتہائی دو ٹوک اور واضح الفاظ میں فرمایا:

«إِنِّي غَدًا أُقْتَلُ وَ كُلُّكُمْ تُقْتَلُونَ مَعِيَ وَ لَا يَبْقَى مِنْكُمْ أَحَدٌ حَتَّى الْقَاسِمِ وَ عَبْدِ اللّٰهِ الرَّضِيعِ.»

«میں کل مارا جاؤں گا اور آپ سب بھی مارے جائیں گے، کوئی ایک بھی نہ بچے گا، یہاں تک کہ قاسم اور شیر خوار عبد اللہ بھی باقی نہ رہیں گے۔»

یہ سن کر امامؑ کے اصحاب نے ایک آواز ہو کر کہا: ہم بھی خداوند متعال کے شکر گزار ہیں

۱- یہ تجھے جواب تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۳۲۲، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۳۸۵، ارشادِ شیخ مفید - ص ۳۲۱، اعلام الوری - ص ۲۳۵، لبوف - ص ۸۱، مقتل خوارزمی - ج ۱ - ص ۲۴۷ میں موجود ہیں۔

کہ اس نے ہمیں آپ کی مدد کی توفیق دے کر فضیلت بخشی اور آپ کے ہمراہ شہادت دے کر عزت و شرافت عنایت فرمائی۔ اے فرزند رسول! کیا ہم اس بات پر خوش نہ ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہیں گے؟

«خراج راوندی» میں تحریر ہے کہ امام نے ان کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹا دیا اور یک بیک ان سب نے جنت میں اپنے مقام اور ان نعمتوں کو دیکھا جو وہاں انہیں دی جائیں گی۔ (۱)

ایک مشہور اور غلط جملہ

جو کچھ بیان ہوا وہ عاشور کی رات کا ایک منظر تھا اور اس میں امام علیہ السلام کی وہ گفتگو ذکر ہوئی جس میں انہوں نے اپنے اصحاب کی تعریف و تجید کی اور اسی کے ساتھ اصحاب ابا عبد اللہ کا شجاعانہ جواب بھی ذکر ہوا۔ البتہ بعض تاریخی کتب اور مقاتل میں امام علیہ السلام کے چند اصحاب کے ردِ عمل کے بارے میں ایک روایت حضرت سکیئہ بنت الحسین کے توسط سے نقل کی گئی ہے اور جو بعض ذاکرین اور خطیبوں کے درمیان مشہور بھی ہے لیکن ہماری رائے میں اور تاریخی اعتبار سے یہ روایت بالکل غلط ہے۔

مذکورہ روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ سکیئہ بنت الحسین نے بیان کیا کہ: میں اپنے خیمے میں بیٹھی ہوئی تھی کہ میرے والد نے اپنی شہادت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم میں سے جو کوئی شہادت کا مشتاق نہیں وہ رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھائے اور اپنے شہر و دیار کو واپس چلا جائے۔ ابھی امام کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ان کے اصحاب دس دس اور بیس بیس کی ٹکڑیوں کی صورت میں جانا شروع ہو گئے اور صرف ستر سے کچھ اوپر افراد باقی رہ گئے۔

شبِ عاشور سے متعلق یہ روایت درج ذیل دلائل کی روشنی میں درست نہیں:

۱- جہاں تک ہماری دسترس ہے مستند، معتبر اور پہلے درجے کے تاریخی ماخذ میں ایسی کوئی روایت نہیں ملی۔ البتہ ایسی ایک روایت تیسرے اور چوتھے درجے کے ماخذ میں پائی گئی ہے۔ مثال کے طور پر «ناخ التوارخ» میں کسی حوالے کے بغیر اور اسی طرح «معالی السبطین» میں «نور العین» (۱) نامی ایک کتاب کے حوالے سے یہ روایت بیان ہوئی ہے۔

۲- یہ روایت اس بیان کے بالکل مخالف ہے جسے ہم نے «زبالہ» کے مقام پر امام کی گفتگو کے ضمن میں «مرحوم شیخ مفید» اور «طبری» کے حوالے سے ذکر کیا ہے جس میں ان حضرات نے کہا ہے کہ وہ لوگ جو دنیاوی مال و متاع کی لالچ میں امام علیہ السلام کے ساتھ چلے آئے تھے وہ «زبالہ» کے مقام پر (امام کی طرف سے) چلے جانے کی اجازت پاتے ہی واپس چلے گئے اور اس کے بعد امام کے ہمراہ صرف وہی لوگ رہ گئے جو مرتے دم تک امام کا ساتھ دینے کا عزم رکھتے تھے۔

لہذا سوال یہ ابھرتا ہے کہ پھر یہ لوگ کہاں سے آگئے جو شبِ عاشور دس دس اور بیس بیس کی ٹکڑیوں کی صورت میں متفرق ہوئے تھے؟

ایک اور مویذ: اس نظریے کی تائید «مرحوم طبری» کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جسے انہوں نے امام کے اپنے اصحاب کو واپسی کی اجازت دینے والے خطاب اور اس کے جواب میں اصحابِ حسینی میں سے چند کے اقوال نقل کرنے کے بعد (جنہیں ہم نے بھی بیان کیا

۱- «الذریعہ» میں «نور العین» نام کی دو کتابوں کا ذکر ہوا ہے دونوں «مقتل» ہیں اور دونوں ہی ہندوستان میں طبع ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک کے مصنف معاصر علما میں سے ہیں جبکہ دوسری کے مصنف کا علم نہیں ہو سکا۔ بہر حال یہ کتاب کسی تاریخی سند کے بغیر از خود کوئی تاریخی حوالہ قرار نہیں دی جاسکتی۔

ہے) تحریر کیا ہے کہ امام نے ان سے فرمایا: فجزاکم اللہ خیراً وانصرف الیٰ مضربہ
(خدا تمہیں بہترین جزا دے اور (اس کے بعد آپؐ) اپنے خیمے میں واپس تشریف لے
آئے۔) (۱)

اگر شبِ عاشور اصحاب کے چلے جانے کی روایت صحیح ہوتی تو یقیناً مرحوم «طبری» اس
موقع پر اسے بیان کرتے یا کم از کم اس بارے میں کچھ اشارہ ہی کرتے لیکن جیسا کہ ہم نے
دیکھا، ان کے کلام میں ایسی کسی بات کا کوئی ذکر نہیں۔

کچھ بعید نہیں کہ جو کچھ حضرت سیکنہ کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے، وہ اگر صحیح ہو تو
«زبالہ» کے مقام کے حوالے سے ہو، اور جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں، ان کی گفتگو میں شبِ عاشور
کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، بلکہ اسے «ایک رات» کا واقعہ کہا گیا ہے (۲) لیکن بعض مصنفین نے
اور اکثر خطیبوں نے اس «ایک رات» کو «زبالہ» کی بجائے عاشور کی رات قرار دے دیا ہے۔



۱۔ اعلام الوریٰ - ص ۲۳۶۔

۲۔ اسکا متن «معالی السبطین» میں دیکھئے۔

شجاعت کا ایک بیان

«وَاللّٰهُ لَقَدْ بَلَوْتُهُمْ فَمَا وَجَدْتُ فِيهِمْ إِلَّا الْأَشْوَسَ
الْأَقْعَسَ يَسْتَأْنِسُونَ بِالْمَنِيَّةِ دُونِي اسْتَيْنَاسَ الطِّفْلِ إِلَى
مَخَالِبِ أُمِّهِ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

بَلَوْتُ (بلی یلو سے): امتحان لینا۔ اَشْوَس: بہادر، جنگجو، انتہائی شجاع۔ اَقْعَس:
: ثابت قدم۔ اسْتَيْنَاس: محبت اور بہت زیادہ پسندیدگی۔ مَخَالِب: پستان۔

ترجمہ اور تشریح

«مرحوم مقرر» نے نقل کیا ہے کہ شبِ عاشور امام علیہ السلام رات کی تاریکی میں اپنے
خیموں سے کچھ دور چلے گئے۔ «نافع بن ہلال» جو امام کے اصحاب میں سے تھے آپ کے
پاس تشریف لائے اور خیموں سے دور آنے کا سبب دریافت کیا اور یہ بھی کہا کہ: اے فرزند
رسول! آپ کو یوں اس سرکش شخص کے لشکر کے قریب دیکھ کر میں پریشان اور وحشت زدہ ہو
گیا۔

۱- امام کا یہ جملہ اور اس سے مربوط مطالب مقتل مقرر- ص ۲۶۲ سے نقل کئے گئے ہیں۔

امامؑ نے ان کے جواب میں فرمایا: اِنِّیْ خَرَجْتُ اَتَوَقَّعُ التَّلَاعَ وَ الرِّوَابِیْ مَخَافَةً اَنْ تَكُوْنَ مَكْمَنًا لِّهُجُوْمِ الْخَیْلِ یَوْمَ تَحْمَلُوْنَ وَ یَحْمِلُوْنَ. (میں خیموں کے اطراف کی بلندیوں اور گہرائیوں کا جائزہ لینے کے لئے آیا تھا تا کہ کہیں کوئی ایسی جگہ نہ ہو جہاں سے دشمن چھپ کر حملہ کرے یا تمہارے حملوں سے بچنے کے لئے اس جگہ سے استفادہ کرے۔)

پھر امام علیہ السلام نے «نافع» کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا: هِیَ وَاللّٰهِ وَغَدَّ لَا خُلْفَ فِیْهِ (آج ہی کی رات کا وعدہ ہے خدا کی قسم اس وعدے کو ضرور پورا ہونا ہے۔) اس کے بعد امامؑ نے چاند کی روشنی میں نظر آنے والی پہاڑیاں «نافع» کو دکھائیں اور فرمایا: اَلَا تَسْلُکُ بَیْنَ هٰذَیْنِ الْجَبَلَیْنِ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ وَ تَنْجُوْ نَفْسَکَ (کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ رات کی اس تاریکی میں ان پہاڑیوں کے درمیان چھپ کر اپنی جان بچالو؟) «نافع بن ہلال» امامؑ کے قدموں میں گر پڑے اور عرض کیا: تَکَلَّتْنِیْ اُمِّیْ اِنْ سَیْفِیْ بِاَلْفٍ وَ فَرَسِیْ مِثْلُهُ فَوَ اللّٰهِ الَّذِیْ مَنَّ بِکَ عَلَیْ لَا فَاَرَقْتُکَ حَتّٰی یُکَلِّا عَنْ فَرَسِیْ وَ جَرِّیْ (میری ماں میری موت کا ماتم کرے۔ میں نے یہ تلوار ہزار درہم میں خریدی ہے اور یہ گھوڑا بھی ہزار درہم میں خریدا ہے۔ اس خدا کی قسم جس نے آپؐ کی محبت عنایت کر کے مجھ پر احسان کیا جب تک اس تلوار کی دھار باقی ہے اور جب تک یہ گھوڑا تھکن سے چور نہیں ہو جاتا میں آپؐ کے ساتھ رہوں گا۔)

مقرر «نافع بن ہلال» (۱) سے نقل کرتے ہیں: امامؑ اطراف کے علاقے کا جائزہ

۱- نافع بن ہلال امامؑ کے اصحاب میں سے تھے۔ جنگ کے دوران سخت زخمی ہونے کی وجہ سے بے ہوش ہو کر شہدا کے درمیان گر گئے تھے۔ بعد میں قیدی بنا کر کوفہ لے جائے گئے۔ عاشورا کے کچھ واقعات جن میں مذکورہ بالا واقعہ بھی شامل ہے نافع کے ذریعے نقل ہوئے ہیں۔

لینے کے بعد خیموں کی طرف واپس آئے اور جنابِ زینبؓ کے خیمے میں داخل ہو گئے۔ میں اس خیمے کے باہر پہرہ دینے لگا۔ زینبؓ کبرئیؓ نے عرض کیا۔ اے بھائی! کیا آپ نے اپنے اصحاب کا امتحان لے لیا ہے؟ کیا ان کی نیت اور استقامت کو جانچ لیا ہے؟ ایسا نہ ہو کہ سختی پڑنے پر یہ آپ سے دستکش ہو جائیں اور آپ کو دشمنوں کے درمیان تنہا چھوڑ دیں۔

امامؑ نے جواب دیا:

«وَاللّٰهِ لَقَدْ بَلَوْتُهُمْ..... خدا کی قسم میں نے انہیں آزمالیا ہے۔ یہ سب

شجاع اور ثابت قدم ہیں۔ یہ لوگ میرے ہمراہ مارے جانے کے ایسے ہی

مشتاق ہیں جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کے دودھ کا مشتاق ہوتا ہے۔»

«نافع» کہتے ہیں: میں نے جب یہ سوال اور اس کا جواب سنا تو شدتِ گریہ سے میرا دل

بھر آیا۔ میں «حبیب ابن مظاہر» کے پاس آیا اور امامؑ اور ان کی بہن کے درمیان ہونے والی

جو گفتگو میں نے سنی تھی وہ ان کے گوش گزار کی۔ «حبیب ابن مظاہر» بولے: خدا کی قسم اگر امامؑ

کے حکم کا انتظار نہ ہوتا تو آج ہی رات دشمن پر حملہ کر دیتے۔ میں نے کہا: اے حبیب! امامؑ ابھی

اپنی بہن کے خیمے ہی میں ہیں اور شاید ان کے گھر کی خواتین اور بچے بھی وہیں موجود ہوں۔ بہتر

ہے کہ آپ کچھ لوگوں کے ساتھ ان کے خیمے کے نزدیک جائیے اور ایک بار پھر اپنی وفاداری کا

اعلان کیجئے تاکہ خواتین کو مزید تسلی ہو جائے۔

حبیب ابن مظاہر نے آواز دے کر خیموں میں موجود امامؑ کے اصحاب کو بلایا۔ تمام

اصحاب اپنے خیموں سے نکل کر باہر جمع ہو گئے۔ حبیب نے بنی ہاشم کے افراد سے درخواست کی

کہ وہ اپنے اپنے خیموں میں واپس چلے جائیں اور اپنی عبادت میں مشغول رہیں اور استراحت

کریں۔ پھر بقیہ سب اصحاب کو «نافع» کی بات بتائی۔

سب نے جواب دیا: اس خدا کی قسم جس نے ہمیں یہ عزت بخشی اور ہمیں اس اعزاز

سے نوازا، اگر ہم امامؑ کے حکم کے منتظر نہ ہوتے تو ابھی اسی وقت اپنی تلواریں اٹھا کر دشمن پر ٹوٹ

پڑتے۔ اے حبیب! آپ ہمارے بارے میں مطمئن رہئے۔

حبیب نے انہیں دعا دی اور تجویز پیش کی کہ ہم سب ایک ساتھ اہل حرم کے خیموں کے پاس جا کے انہیں اطمینان دلاتے ہیں۔

خیموں کے نزدیک پہنچ کر حبیب نے بنی ہاشم کی خواتین کو مخاطب کر کے فرمایا: اے رسول کی بیٹیو! اور اے حرم رسول خدا! یہ آپ کے جانثار اپنی بے نیام تلواروں کے ساتھ حاضر ہیں۔ ہم سب نے عہد کیا ہے کہ یہ تلواریں اب اس وقت تک نیام میں نہیں جائیں گی جب تک آپ کے دشمنوں کی گردنوں پر نہ چل جائیں۔ اور آپ کے غلاموں کے ہاتھ میں موجود یہ لمبے اور تیز نیزے ہیں، ہم نے قسم کھائی ہے کہ آپ کے دشمنوں کے سینے توڑے بغیر یہ نیزے نیچے نہیں جھکیں گے۔

اس موقع پر خواتین میں سے کسی نے جواب دیا: اَيُّهَا الطَّيِّبُونَ خَامُوا عَنْ بَنَاتِ رَسُولِ اللَّهِ وَحَرَائِرِ امِيرِ الْمُؤْمِنِينَ (اے پاک سرشت لوگو! رسول خدا کی بیٹیوں اور امیر المؤمنین کے خاندان کی حفاظت کرو۔)

خاتون کی یہ آواز سن کر سب اصحاب بلند آواز سے رونے لگے اور اپنے اپنے خیموں کی طرف واپس چلے گئے۔

یہ تھی امام حسینؑ کے اصحاب اور جانثاروں کی بہادری، شجاعت اور وفاداری، جس کی تصدیق آپ نے امام حسینؑ کی زبانی سنی اور یہ شبِ عاشور (نافع بن ہلال) اور دوسرے اصحابِ امامؑ کی گفتگو تھی۔

«بَابِي أَنْتُمْ وَأُمِّي طُبْتُمْ وَطَابَتِ الْأَرْضُ الَّتِي فِيهَا دُفِنْتُمْ وَفُزْتُمْ
فَوْزاً عَظِيماً.»



امام کا شعر پڑھنا اور

شبِ عاشورا اپنی بہن اور دیگر خواتین کو وصیت کرنا

يَا دَهْرُ أَفْ لَكَ مِنْ خَلِيلٍ كَمْ لَكَ بِالْأَشْرَاقِ وَالْأَصِيلِ
مَنْ صَاحِبٍ أَوْ طَالِبِ قَتِيلٍ وَالْدَّهْرُ لَا يَقْنَعُ بِالْبَدِيلِ
وَأَنَّمَا الْأَمْرُ إِلَى الْجَلِيلِ وَكُلُّ حَيٍّ سَالِكِ سَبِيلِ

»يَا أَخْتَاهُ تَعَزَّى بَعَزَاءِ اللَّهِ وَأَعْلَمِي أَنَّ أَهْلَ الْأَرْضِ
يَمُوتُونَ وَأَهْلَ السَّمَاءِ لَا يَبْقُونَ وَأَنَّ كُلَّ شَيْءٍ هَالِكٌ
إِلَّا وَجْهَ اللَّهِ الَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ بِقُدْرَتِهِ وَيَبْعَثُ الْخَلْقَ
فَيَعُودُونَ وَهُوَ فَرْدٌ وَحْدَهُ أَبِي خَيْرٍ مِنِّي وَأُمِّي خَيْرٌ مِنِّي
وَإِخِي خَيْرٌ مِنِّي وَلِيَّ وَلَهُمْ وَلِكُلِّ مُسْلِمٍ بِرَسُولِ اللَّهِ
أُسْوَةٌ.

..... يَا أَخْتَاهُ يَا أُمَّ كُلُّثُومَ يَا فَاطِمَةَ يَا رَبَّابُ انْظُرْنِي إِذَا
قُتِلْتُ فَلَا تَشَقَّقْنَ عَلَيَّ جَبِيًّا وَلَا تَحْمُسْنَ وَجْهًا وَلَا تَقْلَنْ

هَجْرًا» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اِشْرَاق : طلوع آفتاب، طلوع کا وقت۔ اَصِيل : غروب کا وقت۔ صَاحِب : دوست، ساتھی۔ طَالِب : چاہنے والا، پسند کرنے والا۔ بَدِيل : کسی چیز کا بدل۔ تَعَزَّى : صبر و تحمل۔ اُسْوَة : مثال، نمونہ عمل۔ تَشَقَّقْنَ : (شَق سے) پھاڑنا۔ جَيْب : گریبان۔ خَمْسُ وَجْهٍ : چہرے کو نوچنا۔ هَجْر : فضول بات، نامناسب بات۔

ترجمہ اور تشریح

امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ شبِ عاشور میرے والد خیمے میں اپنے چند اصحاب کے ہمراہ تشریف فرما تھے اور «ابوذر» کے غلام «جون» آپ کی تلوار تیز کر رہے تھے۔ اس موقع پر امام نے یہ شعر پڑھے:

يَا ذَهْرُ أَفْ لَكَ مِنْ خَلِيلٍ كَمْ لَكَ بِالشَّرَاقِ وَالْأَصِيلِ

«اے دنیا، اے ناپائیدار تجھ پر وائے ہو۔ کیا بری دوست ہے تو کہ صبح و شام کتنے

ہی دوستوں اور دشمنوں کو مار ڈالتی ہے اور ایک کے عوض دوسرے کو قبول نہیں

کرتی۔ سچ کہ تمام امور خدا ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ جو زندہ ہے بہر حال اسے

یہ راستہ طے کرنا ہے۔»

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ اشعار سن کر میں سمجھ گیا کہ ان کے ذریعے میرے

۱- انساب الاشراف - ج ۳ - ص ۱۸۵، تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۳۲۴، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۸۵،

ارشاد مفید - ص ۲۳۲، مقتل خوارزمی - ج ۱ - ص ۳۲۷، تاریخ یعقوبی - ج ۲ - ص ۲۴۴، اخبار زینبیاات از عبیدلی،

(وفات ۲۷۷ھ)

والد اپنی شہادت کی خبر دے رہے ہیں۔ میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں لیکن میں نے رونے سے گریز کیا۔ البتہ میری پھوپھی زینبؓ نے جو میرے بستر کے ساتھ ہی تشریف فرما تھیں یہ اشعار سن لئے اور جب امامؑ کے سب اصحاب چلے گئے تو وہ امامؑ کے خیمے میں تشریف لے گئیں اور کہا: کاش میں مر گئی ہوتی اور آج یہ مصیبت کا دن نہ دیکھتی۔ اے گزشتگان کی یادگار اور اے پسماندگان کی پناہ گاہ! یوں لگتا ہے کہ میرے تمام عزیز آج ہی مجھ سے جدا ہوئے ہیں۔ آج یہ مصیبت دیکھ کر والد گرامی علی ابن ابی طالبؑ والدہ محترمہ فاطمہ زہرا اور بھائی حسن مجتبیٰ کے پچھڑنے کا غم تازہ ہو گیا۔

امامؑ نے حضرت زینب علیہا السلام کو تسلی دی، صبر و تحمل کی تاکید کی اور فرمایا:

«يَا أُخْتَاهُ تَعَزَّيْ بِعَزَائِ اللَّهِ... اے بہن! صبر و تحمل سے کام لو اور یاد رکھو کہ ایک دن تمام دنیا والوں نے مرنا ہے اور جو آسمان پر ہیں وہ بھی باقی نہیں رہیں گے۔ وہ خدا جس نے اپنی قدرت سے دنیا کو خلق کیا ہے اس کے سوا سب نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور وہی تمام مخلوقات کو ایک بار پھر اٹھائے گا اور وہ یکتا اور بے مثل ہے۔ میرے والد میری والدہ اور میرے بھائی مجھ سے بہتر تھے اور میرے ان کے اور تمام مسلمانوں کے لئے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات نمونہ عمل ہے (ان سب نے بھی موت کا ذائقہ چکھا ہے)۔»

پھر فرمایا:

«..... يَا أُخْتَاهُ يَا أُمَّ كُلُّثُومَ يَا فَاطِمَةَ يَا رَبَّابُ..... اے میری بہن! اے ام کلثوم! اے فاطمہ! اے رباب! دیکھو میرے مرنے پر ہر گز گریبان چاک نہ کرنا، اپنا منہ نہ لٹا اور ہر گز کوئی نامناسب بات لبوں پر نہ لانا۔»



۵۰

شبِ عاشورامام کا تلاوت کرنا

«وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّما نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ
لَّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
مُّهِينٌ ۝ مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ
حَتَّىٰ يُمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۚ»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

يَحْسَبَنَّ (حَسِبَ يَحْسِبُ سے): گمان کرنا۔ نُمْلِي (اِمْلَاء سے): مہلت
دینا، کسی کام میں تاخیر کرنا۔ مُهِين (م پر پیش کے ساتھ): رسوا کر دینے والا۔ يَذَرُ (وَزَرَهُ
سے): اسے تنہا چھوڑ دیا۔ يُمِيزُ (مِيز سے): علیحدہ کرنا۔

ترجمہ اور تشریح

شبِ عاشور حسین ابن علی کے خیموں میں عجیب جوش و جذبہ اور غیر معمولی ولولہ نظر آتا
تھا۔ کوئی اپنے اسلحے تیار کر رہا تھا، کوئی اللہ کی عبادت اور اس کے ساتھ مناجات میں منہمک
تھا اور کوئی قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول۔ لَهُمْ دَوِيٌّ كَدَوِيٍّ النَّحْلِ بَيْنَ قَائِمٍ وَ
قَاعِدٍ وَ رَاكِعٍ وَ سَاجِدٍ۔

«ضحاک ابن عبداللہ مشرقی» نے نقل کیا ہے کہ اس رات عمر ابن سعد کے سپاہی صورتحال پر نظر رکھنے کی غرض سے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد امام حسینؑ کے خیموں کی پشت پر آتے اور خیموں میں موجود لوگوں کے حالات کا جائزہ لیتے۔ ان میں سے ایک شخص نے امام حسینؑ کو اس آیہ کریمہ کی تلاوت کرتے سنا: وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ مَّا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّ مَّا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزِدَ اذُّوْا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰی مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يُمِيزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے وہ یہ گمان نہ کریں کہ جو مہلت ہم نے انہیں دی ہے وہ ان کے لئے بہتر ہے۔ ہم نے تو انہیں اس لئے مہلت دی ہے کہ وہ اپنے گناہوں میں اور اضافہ کریں اور ان کے لئے سخت رسوا کن عذاب معین ہے۔ خدا مومنوں کو اس حالت میں نہیں چھوڑے گا جب تک کہ بدکار و نیکو کار اور پاک و ناپاک افراد کو ایک دوسرے سے جدا نہ کر دے۔ سورہ آل عمران ۳- آیت ۱۷۸، ۱۷۹)۔

اس شخص نے یہ آیہ کریمہ سنی تو کہا: خدا کی قسم وہ نیکو کار افراد ہم ہیں اور خدا نے ہمیں تم لوگوں سے علیحدہ اور ممتاز کر دیا ہے۔

«بریر» سامنے آئے اور کہا: اے فاسق! اللہ تعالیٰ نے تجھے ناپاک افراد کی صف میں قرار دیا ہے ہماری طرف آ جا اور اپنے عظیم گناہ سے توبہ کر لے۔ خدا کی قسم پاک و پاکیزہ ہم لوگ ہیں۔

اس شخص نے تمسخرانہ انداز میں کہا: وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (ہاں ہاں) میں بھی اس بات کی گواہی دینے والوں میں سے ہوں)۔ یہ کہہ کر وہ شخص ابن سعد کے لشکر کی طرف واپس چلا گیا۔ (۱)

آزمائش کا وقت

شبِ عاشور، ان مخصوص حالات میں قرآن کریم کی آیات میں سے ان آیات کی تلاوت کے ذریعے امام چاہتے تھے کہ ایک دوسرے کے مد مقابل آنے والے دونوں گروہوں کی صورتحال واضح کر دیں۔ پہلی آیت میں ظالم اور مجرم گروہ کی ظاہری برتری کی وجہ بیان کی گئی ہے، تاکہ ان کی یہ برتری اور فوقیت مومن گروہ کے لئے غم و اندوہ کا باعث نہ بنے۔ بلکہ وہ جان لیں کہ یہ برتری وقتی اور عارضی ہے اور درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایک طرح کی ڈھیل دی گئی ہے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ ارتکابِ گناہ اور فسق و فجور کے گڑھے میں پھنس کر اس میں غرق ہو جائیں۔ اور اگر تعبیر میں بحث نہ کی جائے، تو ہم کہیں گے کہ یہ حکمت عملی کے تحت فراہم کردہ ایک موقع ہے۔

جب بھی کسی حکومت یا شخص کو اپنے ظلم و ستم کے باوجود یہ عارضی اور حکمتِ عملی کے تحت فراہم کردہ مہلت حاصل ہو، تو اسے چاہئے کہ اپنے آپ کو اس دن کے لئے تیار رکھے جب اللہ کا شدید ترین عذاب اسے ہر طرف سے جکڑ لے گا۔

دوسری آیہ کریمہ مومنین کے بارے میں ہے کہ اگر وہ کبھی مشکلات اور مصائب کا شکار ہوں اور انہیں ظاہری شکست و ہزیمت کا سامنا کرنا پڑے، تو اس صورتحال کی وجہ ان کا امتحان اور آزمائش ہے، تاکہ اس طرح پاک اور ناپاک، نیکوکار اور بدکار افراد علیحدہ علیحدہ ہو جائیں۔ مذکورہ موضوع صرف واقعہ کربلا ہی تک محدود نہیں جو اپنے تمام پہلوؤں میں امتحان اور آزمائش کا ایک عظیم الشان میدان بھی ہے، بلکہ تاریخ کا ہر دور اور یہ پوری دنیا، تمام انسانوں کے لئے آزمائش اور امتحان کا ایک میدان ہے: کُلُّ يَوْمٍ عَاشُورًا وَ كُلُّ اَرْضٍ كَرْبَلَا۔



شبِ عاشورا مام کا خواب

..... اِنِّی رَاِیْتُ فِی مَنَامِی کَانَ کَلَا بَا قَدْ شَدَّتْ عَلَیَّ
 تَنَهَشُنِی وَفِیْهَا کَلْبٌ اَبْقَعَ رَاِیْتُهُ اَشَدَّهَا وَاظُنُّ اَنَّ الَّذِی
 یَتَوَلَّی قَتْلِی رَجُلٌ اَبْرَصٌ مِنْ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ. وَاِنِّی رَاِیْتُ
 رَسُوْلَ اللّٰهِ بَعْدَ ذَلِکَ وَ مَعَهُ جَمَاعَةٌ مِنْ اَصْحَابِیْ وَهُوَ
 یَقُوْلُ اَنْتَ شَهِیدُ هَذِهِ الْاُمَّةِ وَقَدْ اسْتَبَشَرَ بِکَ اَهْلُ
 السَّمَاوَاتِ وَ اَهْلُ الصَّفِیْحِ الْاَعْلٰی وَلَیْکُنْ اِفْطَارُکَ
 عِنْدِی اللَّیْلَةَ عَجَلٌ وَلَا تُؤْخِرْ فَهَذَا مَلْکٌ قَدْ نَزَلَ مِنْ
 السَّمَاءِ لِیَا خُذْ دَمَکَ فِی قَارُورَةٍ خَضِرَاءَ. فَهَذَا
 مَا رَاِیْتُ وَقَدْ اَنَفَ الْاَمْرُ وَاقْتَرَبَ الرَّحِیْلُ مِنْ هَذِهِ الدُّنْیَا
 لَا شَکَّ فِیْهِ. (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

شَدَّتْ عَلَیَّ : مجھ پر حملہ کیا۔ نَهَشَ : اگلے دانتوں سے کاٹنا، چیر پھاڑ کرنا۔ اَبْقَعَ :

سیاہ اور سفید۔ اُبْرَص : جو برص کے مرض میں مبتلا ہو۔ اِسْتَبْشَار : بشارت دینا، خوش ہونا۔ صَفِيْحُ اَعْلٰی : ملکوتِ اعلیٰ۔ قَارُوْرَة : شیشہ۔ اَنِف (حَسِبَ کے وزن پر): کسی متوقع چیز کا وقت ہو جانا۔ رَحِيْل : کوچ کا وقت۔

ترجمہ اور تشریح

«نفس المہوم» کے مصنف نے «مرحوم شیخ صدوق» سے نقل کیا ہے کہ شبِ عاشور کی آخری ساعتوں میں امامؑ پر ہلکی سی نیند طاری ہو گئی۔ بیداری کے بعد آپؑ نے اپنے اصحاب اور ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

«اِنِّیْ رَاِیْتُ فِیْ مَنَامِیْ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کئی کتے مجھ پر شدید حملہ کر رہے ہیں اور ان میں سب سے زیادہ شدید ایک سیاہ اور سفید رنگ کا کتا ہے۔ یہ خواب نشانہ ہی کر رہا ہے کہ میرا قاتل ان میں سے کوئی ایسا شخص ہوگا جو برص کے مرض میں مبتلا ہے۔»

اس کے بعد امامؑ نے مزید فرمایا:

«وَ اِنِّیْ رَاِیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ اس خواب کے بعد میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے چند اصحاب کے ہمراہ دیکھا۔ آنحضرتؐ نے مجھ سے کہا: تم اس امت کے شہید ہو۔ عرشِ بریں اور آسمانوں میں رہنے والے ایک دوسرے کو تمہاری آمد کی خوش خبری دے رہے ہیں۔ تم آج رات افطار میں میرے پاس ہو گے۔ اب جلدی کرو اور ہرگز دیر نہ لگاؤ۔ ایک فرشتہ آسمان سے نازل ہو رہا ہے جو تمہارے خون کو سبز رنگ کی ایک شیشی میں جمع کرے گا۔»

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا:

»فَهَذَا مَا رَأَيْتُ وَقَدْ... میں نے یہ خواب میں دیکھا ہے۔ اب وقت آپہنچا ہے اور یہی اس دنیا سے کوچ کا وقت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔«

خواب کی صورت میں حقیقت کا اظہار

جن باتوں کا پیش آنا طے ہو چکا تھا، وہ نیند کی حالت میں ایک خواب کی صورت میں امام علیہ السلام کو بتا دی گئیں، اور انہوں نے من و عن اپنے باوفا اور جانثار اصحاب کو ان سے مطلع کر دیا، تاکہ کوئی بات ان سے چھپی نہ رہے۔

اگلے روز امام کا شہید ہونا، قاتل کی خصوصیات اور اس کا مبروص ہونا جس کی تصویر کشی سیاہ اور سفید کتے کی صورت میں کی گئی تھی، آپ کا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مہمان بننا، فرشتوں کا آپ کا استقبال کرنا، اور امام کے خون کا ذخیرہ کر لینا، جو ان کے پیروکاروں کی رگوں میں ہمیشہ جاری و ساری رہے گا۔ خواب کی صورت میں بتائی گئی یہ تمام باتیں، عاشور کے دن حقیقت کے روپ میں سامنے آئیں۔



۵۲

صبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگو

..... إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَدْنَىٰ فِي قُلُوبِكُمْ وَقَتْلَىٰ فِي هَذَا

الْيَوْمِ فَعَلَيْكُمْ بِالصَّبْرِ وَالْقِتَالِ...» (۱)

..... صَبْرًا يَا بَنِي الْكِرَامِ فَمَا الْمَوْتُ إِلَّا قَنْطَرَةٌ تَعْبُرُ

بِكُمْ عَنِ الْبُؤْسِ وَالضَّرَاءِ إِلَى الْجَنَّةِ الْوَاسِعَةِ وَالنَّعْمِ

الدَّائِمَةِ فَإِيَّكُمْ يَكْرَهُ أَنْ يَنْتَقِلَ مِنْ سَجْنٍ إِلَى قَصْرِ وَمَا

هُوَ إِلَّا عَدَائِكُمْ إِلَّا كَمَنْ يَنْتَقِلُ مِنْ قَصْرِ إِلَى سَجْنٍ وَ

عَذَابٍ إِنَّ أَبِي حَدَّثَنِي عَنْ رَسُولِ اللَّهِ إِنَّ الدُّنْيَا سَجْنٌ

الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ وَالْمَوْتُ جِسْرٌ هُوَ لَاءِ إِلَى جَنَانِهِمْ

وَجِسْرٌ هُوَ لَاءِ إِلَى جَحِيمِهِمْ مَا كَذِبْتُ وَلَا كَذِبْتُ...» (۲)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

قَنْطَرَةٌ : پل۔ بُؤْس : بد قسمتی، مصیبت۔ ضَرَاء : جانی و مالی نقصان، تنگی و پریشانی۔

۱- کامل الزیارات- ص ۳۷۔

۲- بلاغۃ الحسین- ص ۱۹۰۔

جَنَان (جَنَّت کی جمع): بہشت۔ جَحِیم: دوزخ۔

ترجمہ اور تشریح

«ابن قولویہ»، اور «مسعودی» (۱) کے مطابق، امام حسین علیہ السلام نے نمازِ صبح کی ادائیگی کے بعد نماز گزاروں کی طرف رخ کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

«أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَذِنَ فِي...» اللہ تعالیٰ نے آج میرے اور آپ سب کے مارے جانے کی اجازت دے دی ہے۔ اب آپ سب کو چاہئے کہ صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے دشمن سے جنگ کریں۔»

«مرحوم شیخ صدوق» (۲) نے امام سجاد سے اس مضمون کی گفتگو نقل کی ہے کہ: عاشور کے دن جب جنگ نے شدت اختیار کر لی اور حسین ابن علیؑ کو کٹھن حالات کا سامنا ہوا تو امام کے بعض اصحاب نے دیکھا کہ جنگ کی شدت کے اثر سے اور اپنے ساتھیوں کے پارہ پارہ اجساد اور اپنی شہادت کو انتہائی نزدیک دیکھ کر امام کے کچھ اصحاب کے چہروں کا رنگ اڑنے لگا ہے، اور ان کے جسموں پر لرزہ طاری ہے۔ جبکہ ان لوگوں کے برخلاف حسین ابن علیؑ اور ان کے خاص اصحاب کی کیفیت یہ تھی کہ جیسے جیسے جنگ میں شدت آرہی تھی اور وہ شہادت سے نزدیک ہو رہے تھے، ان کے چہروں کے رنگ نکھرتے چلے جا رہے تھے اور ان کے سکون و اطمینانِ قلب میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اصحاب یہ منظر اور غیر معمولی جرات دیکھ کر متعجب تھے اور امام عالی مقام کے ملکوتی اور نور سے جگمگاتے چہرے کی سمت اشارہ کر کے کہتے تھے: اُنْظُرُوا لَا يُبَالِي بِالْمَوْتِ (انہیں دیکھو، انہیں موت کی ذرہ برابر پروا نہیں۔)

امام نے جب اپنے اصحاب کا یہ جملہ سنا تو انہیں مخاطب کر کے فرمایا:

۱- اثبات الوصیہ - ص ۱۳۹۔

۲- معانی الاخبار - مطبوعہ مکتبۃ الصدوق - ص ۲۸۹۔

.....صَبْرًا يَا بَنِي كِرَام اے معزز لوگوں کی اولادو! صبر و تحمل سے کام لو۔ موت تو صرف ایک پل ہے جس کے ذریعے تم سختی اور مشکلات سے گزر کر وسیع و عریض جنت اور اس کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں تک پہنچ جاؤ گے۔ تم میں سے کون ہے جسے یہ بات پسند نہ ہوگی کہ وہ ایک قید خانے سے نکل کر محل میں منتقل ہو جائے؟۔ یہ موت تمہارے دشمنوں کے لئے ایسی ہی ہے جیسے انہیں کسی محل سے نکال کر قید خانے اور عقوبت گاہ میں ڈال دیا جائے۔ میرے والدِ گرامی نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اکرمؐ سے سنا ہے کہ: دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے اور موت ایک پل ہے جو مومن کو جنت میں اور کافر کو جہنم میں پہنچا دیتی ہے۔ میں جھوٹ نہیں بولتا اور نہ ہی مجھے کبھی جھوٹ بتایا گیا ہے۔»

یہ کہنے کے بعد امام علیہ السلام نے اپنے لشکر کو منظم کیا جو مشہور قول کے مطابق بہتر افراد پر مشتمل تھا۔ (۱) میمنہ (Right wing) یعنی دائیں طرف کی فوج «زہیر ابن قین» کے سپرد کی، میسرہ (Left wing) یعنی بائیں طرف کی فوج «حبیب ابن مظاہر» کی سربراہی میں دی اور لشکر کا علم اپنے بھائی «ابو الفضل العباس» کے حوالے کیا اور خود خاندان کے باقی افراد کے ساتھ لشکر کے وسط میں مستقر ہوئے۔

پامردی اور استقامت کی دعوت

امام حسین علیہ السلام نے صبح عاشور فجر کی نماز کے بعد اپنے اصحاب کو دو اہم نکات کی یاد دہانی کروائی۔ ایک موت کی جو امر الہی ہے۔ دوسری دشمن کے مقابلے میں پامردی اور

۱- امام کے لشکر کی تعداد کے بارے میں مورخین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض نے پیادے اور سوار ملا کر لشکرِ امام کی تعداد ایک سو پچاس افراد تک لکھی ہے۔

استقامت کے مظاہرے کی۔

ان دونوں ہی نکات کا براہِ راست تعلق نماز سے ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں نماز کا حکم بیان ہوا ہے اور نماز اسلام اور ایمان کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔ حتیٰ جنگ و جہاد کے دشوار ترین حالات میں بھی اور اس مرحلے میں بھی جب کہ ظاہری شکست اور موت یقینی نظر آ رہی ہو اللہ کے فرمان کے مطابق نماز کی ادائیگی واجب ہے۔ بد قسمتی سے اگر کوئی نماز پڑھے اور جہاد کے حکم کو فراموش کر دے تو اس پر قرآن مجید کی یہ مذمت صادق آئے گی کہ: **نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ** (ہم بعض چیزوں پر ایمان لائیں گے اور بعض کا انکار کریں گے۔ سورہ نساء ۴- آیت ۱۵۰)

البتہ دورانِ جہاد پامردی اور استقامت، نماز اور خدا سے تعلق کے ذریعے ہی حاصل ہوتی ہے اور عبادت و معنویت کے ذریعے تقویت حاصل کرتی ہے: **وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ** (صبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگو۔ سورہ بقرہ ۲- آیت ۴۵)



۵۳

صبح عاشور امام کی دعا

«اللَّهُمَّ أَنْتَ ثَقَيْتَ فِي كُلِّ كَرْبٍ وَرَجَائِي فِي كُلِّ شِدَّةٍ
وَأَنْتَ لِي فِي كُلِّ أَمْرٍ نَزَلَ بِي ثِقَةٌ وَعُدَّةٌ كَمْ مِنْهُمْ
يَضْعَفُ فِيهِ الْفُؤَادُ وَتَقِلُّ فِيهِ الْحِيلَةُ وَيَخْذُلُ فِيهِ
الصَّدِيقُ وَيَشْمَتُ فِيهِ الْعَدُوُّ أَنْزَلْتَهُ بِكَ وَشَكَوْتُهُ
إِلَيْكَ رَغْبَةً مِنْي إِلَيْكَ عَمَّنْ سِوَاكَ فَكَشَفْتَهُ وَفَرَّجْتَهُ
فَأَنْتَ وَلِيُّ كُلِّ نِعْمَةٍ وَمُنْتَهَى كُلِّ رَغْبَةٍ.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

ثِقَّة : جس پر اعتماد کیا جاتا ہو سہارا۔ رجاء : امید۔ عُدَّة (عین پر پیش اور دال پر
تشدید) : اسلحہ۔ فُؤَادُ : دل، قلب۔ حِيلَةُ : راہِ حل، چارہ کار۔ خَذُلُ : دست بردار ہونا،
چھوڑ دینا۔ يَشْمَتُ (شَمِتَ سے لیا گیا) : دوسرے کی مصیبت پر خوشیاں منانا۔

۱- تاریخ طبری - ج ۷- ص ۳۲۷، تاریخ ابن عساکر - ص ۲۱۱، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص

۲۸۷، ارشاد مفید - ص ۲۳۳ اور طبقات ابن سعد -

ترجمہ اور تشریح

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان ہوا، امامؑ نے نمازِ صبح کی ادائیگی کے بعد اپنے لشکر کی صفوں کو ترتیب دیا اور لشکر کے ہر سردار کی ذمے داریاں معین کیں۔

اسی دوران ((عمر ابن سعد)) بھی اپنے لشکر کی تنظیم و ترتیب میں مشغول تھا۔ جب امامؑ کی نظر دشمن کے کثیر لشکر پر پڑی اور آپؑ نے اپنے مقابلے پر دشمن کے پُر ہجوم لشکر کا مشاہدہ کیا تو دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے اور فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ اَنْتَ ثِقَتِيْ فِيْ كُلِّ كَرْبٍ بارِالہا! ہر رنج و غم میں تو ہی میرا سہارا اور ہر مشکل میں تو ہی میری امید کا مرکز ہے۔ مجھ پر جب کبھی مصیبت نازل ہوئی، میں نے تیری ہی پناہ لی ہے (تیرے ہی ذریعے اپنے بچاؤ کا سامان کیا ہے) کتنے ہی ایسے مصائب و آلام آئے جب دل کمزور پڑ گئے، چارہ و تدبیر کے راستے بند ہو گئے، دوست ساتھ چھوڑ گئے اور دشمنوں نے خوشیاں منائیں۔ لیکن میں نے تیری ہی طرف رجوع کیا، تجھ ہی سے فریاد کی اور تیرے سوا ہر کسی سے بے نیاز ہو کر صرف تجھ ہی سے لو لگائی۔ اور تو نے مجھ سے ہر مصیبت کو دور کیا اور ہر رنج و الم سے مجھے نجات دلائی۔ بے شک تو ہی ہر نعمت کا مالک اور ہر حاجت کا مرکز ہے۔»



۵۴

عاشور کے دن امام کی پہلی تقریر

«أَيُّهَا النَّاسُ اسْمَعُوا قَوْلِي وَلَا تَعْجَلُوا حَتَّىٰ أُعْظِمَ بِمَا
هُوَ حَقٌّ لَّكُمْ عَلَيَّ وَحَتَّىٰ أَعْتَذَرَ إِلَيْكُمْ مِنْ مُقَدِّمِي
عَلَيْكُمْ فَإِنْ قَبِلْتُمْ عُذْرِي وَصَدَّقْتُمْ قَوْلِي وَأَعْطَيْتُمُونِي
النِّصْفَ مِنْ أَنْفُسِكُمْ كُنْتُمْ بِذَلِكَ أَسْعَدَ وَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ
عَلَيَّ سَبِيلٌ وَإِنْ لَمْ تَقْبَلُوا مِنِّي الْعُذْرَ وَلَمْ تُعْطُوا النِّصْفَ
مِنْ أَنْفُسِكُمْ فَاجْمَعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ
أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ لَا غُمَّةَ ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تَنْظُرُونِ إِنَّ
وَلِيَّيَّ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اعْتَذَار: اپنا دفاع کرنا، دلیل اور استدلال پیش کرنا۔ مُقَدِّم (میم پر زبر کے ساتھ):
داخل ہونا۔ نِصْف (هَدَف کے وزن پر): عدل و انصاف۔ أَسْعَدَ: سب سے کامیاب

۱- یہ تقریر معمولی فرق کے ساتھ تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۳۲۸ اور ۳۲۹ تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص

۲۸۷ ارشاد مفید - ص ۲۳۴، مقتل خوارزمی - ج ۱ - ص ۲۵۳ اور طبقات ابن سعد میں موجود ہے۔

سب سے خوش قسمت۔ غمّۃ: مبہم اور مشکوک۔

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؑ اپنے لشکر کی تنظیم و ترتیب سے فارغ ہو کر، گھوڑے پر سوار ہوئے، اپنے خیموں سے کچھ دور گئے اور عمر ابن سعد کے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے بلند آواز میں فرمایا:

«إِنَّهَا النَّاسُ اسْمَعُوا قَوْلِي وَلَا تَعْجَلُوا... اے لوگو! میری بات سنو

اور جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرو تا کہ تمہیں وعظ و نصیحت کے سلسلے میں، میں اپنی

ذمے داری انجام دے سکوں اور تمہارے پاس آنے کا سبب بتا سکوں۔ اگر تم

نے میری بات قبول کی، میری تائید کی اور میرے بارے میں عدل و انصاف کا

راستہ اختیار کیا، تو اس طرح تم سعادت اور کامیابی حاصل کرو گے اور پھر

میرے خلاف جنگ کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی۔ لیکن اگر تم میری

بات نہ مانو اور انصاف سے کام نہ لو، تو پھر اپنا ارادہ پختہ کر لو اور اپنے حمایتیوں کو

بلا لو اور تمہاری کوئی بات تم پر مخفی نہ رہے۔ اسکے بعد جو چاہو کر گزرو اور مجھے کسی

طرح کی مہلت نہ دو۔ بے شک میرا مالک و مختار وہ خدا ہے جس نے کتاب

نازل کی ہے اور وہ نیک بندوں کا والی و وارث ہے۔»

اتمام حجت

باوجود یہ کہ امام حسین علیہ السلام دیکھ رہے تھے کہ دشمن ہر لحاظ سے جنگ کے لئے تیار

ہے، یہاں تک کہ اس نے امامؑ کی لشکر گاہ اور ان کے بچوں تک پر پانی بند کیا ہوا ہے اور جنگ

شروع کرنے کے لئے ایک معمولی اشارے کے انتظار میں لمحہ لمحہ گن کر گزار رہا ہے، لیکن آپؑ

جیسا کہ کر بلا پہنچنے پر آپؑ نے فرمایا تھا، نہ صرف جنگ کی ابتدا کرنے پر تیار نہیں ہیں بلکہ چاہتے

ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو دشمن کو وعظ و نصیحت کریں، تا کہ ایک طرف تو حق اور فضیلت کی راہ کو

باطل سے جدا اور ممتاز کر کے دکھا دیا جائے اور دوسری طرف کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن کے لشکر کا کوئی ایک بھی شخص بے خبری اور نادانی میں امام کے قتل میں شریک ہو اور حقیقت سے لاعلم رہ کر ابدی ناکامی اور انحطاط و پستی کے گڑھے میں گر پڑے۔

«سبط ابن جوزی» اپنی کتاب «تذکرۃ الخواریج» میں کہتے ہیں: جب امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ اہل کوفہ ان کے قتل پر مصر ہیں تو آپؑ نے قرآن کریم کھول کر اپنے سر پر رکھا اور دشمن کی صفوں کے مد مقابل آ کر انہیں صدادی کہ: یہ اللہ کی کتاب اور میرے نانا رسول خدا میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کریں گے۔ اے لوگو! کس جرم میں تم لوگوں نے میرا خون بہانا جائز سمجھ لیا ہے۔ کیا میں تمہارے رسول کا نواسہ نہیں ہوں؟ کیا تم نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وہ قول نہیں سنا ہے کہ: هَذَا نَسِیدُ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ (یہ دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں) اور اگر میری بات قبول نہیں ہے تو جابر بن زید ابن ارقم اور ابوسعید خدری سے پوچھ لو۔ کیا جعفر طیار میرے چچا نہیں ہیں؟ لوگوں میں سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا، صرف «شمر» بولا کہ بس اب جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے (نعوذ باللہ)۔ امام نے جواب دیا: اللہ اکبر، میرے نانا نے مجھے بتایا تھا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کوئی کتا ان کے اہل بیت کا خون چاٹ رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ کتا تو ہی ہوگا۔ (۱)

یہ ہے اپنے خون کے پیار سے دشمن کے مقابلے میں ایک امام اور انسانوں سے پیار کرنے والے ایک الہی رہبر کی محبت و شفقت اور یہ ہے فاطمہؑ کے بیٹے کی سیرت کہ اس قدر حساس اور خطرناک حالات میں بھی وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس ذمے داری سے غافل نہ ہوئے جو خدا نے ان کے لئے مقرر کر دی تھی۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ: وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنَهُمْ

بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذِلَّ وَنَخْزَىٰ. (اور اگر ہم نے رسول سے پہلے انہیں عذاب کر کے ہلاک کر دیا ہوتا تو یہ کہتے کہ پروردگار تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے ہی تیری نشانیوں کا اتباع کر لیتے۔ سورہ طہ ۲۰- آیت ۱۳۴)

نامساعد حالات کے باوجود روزِ عاشور امام حسینؑ نے بارہا اس قسم کی تقاریر ہدایات اور رہنمایاں فرمائیں جن میں سے اولین خطاب محترم قارئین ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

کیونکہ یہ ایک مفصل خطاب ہے اور یہ ناصحانہ تقریر مختلف جہات اور پہلوؤں کی حامل ہے لہذا ہم اسکے متن اور ترجمے کو چار حصوں میں قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے اس خطبے کے مقدمے اور پہلے حصے میں اسی نکتے کا ذکر کیا ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا تھا اور وہ نکتہ یہ ہے کہ اہل کوفہ اور عمر ابن سعد کے سپاہی یہ نہ سمجھیں کہ اس تقریر کے ذریعے امام دشمن کی تجویز سے اتفاق یا اسکے ساتھ ساز باز کا ارادہ رکھتے ہیں بلکہ آپؑ کا مقصد اتمام حجت اور دشمن کے سامنے کچھ حقائق و واقعات کی تشریح ہے اور امامت اور ہدایت و رہبری کے ذمے دار ہونے کے ناطے امام پر لازم ہے کہ یہ حقائق ان کے سامنے پیش کر دیں لہذا انہی اسباب کی بنا پر آپؑ نے یہ خطاب فرمایا۔

امامؑ کی تقریر میں توقف

کتب تاریخ کے مطابق جب امامؑ کی تقریر اس مقام پر پہنچی تو آپؑ کی گفتگو سننے والی بعض خواتین اور بچیوں کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ یہ دیکھ کر امامؑ نے اپنی تقریر روک دی اور اپنے بھائی ابوالفضل العباسؑ اور فرزند علی اکبرؑ سے فرمایا کہ انہیں خاموشی اور اطمینان سے بیٹھے رہنے کو کہیں۔ یہ جملہ بھی فرمایا کہ: مستقبل میں انہیں بہت زیادہ رونا ہے۔

جب خواتین اور بچے خاموش ہو گئے تو امامؑ نے ایک بار پھر اپنی تقریر کا آغاز کیا اور اللہ

تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ایک اور خطبہ ارشاد فرمایا جسے آپ ذیل میں ملاحظہ کریں گے۔

«عِبَادَ اللَّهِ اتَّقُوا اللَّهَ وَ كُونُوا مِنَ الدُّنْيَا عَلَى حَذَرٍ فَإِنَّ الدُّنْيَا لَوُ بَقِيَّتٍ عَلَى أَحَدٍ أَوْ بَقِيَ عَلَيْهَا أَحَدٌ لَكَانَتْ الْإِنْبِيَاءُ أَحَقَّ بِالْبَقَاءِ وَأَوْلَى بِالرِّضَاءِ وَأَرْضَى بِالْقَضَاءِ غَيْرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ الدُّنْيَا لِلْفَنَاءِ فَجَدِيدُهَا بَالٍ وَنَعِيمُهَا مُضْمَحِلٌّ وَسُرُورُهَا مُكْفَهَرٌ وَالْمَنْزِلُ تَلْعَةً وَالْدَّارُ قَلْعَةٌ فَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.

اَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ الدُّنْيَا فَجَعَلَهَا دَارَ فَنَاءٍ وَزَوَالَ بِأَهْلِهَا خَالًا بَعْدَ خَالٍ فَالْمَغْرُورُ مَنْ غَرَّتْهُ وَالشَّقِيُّ مَنْ فَتَنَتْهُ فَلَا تَعَرَّنَكُمْ هَذِهِ الدُّنْيَا فَإِنَّهَا تَقْطَعُ رَجَاءَ مَنْ رَكَنَ إِلَيْهَا وَتَخِيبُ طَمَعَ مَنْ طَمَعَ فِيهَا وَآرَاكُمْ قَدْ اجْتَمَعْتُمْ عَلَى أَمْرٍ قَدْ اسْخَطْتُمْ اللَّهَ فِيهِ عَلَيْكُمْ وَأَعْرَضَ بَوَاجِهِ الْكَرِيمِ عَنْكُمْ وَأَحَلَّ بِكُمْ نِقْمَتَهُ فَنِعْمَ الرَّبُّ رَبُّنَا وَبِئْسَ الْعَبِيدُ أَنْتُمْ أَقْرَرْتُمْ بِالطَّاعَةِ وَآمَنْتُمْ بِالرَّسُولِ مُحَمَّدٍ (ص) ثُمَّ إِنَّكُمْ زَحَفْتُمْ إِلَى ذُرِّيَّتِهِ وَعِثْرَتِهِ تُرِيدُونَ قَتْلَهُمْ لَقَدْ اسْتَحَوْذَ عَلَيْكُمْ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاكُمْ ذِكْرَ اللَّهِ الْعَظِيمِ فَتَبًّا لَكُمْ وَلِمَا

تُرِيدُونَ اِنَّا لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ كَفَرُوا بَعْدَ

اِيْمَانِهِمْ فَبَعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

حَذَر : ڈر، ہوشیار ہونا۔ اَحَقَّ : زیادہ حقدار ہونا۔ اَرْضَى : زیادہ پسندیدہ۔ قَضَاء : حکم۔ بَالٍ : (در اصل یاء سے بالی ہوتا ہے) : پرانا، فرسودہ۔ مُضْمَحِلّ : تباہ ہو جانا، بکھر جانا۔ مُكْفَهَرٌ : شدید تارکی، تیوری چڑھانا۔ تَلَعَهُ (قَلَعَهُ کے وزن پر) کنواں، ڈھلان والی خطرناک زمین۔ قَلَعَهُ : قلعہ، حصار، عارضی رہائش گاہ۔ مَغْرُورٌ : فریب خوردہ۔ شَقِيٌّ : بد قسمت۔ فَتْنَتُهُ (فَتْن سے) : اسے اپنا محبوب بنالیا۔ رَكْنَ اِلَيْهِ : اس پر اعتماد کیا۔ خَيْبَةً تَخِيْبًا : اسے ناامید کیا۔ زُحْفٌ : یورش کرنا، حملہ کرنا۔ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِ : اس پر غلبہ پا لیا۔ تَبَا لَكُمْ : تم ہلاک اور برباد ہو جاؤ۔

ترجمہ اور تشریح

»عِبَادَ اللّٰهِ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُونُوا مِنَ الدُّنْيَا..... اے اللہ کے بندو! خدا سے ڈرو اور دنیا سے ہوشیار رہو۔ اگر یہ دنیا کسی کے لئے ہمیشہ باقی رہنے والی ہوتی اور کوئی دنیا میں ہمیشہ باقی رہ سکتا تو انبیا اس کے سب سے زیادہ حقدار تھے اور ان ہی کی رضا کے حصول کے لئے ایسا کرنا بہتر تھا اور یہی حکم انتہائی پسندیدہ ہوتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو فنا کے لئے خلق کیا ہے۔ اس کی ہر نئی چیز پرانی ہو جانے والی اور اس کی ہر نعمت زائل و برباد ہو جانے والی ہے۔ اس کی خوشیاں غم و اندوہ میں بدل جانے والی ہیں۔ یہ پست ٹھکانہ

۱۔ مقتل خوارزمی۔ ج ۱۔ ص ۲۵۳۔ (ابن عساکر) نے بھی امام کی تقریر کا پہلا حصہ صفحہ ۲۱۵ پر ذکر کیا ہے۔

اور عارضی جائے سکونت ہے۔ لہذا یہاں سے زادِ آخرت فراہم کر لو اور بہترین زادِ آخرت تقویٰ ہے۔ اللہ سے ڈرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔»

«أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ الدُّنْيَا اے بندگانِ خدا! اللہ نے

دنیا کو خلق فرمایا اور اسے فنا و زوال کا گھر بنایا۔ یہ اپنے مکینوں کو ایک حال سے

دوسرے حال میں الٹی پلٹی رہتی ہے۔ فریب خوردہ ہے وہ جسے دنیا دھوکے میں

ڈال دے اور بدنصیب ہے وہ جسے دنیا اپنے فتنوں میں جکڑ لے۔ پس تم دنیا

کے دھوکے میں نہ آ جانا، کیونکہ جو کوئی بھی اس پر بھروسہ کرتا ہے یہ اسکی

امیدوں کو منقطع کر دیتی ہے اور جو اسکی طمع کرتا ہے وہ محروم رہتا ہے۔

تم سب نے ایک ایسی بات پر ایک کر لیا ہے جو خدا کے غیظ و غضب کا باعث ہے

اور اس نے اپنا منہ تمہاری طرف سے پھیر لیا ہے اور تم پر اپنا عذاب مسلط کر دیا

ہے۔ کتنا اچھا ہے ہمارا پروردگار اور کیسے بدکردار بندے ہو تم لوگ کہ اللہ کی

اطاعت کا اقرار کیا اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان

لائے اور پھر اسی رسول کی آل و اولاد کو قتل کرنے کے لئے اس پر حملے کی تیاری

کر رہے ہو۔ شیطان تم پر غالب آ گیا ہے اور تمہیں خدا کی یاد سے غافل کر دیا

ہے۔ وائے ہو تم پر اور تمہارے ارادوں پر۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (ہم

اللہ ہی سے ہیں اور اسی کی طرف واپس جائیں گے)۔ یہ وہ لوگ ہیں

جنہوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا ہے اور یہ ظالم لوگ اللہ کی رحمت سے

دور ہیں۔»

دوسرے حصے کے نتائج

امام حسین علیہ السلام نے اپنی تقریر کے دوسرے حصے میں زندگی کی بے ثباتی کی جانب

اشارہ کیا ہے، تمام دنیا اور اسکی زینتوں کو ناقابل اعتبار اور ناپائیدار قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر دنیا کسی کے لئے ہمیشہ رہنے والی اور سکون و قرار کی منزل ہوتی تو دوسروں کی نسبت انبیاء اور اولیائے الہی اس کے زیادہ حقدار تھے۔

امام نے خطبے کے اس حصے میں اہل کوفہ کی گمراہی کے اسباب کو بیان کیا ہے اور ان کی توجہ اس نکتے کی جانب مبذول کرائی ہے کہ انہوں نے اس بے ثبات اور ناقابل اعتبار دنیا کی لالچ میں اسلام اور اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان کو ترک کر دیا ہے، اپنے امام اور رہبر کے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اپنے پیغمبر کی اولاد کو قتل کرنے پر کمر بستہ ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ امام حسین علیہ السلام نے دنیا اور اس کے زرق و برق کی بے ثباتی کا ذکر کرنے کے بعد اہل کوفہ کی شقاوت اور بد قسمتی کا سبب بیان کیا، اور واضح کیا کہ دنیا کی انہی رنگینیوں اور موہوم مال و مقام کی آرزو ان کی گمراہی کا اصل سبب ہے۔ اس طرح آپؐ دشمن کو جنگ و جدال اور قتل و غارتگری سے روکنا چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان میں سے جو لوگ اصلاح کے قابل ہیں ان کی اصلاح ہو جائے، اور وہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے لگیں۔

خطبے کے تیسرے حصے میں امامؑ نے اپنے تعارف کے ذریعے انہیں وعظ و نصیحت جاری رکھی، اور یوں فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ أَنْسِبُونِي مَنْ أَنَا ثُمَّ ارْجِعُوا إِلَى أَنْفُسِكُمْ
وَعَاتِبُواهَا وَانْظُرُوا أَهْلَ يَحِلُّ لَكُمْ قَتْلِي وَانْتِهَاكُ
حُرْمَتِي؟ أَلَسْتُ ابْنَ بِنْتِ نَبِيِّكُمْ وَابْنَ وَصِيِّهِ وَابْنَ عَمِّهِ
وَأَوَّلِ الْمُؤْمِنِينَ بِاللَّهِ وَالْمُصَدِّقِ لِرَسُولِهِ بِمَا جَاءَ مِنْ
عِنْدِ رَبِّهِ؟ أَوَلَيْسَ حَمْزَةُ سَيِّدِ الشُّهَدَاءِ عَمِّي؟ أَوَلَيْسَ
جَعْفَرُ الطَّيَّارِ عَمِّي؟ أَوَلَمْ يَبْلُغْكُمْ قَوْلُ رَسُولِ اللَّهِ لِي

وَلَاخِي هَذَا سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ فَإِنْ صَدَّقْتُمُونِي
بِمَا أَقُولُ وَهُوَ الْحَقُّ وَاللَّهُ مَا تَعَمَّدَتْ الْكَذِبَ مِنْذُ
عَلِمْتُ أَنَّ اللَّهَ يَمُقُّ عَلَيْهِ أَهْلَهُ وَيَضْرِبُهُ مَنْ اخْتَلَقَهُ وَإِنْ
كَذَّبْتُمُونِي فَإِنَّ فِيكُمْ مَنْ إِنْ سَأَلْتُمُوهُ عَنْ ذَلِكَ
أَخْبَرَكُمْ سَلُوا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيَّ وَأَبَا سَعِيدٍ
الْخُدْرِيَّ وَسَهْلَ بْنَ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ وَزَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ
وَأَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يُخْبِرُوكُمْ أَنَّهُمْ سَمِعُوا هَذِهِ الْمَقَالَهَ
مِنْ رَسُولِ اللَّهِ لِي وَلَاخِي أَمَا فِي هَذَا حَاجِزٌ لَكُمْ عَنْ
سَفْكِ دَمِي..»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اَنْسَبَهُ : اپنے نسب کو بیان کیا۔ عَاتَبَهُ : اس کی سرزنش کی۔ حَاجِزٌ : مانع، رکاوٹ۔
اِنْتِهَاكُ حُرْمَتٍ : احترام کو پامال کرنا۔ يَمُقُّ (مَقَّتَ سے) : نفرت، ناپسندیدگی۔
اِخْتِلَاقٌ : جھوٹ گھڑنا۔ مَقَالَه : بات، قول۔ سَفْكِ دَمٍ : خوریزی۔

ترجمہ اور تشریح

«اَيُّهَا النَّاسُ اَنْسِبُونِي مَنْ اَنَا ثُمَّ..... اے لوگو! میرے شجرہ نسب اور
خاندان کو دیکھو، پھر پلٹ کر سوچو اپنے آپ کو ملامت کرو اور غور کرو کہ کیا تمہارا
مجھے قتل کرنا اور میری حرمت کو پامال کرنا جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا
بیٹا نہیں؟ کیا میں ان کے وصی اور ان کے چچا زاد بھائی کا فرزند نہیں؟ جو سب

سے پہلے اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ نبی اکرم خدا کی طرف سے لائے تھے سب سے پہلے اس کی تصدیق کی؟

کیا حمزہ سید الشہد امیرے چچا نہیں؟ کیا جعفر طیار میرے چچا نہیں؟ کیا تم نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں نبی اکرم کا وہ قول نہیں سنا جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ: یہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ اگر تم میری کہی ہوئی باتوں کی تصدیق کرتے ہو تو یہی حق ہے اور خدا کی قسم میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے والے سے نفرت کرتا ہے اور اسکے جھوٹ کا نقصان خود اسی کی طرف پلٹاتا ہے۔ اور اگر مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو اب بھی مسلمانوں کے درمیان ایسے لوگ موجود ہیں کہ اگر ان سے ان باتوں کے بارے میں پوچھو تو وہ تمہیں بتائیں گے۔ جابر ابن عبد اللہ انصاری، ابوسعید خدری، سہل ابن سعد ساعدی، زید ابن ارقم اور انس ابن مالک کسی سے بھی پوچھ لو وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ کا یہ قول سنا ہے۔ کیا یہی ایک جملہ کافی نہیں جو تمہیں میرا خون بہانے سے روک سکے؟»

پروپیگنڈے کا توڑ

کیونکہ اہل کوفہ کا ایک گروہ بنی امیہ کے اہل کاروں کے زہریلے پروپیگنڈے سے متاثر ہو گیا تھا اور ان کے اذہان میں یہ بات بھردی گئی تھی کہ حسین ابن علیؑ کے خلاف ان کی جنگ اپنے شرعی اور قانونی خلیفہ (یزید ابن معاویہ) کی حمایت کے لئے ہے اور کیونکہ حسین ابن علیؑ نے مسلمانوں کی مصلحت کے برخلاف اور ان کے خلیفہ کی مخالفت میں قیام کیا ہے لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ان کے خلاف جنگ میں حصہ لے۔ اسی وجہ سے امامؑ نے اپنے

خطاب کے تیسرے حصے میں اس پروپیگنڈے کے توڑ کے طور پر اپنے خاندان اور اجداد کی بعض خصوصیات اور اپنے ذاتی اوصاف اور اس مقام و منزلت کی جانب اشارہ کیا جس کی تائید نبی اکرمؐ نے فرمائی تھی۔

یہ وہ خصوصیات تھیں جو ہر مسلمان کے سامنے واضح اور ثابت تھیں۔ ہر شخص جانتا تھا کہ حسینؑ حضرت محمدؐ، حضرت فاطمہ زہراؑ اور رسول گرامیؐ کے چچا زاد بھائی حضرت علیؑ کی اولاد ہیں، جو سب سے پہلے نبی اکرمؐ پر ایمان لائے اور جب سب نبی اکرمؐ کے خلاف برسرِ پیکار تھے تو وہ آنحضرتؐ کے حمایتی اور پشت پناہ تھے۔ امام عالی مقام نے اپنے چچا حمزہ سید الشہداء اور جعفر طیار کا ذکر کیا جن کی کوششوں اور قربانیوں نے اسلام اور قرآن کو استحکام عطا کیا اور دونوں ہی کفار کے خلاف جنگ کے دوران انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید کئے گئے۔

امام حسینؑ نے خود اپنے بارے میں وہ بات کہی جس کا کوئی بھی مسلمان انکار نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے اپنی فضیلت میں رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وہ قول بیان کیا اور اسے لوگوں کو یاد دلایا جو ہر مسلمان نے سنا ہوا تھا کہ: هَذَا نِ سَيِّدِ اَشْبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (یہ دونوں (حسن اور حسین) جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔)

ان فضیلتوں اور خصوصیات کی نشاندہی کے ذریعے امامؑ ان گمراہ لوگوں کو یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ اگر تم ہماری جدوجہد کو اسلام اور مسلمانوں کی مصلحتوں کے خلاف سمجھتے ہو تو جان لو کہ اسلام ہمارے گھرانے میں پلا بڑھا ہے اور ہماری کوششوں کے نتیجے میں تم تک پہنچا ہے۔ جب میرے والد علی ابن طالبؑ نے اسلام قبول کیا تو اس وقت تمہارے نام نہاد خلیفہ کے اجداد کفر و الحاد کے عالم میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور آج جنہیں تم اسلام کے حامی و ناصر سمجھتے ہو اور ان کی حمایت میں شمشیر بدست کھڑے ہو وہ اس دور میں نہ صرف مخالفین اسلام کی صفوں میں شامل تھے بلکہ لوگوں کو پیغمبر اسلامؐ کے خلاف جنگ کی تحریک دیتے تھے۔ میرے چچاؤں نے اسلام کی خاطر ان جیسے افراد کے خلاف تادم شہادت جنگ کی۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ شخص جسے رسول خدا جنت کے جوانوں کا سردار قرار دیں، وہ تو اسلام کا مخالف ہو اور وہ لوگ جو کل تک اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے آج اسلام کی حمایت میں سینہ سپر ہوں۔

امام علیہ السلام کی گفتگو قطع کی گئی

اس موقع پر شمر ابن ذی الجوشن کو خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امام کی تقریر اسکے سپاہیوں کو متاثر کر دے اور وہ جنگ سے گریز کرنے لگیں۔ لہذا امام علیہ السلام کی گفتگو کا سلسلہ منقطع کرنے کی غرض سے بلند آواز میں بولا: هُوَ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ اِنْ كَانَ يَدْرِي مَا يَقُولُ (وہ تو بس زبانی کلامی حد تک اللہ کی بندگی کا اظہار کرتے ہیں، اور کچھ نہیں جانتے کہ کیا کہہ رہے ہیں۔)

امام کے لشکر کی طرف سے حبیب ابن مظاہر نے اسے جواب دیا اور کہا: وَ اَنْتَ تَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى سَبْعِينَ حَرْفًا. (خود تو ہے جو ستر مرتبہ یہ کہے جانے کا مستحق ہے کہ محض زبانی حد تک اللہ کی بندگی کا اظہار کرتا ہے۔)

اس کے بعد امام علیہ السلام نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

«فَاِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ هَذَا الْقَوْلِ افْتَشْكُونِ اَنِّي ابْنُ بِنْتِ نَبِيِّكُمْ فَوَاللَّهِ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ابْنُ بِنْتِ نَبِيٍّ غَيْرِي فِيكُمْ وَلَا فِي غَيْرِكُمْ وَيَحْكُمُ اَتَطْلُبُونِي بِقَتِيلٍ قَتَلْتُهُ اَوْ مَالٍ اسْتَهْلَكْتُهُ اَوْ بِقِصَاصٍ جَرَا حَةٍ.

يَا شَبَثُ ابْنِ رَبْعِي وَيَا حَجَّارَ بْنَ ابْجَرَ وَيَا قَيْسَ بْنَ الْأَشْعَثِ وَيَا يَزِيدَ بْنَ الْحَارِثِ اَلَمْ تَكْتُبُوا إِلَيَّ اَنْ قَدْ اُيْنَعِتِ

الشَّمَارُ وَاخْضَرَ الْجَنَابُ وَانَّمَا تَقْدِمُ عَلَى جُنْدٍ لَكَ
مُجَنَّدَةٍ؟

لَا وَاللَّهِ لَا أُعْطِيهِمْ بِيَدِي إِعْطَاءَ الدَّلِيلِ وَلَا أَفِرُّ مِنْهُمْ
فِرَارَ الْعَبِيدِ يَا عِبَادَ اللَّهِ إِنِّي عُدْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ
تَرْجُمُونِ أَعُوذُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ
بِیَوْمِ الْحِسَابِ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

وَيُحَكِّمُ : وائے ہوتم پر۔ قَتِيل : مقتول۔ اسْتِهْلَاك : تباہ کر دینا۔ قِصَاصُ
جِرَاحَت : کسی کے لگائے ہوئے زخم یا چوٹ کا بدلہ دینا۔ اَيْنَعَ الشَّمَر : پکا ہوا پھل، ترو
تازہ پھل۔ اخْضَرَ الْجَنَاب : یہاں جناب کا مطلب ایک علاقہ ہے اور اس مقام پر عراق
اور کوفہ کے سرسبز یاغات کے لئے کنائے کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ جُنْدٌ مُجَنَّدٌ : تیار لشکر۔
عُدْتُ (عَاذَ يَعُوذُ کا متکلم ہے) : پناہ لینا۔ تَرْجُمُونَ (رَجَمَ سے) : دور پھینک دینا۔

ترجمہ اور تشریح

«فَإِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ هَذَا..... اگر تمہیں (میرے اور میرے بھائی
کے بارے میں رسولؐ کے) اس قول کے بارے میں کچھ شک ہے، تو کیا تمہیں
اس حقیقت میں بھی شبہ ہے کہ میں تمہارے نبیؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں؟ خدا کی قسم
مشرق اور مغرب کے مابین تم میں اور تمہارے ماسوا لوگوں میں میرے علاوہ

نبی کا کوئی اور نواسہ نہیں۔ وائے ہو تم پر، کیا میں نے تمہارا کوئی آدمی قتل کیا ہے جس کے قصاص میں تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ یا میں نے تم میں سے کسی کو مالی نقصان پہنچایا ہے؟ یا کسی کو زخمی کیا ہے جس کا بدلہ لینا چاہتے ہو؟»

جب حسین ابن علیؑ یہ گفتگو فرما رہے تھے، تو لشکر ابن سعد پر مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی، سناٹے کا عالم تھا، ان کی طرف سے کوئی ردِ عمل یا جواب نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر امامؑ نے کوفہ کے چند سرکردہ افراد کو مخاطب کیا۔ یہ لوگ حضرتؑ کو کوفہ بلانے والوں میں سے تھے اور آج ابن سعد کے لشکر میں شامل ہو کر امامؑ کے خلاف آمادہٴ جنگ تھے۔ آپؑ نے صدا دی:

«يَا شَبَثُ ابْنِ رَبْعِي اے شبث ابن ربیع، اے حجار ابن ابجر، اے قیس ابن اشعث، اے یزید ابن حارث! کیا تم ہی لوگوں نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ پھل پکنے کے قریب ہیں، درخت سرسبز و شاداب ہیں اور تیار لشکر آپؑ کے لئے حاضر ہے۔»

امامؑ کی گفتگو کے جواب میں سوائے انکار کرنے کے، ان لوگوں کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔ لہذا ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایسا کوئی خط آپؑ کو نہیں لکھا۔ اس موقع پر قیس ابن اشعث نے بلند آواز میں کہا: اے حسین! آپؑ اپنے چچا زاد بھائی کی بیعت کیوں نہیں کر لیتے؟ اگر آپؑ بیعت کر لیں تو اس صورت میں وہ آپؑ کی پسند کے مطابق آپؑ سے سلوک کرے گا اور آپؑ کو کوئی تکلیف بھی نہ پہنچے گی۔ امامؑ نے جواب دیا:

«لَا وَاللَّهِ لَا أُعْطِيهِمْ بَيْدِي نہیں، خدا کی قسم ہرگز پست اور کم ہمت لوگوں کی طرح اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں نہیں دوں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح راہِ فرار اختیار کروں گا۔»

اس کے بعد امامؑ نے وہ آئیہ کریمہ پڑھی جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ جملہ

بیان ہوا ہے جو انہوں نے فرعونوں کی ہٹ دھرمی اور گستاخی دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اِنِّیْ عُذْتُ
 بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ۔ (میں اپنے اور تمہارے
 پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس متکبر کے مقابلے میں جو روزِ جزا پر ایمان نہیں رکھتا۔ سورہ غافر
 ۴۰-۴۱ آیت ۲۷)

آخری حصے کا نتیجہ

اپنے خطبے کے چوتھے اور اختتامی حصے میں امامؑ نے آخری اِتمامِ حجت کی غرض سے اس
 نکتے کی جانب اشارہ کیا کہ میں نے اپنی جن فضیلتوں کا ذکر کیا ہے، اگر تم ان سب کو نظر انداز
 کر بھی دو اور جو کچھ رسول کریمؐ نے میرے بارے میں فرمایا ہے، اسے بھی شک و شبہ کی نظر سے
 دیکھو تو کیا تم اس بات میں بھی شک کر سکتے ہو کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا
 نواسہ ہوں؟ کیا روئے زمین پر میرے علاوہ نبی اکرمؐ کا کوئی اور نواسہ موجود ہے؟
 یہ تمام باتیں کرنے کے بعد امامؑ نے دشمن کو مکمل ناامید اور مایوس کرنے کے لئے کمال
 شجاعت اور بہادری کے ساتھ فرمایا کہ: لَا وَاللّٰهِ لَا أُعْطِیْهِمْ بَیْدَیْ اَعْطَاءَ الدَّلِیْلِ وَلَا
 اَفْرُ مِنْهُمْ فِرَارَ الْعَبِیْدِ۔ (نہیں، خدا کی قسم ہرگز پست اور کم ہمت لوگوں کی طرح اپنا ہاتھ ان
 کے ہاتھ میں نہیں دوں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح راہِ فرار اختیار کروں گا۔)



۵۵

عاشور کے دن امام کی دوسری تقریر

.....وَيُلَكُمْ مَا عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْصِتُوا إِلَيَّ فَتَسْمَعُوا قَوْلِي
وَأَنَّمَا أَدْعُوكُمْ إِلَى سَبِيلِ الرَّشَادِ فَمَنْ أَطَاعَنِي كَانَ مِنَ
الْمُرْشِدِينَ وَمَنْ عَصَانِي كَانَ مِنَ الْمُهْلِكِينَ وَكُلُّكُمْ
عَاصٍ لَا مَرِي غَيْرُ مُسْتَمِعٍ لِقَوْلِي قَدْ انْخَزَلَتْ عَطِيَّاتُكُمْ
مِنَ الْحَرَامِ وَمِلْتِ بُطُونُكُمْ مِنَ الْحَرَامِ فَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى
قُلُوبِكُمْ وَيُلَكُمْ أَلَا تَنْصِتُونَ أَلَا تَسْمَعُونَ؟

.....تَبَالِكُمْ آيَتُهَا الْجَمَاعَةُ وَتَرَحَّأَ أَفْحِينَ اسْتَصْرَ
خُتْمُونَا وَلِهَيْنَ مُتَحِيرِينَ فَاصْرَ خَنَاكُمْ مُؤَدِّينَ مُسْتَعِدِّينَ
سَلَلْتُمْ عَلَيْنَا سَيْفًا فِي رِقَابِنَا وَحَشَشْتُمْ عَلَيْنَا نَارَ الْفِتَنِ
الَّتِي جَنَاهَا عَدُوُّكُمْ وَعَدُونَا فَاصْبَحْتُمْ إِلْبَاءَ عَلَى
أَوْلِيَائِكُمْ وَيَدًا عَلَيْهِمْ لَا عُدَائِكُمْ بَغَيْرِ عَدْلٍ أَفْشَوْهُ
فِيكُمْ وَلَا أَمَلَ أَصْبَحَ لَكُمْ فِيهِمْ إِلَّا الْحَرَامُ مِنَ الدُّنْيَا
أَنَالُوكُمْ وَخَسِيسَ عَيْشٍ طَمِعْتُمْ فِيهِ مِنْ حَدَثٍ كَانَ مِنَّا

وَلَا رَأْيَ تَفِيلٍ لَنَا مَهْلًا لَكُمْ الْوَيْلَاتُ إِذْ كَرِهْتُمُونَا
وَتَرَكْتُمُونَا فَتَجَهَّزْتُمْ وَالسَّيْفُ لَمْ يُشْهَرُ وَالْجَاشُ طَامِنٌ
وَالرَّأْيُ لَمْ يُسْتَصْحَفْ وَلَكِنْ أَسْرَعْتُمْ عَلَيْنَا كَطِيرَةٍ
الدَّبَاءِ وَتَدَاعَيْتُمْ إِلَيْنَا كَتَدَاعِي الْفِرَاشِ فَقَبْحًا لَكُمْ فَإِنَّمَا
أَنْتُمْ مِنْ طَوَاغِيتِ الْأُمَّةِ وَشِدَاذِ الْأَحْزَابِ وَنَبْلَةِ
الْكِتَابِ وَنَفْثَةِ الشَّيْطَانِ وَعُصْبَةِ الْأَثَامِ وَمُحَرِّفِي
الْكِتَابِ وَمُطْفِئِي السُّنَنِ وَقَتْلَةَ أَوْلَادِ الْأَنْبِيَاءِ وَمُبِيرِي
عُتْرَةِ الْأَوْصِيَاءِ وَمُلْحَقِي الْعَهَارِ بِالنَّسَبِ وَمُؤْذِي
الْمُؤْمِنِينَ وَصُرَاخِ أَيْمَةِ الْمُسْتَهْزِئِينَ الَّذِينَ
جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

وَيُلْغَمُ : وائے ہو تم پر۔ تَنْصِتُوا (نَصَتْ سے) : خاموش ہو گیا، خاموشی سے سنا۔
انْخَزَلَ : آہستہ آہستہ چلا گیا۔ مَلَىءَ : بھر گیا ہے۔ طَبَعَ : مہر لگا دی ہے۔ تَرَحَّحَ (راپر زبر
کے ساتھ شَرَف کے وزن پر) : غم و اندوہ۔ اسْتَصْرَخَ : مدد مانگی۔ وَلِهَيْنَ (وَلَه سے) :
بہت زیادہ شوق اور اشتیاق۔ اَصْرَخَهُ : اس کی مدد کو پہنچا۔ مُؤَدِّينَ (اَذَى تَادِيَه سے) :
تیار ہونا۔ مُسْتَعِدِّينَ (اسْتِعْدَاد سے) : گھوڑا دوڑایا، بہت تیزی اور جلدی کے لئے کنائے
کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ سَلَلْتُمْ (سَلَّ سے) : تلوار سوتا۔ حَشَشْتُمْ (حَشَّ سے) :

۱- ((تحف العقول)) میں اس تقریر کا کچھ حصہ اہل کوفہ کے نام امام علیہ السلام کے خط کے طور پر نقل ہوا ہے۔

آگ جلانا، آگ بھڑکانا۔ جَنَسِي : جمع کرنا اور تیار کرنا۔ اِلْب (الف پرزیر کے ساتھ) : قوت، پشت پناہ۔ خَسِيْس : پست اور کم قیمت۔ تَفِيْل (كَفِيْل کے وزن پر) : غلط اور نامناسب۔ مَهْلَا : آہستہ۔ وَيْلَات (وَيْلَہ کی جمع) : مصیبت اور مشکلات۔ لَمْ يُشْهَر (شُہرہ کا مجہول) : تلوار کھینچ کر بلند کرنا۔ جَأَش : دل، سینہ۔ طَامِن : مطمئن۔ اسْتَصْحَاف : تبدیل ہو جانا۔ طَيْرَةِ الدَّبَا (طَارَ يَطِيرُ سے) : اڑا۔ دَبَا (دال پرزیر کے ساتھ) : ایک قسم کا ٹڈا۔ تَدَاْعَوْا عَلَیْہ : کسی کی دشمنی میں اس کے خلاف جمع ہو گئے۔ طَوَاعِيَتْ (طَاعُوْتُ کی جمع) : سرکش۔ شَذَاذ : بے حسب و نسب افراد۔ نَبَذَہ (نَابَذَ کی جمع) : چھوڑ کر چلے جانے والے۔ نَفَثَہ : گلے اور سینے کا بلغم جسے تھوک دیا گیا ہو۔ اِثْم : گناہ اور خیانت۔ مُطْفِئ (اَطْفَاء کا اسم فاعل) : بجھانا۔ مُبِير : ہلاک کرنے والا۔ صُرَاخ : فریاد۔

ترجمہ اور تشریح

»خوارزمی« لکھتے ہیں کہ عاشور کے دن سرزمینِ کربلا پر امام حسین علیہ السلام کی دوسری تقریر کی کیفیت یہ تھی: جب دونوں لشکر ہر لحاظ سے تیار ہو گئے، عمر ابن سعد کی فوج کے پرچم لہرا دیئے گئے، ڈھول اور باجوں کی آواز گونجنے لگی اور دشمن کے لشکر نے ہر طرف سے امام حسینؑ کے خیموں کو انگوٹھی کے حلقے کی طرح گھیر کر اپنے محاصرے میں لے لیا، تو اس موقع پر حسین ابن علیؑ اپنے لشکر سے نکل کر دشمن کی صفوں کے سامنے تشریف لائے، اور ان سے کہا کہ خاموشی کے ساتھ ان کی باتوں کو غور سے سنیں۔ لیکن وہ لوگ اسی طرح شور و غل مچاتے اور چیختے چلاتے رہے۔ یہ دیکھ کر امامؑ نے یہ کہہ کے انہیں خاموش کیا کہ:

»وَيَلَكُمْ مَا عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْصِتُوا...« وائے ہو تم پر، کیوں خاموش نہیں

ہوتے تاکہ میری بات سن سکو۔ میں تمہیں راہِ راست کی طرف بلارہا ہوں۔ جو

بھی میری پیروی کرے گا وہ ہدایت پائے گا اور جو میری مخالفت کرے گا وہ ہلاکت اور تباہی کا شکار ہو جائے گا۔ اور تم میری مخالفت کر رہے ہو کیونکہ میری بات نہیں سن رہے۔ تمہیں دیئے جانے والے حرام کے تحفے و تحائف اور مال حرام سے بھرے جانے والے تمہارے پیٹ، تمہیں اس مقام پر لے آئے ہیں کہ اللہ نے تمہارے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ وائے ہو تم پر، کیا تم خاموش نہیں ہو گے اور کیا میری بات نہیں سنو گے؟

یہ سن کر عمر ابن سعد کے سپاہی ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ خاموش ہو جاؤ اور ان (حسینؑ) کی بات سنو۔ پھر جب ہر طرف خاموشی چھا گئی تو امامؑ نے فرمایا:

«..... تَبَّ لَكُمْ أَيُّهَا الْجَمَاعَةُ وَ تَرَحُّاً ... اے لوگو! ذلت اور حسرت تمہارا مقدر بنے۔ خود تم ہی نے حیران و پریشان ہو کر ہمیں مدد کے لئے بلایا اور جب ہم بھرپور تیاری کے ساتھ تمہاری مدد کو پہنچے تو تم نے اپنی تلواریں ہمارے ہی خلاف کھینچ لیں اور جس آگ کو ہمارے مشترکہ دشمن نے ہمارے خلاف بھڑکایا تھا، اسے تم نے ہمارے خلاف اور شعلہ ور کر دیا۔ آج تم اپنے دوستوں کے دشمن اور اپنے دشمنوں کے دست و بازو بن گئے ہو۔ جبکہ نہ تو دشمنوں نے تمہارے ساتھ انصاف کیا ہے اور نہ ان سے بھلائی کی کوئی توقع پیدا ہوئی ہے، سوائے دنیا کے اس مالِ حرام کے جو تم نے ان سے حاصل کیا ہے اور ذلت و حقارت کی اس زندگی کے جس کی تم ان سے آس لگائے بیٹھے ہو۔

اتنی جلدی نہ کرو۔ بدبختی اور تباہی تمہارا مقدر بنے، کیونکہ تم نے ہماری نصرت سے ہاتھ اٹھالیا ہے اور ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہو۔ حالانکہ نہ تو ہم سے تمہارے خلاف کوئی بات صادر ہوئی ہے، نہ ہمارے متعلق تمہارا کوئی خیال

غلط ثابت ہوا ہے اور نہ ہی ہم نے تمہارے خلاف تلوار کھینچی تھی۔ ہمارے دل بھی تمہاری طرف سے مطمئن تھے اور تمہارے متعلق ہماری رائے میں بھی کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔ لیکن تم ٹڈی دل کی طرح چاروں طرف سے ہم پر ٹوٹ پڑے۔ برائی تمہارا نصیب ہو، تم امت کے سرکش لوگوں میں سے ہو، بد قماش گروہوں کے بچے کچھے لوگ ہو، کتابِ خدا کو چھوڑ دینے والے ہو، شیطان کی ناک کا نزلہ، گنہگاروں کی ٹولی، کتابِ خدا میں تحریف کرنے والے اور سنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مٹا دینے والے۔ تم آل رسول کو قتل کرتے ہو اور اولیا و اوصیا کی نسلوں کو برباد کرتے ہو۔ تم ولدِ حرام کو نسبی اولاد قرار دینے والے، مومنین کو اذیت و آزار پہنچانے والے اور کتابِ الہی کا مذاق اڑانے والوں کی ٹولی کے سرغنہ کے مددگار ہو۔»

امامؑ نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کچھ اور باتیں بھی کیں، جنہیں اس خطبے کے دوسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیے:

«وَأَنْتُمْ ابْنِ حَرْبٍ وَ أَشْيَاعُهُ تَعْتَمِدُونَ وَ إِيَّانَا تَخْذُلُونَ
أَجَلُ وَ اللَّهِ الْخَذْلُ فِيكُمْ مَعْرُوفٌ وَ شَجْتُ عَلَيْهِ عُرُوقَكُمْ
وَ تَوَارَثْتُهُ أَصُولُكُمْ وَ فُرُوْكُمْ وَ نَبَتٌ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ
وَ غَشِيَتْ بِهِ صُدُورُكُمْ فَكُنْتُمْ أَحْبَبْتُ شَجَرَةَ شَجِيٍّ
لِلنَّاطِرِ وَ أَكَلَةً لِلْغَاصِبِ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْوَكَاشِينَ
يَنْقُضُونَ الْإِيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ
كَفِيلًا فَانْتُمْ وَ اللَّهُ هُمْ أَلَا إِنَّ الدَّعِيَّ بَنَ الدَّعِيِّ قَدْ رَكَزَنِي

بَيْنَ اثْنَتَيْنِ بَيْنَ السِّلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَهَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةُ يَا بِي
 اللَّهُ لَنَا ذَلِكَ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَحُجُورٌ طَابَتْ
 وَطَهَّرَتْ وَانُوقَ حَمِيَّةٌ وَنُفُوسٌ أَبِيَّةٌ مِنْ أَنْ تُؤْثَرَ طَاعَةُ
 اللَّئَامِ عَلَى مَصَارِعِ الْكِرَامِ أَلَا إِنِّي قَدْ أَعْذَرْتُ وَأَنْذَرْتُ
 أَلَا إِنِّي زَاخِفٌ بِهِذِهِ الْأُسْرَةِ عَلَى قِلَّةِ الْعَدَدِ وَخِذْلَانِ
 النَّاصِرِ.

فَإِنْ نَهَزِمَ فَهَزَا مُونَ قِدْمًا وَإِنْ نُهَزِمَ فَغَيْرُ مُهَزْمِينَا
 وَمَا إِنْ طُبْنَا جُبْنٌ وَلَكِنْ مَنَايَا نَا وَدَوْلَةٌ آخِرِينَا
 فَقُلْ لِلشَّامِتِينَ بِنَا أَفِيقُوا سَيَلْقَى الشَّامِتُونَ كَمَا لَقِينَا
 إِذَا مَا لَمُوتٌ رَفَعَ عَنْ أَنْاسٍ بِكُلِّكَلِهِ أَنَاخَ بِآخِرِينَا
 أَمَا وَاللَّهِ لَا تَلْبُسُونَ بَعْدَهَا إِلَّا كَرِيشًا يُرْكَبُ الْفَرَسُ
 حَتَّى تَدُورَ بِكُمْ دُورَ الرَّحَى تَقْلَقُ بِكُمْ قَلَقَ الْمَحْوَرِ
 عَهْدُهُ إِلَى أَبِي عَنْ جَدِّي رَسُولِ اللَّهِ فَاجْمَعُوا أَمْرَكُمْ
 وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا
 إِلَيَّ وَلَا تَنْظُرُونِ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ
 دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ.
 ... اللَّهُمَّ احْبِسْ عَنْهُمْ قَطَرَ السَّمَاءِ وَابْعَثْ عَلَيْهِمْ
 سِنِينَ كَسَنِي يُوسُفَ وَسَلِّطْ عَلَيْهِمْ غُلَامَ ثَقِيفٍ يَسْقِيهِمْ

كَأْسًا مُّصَبَّرَةً فَلَا يَدْعُ فِيهِمْ أَحَدًا قَتْلَةً بِقَتْلَةٍ وَضَرْبَةً
بِضَرْبَةٍ يَنْتَقِمُ لِي وَلَا وَليَاءِي وَلَا أَهْلَ بَيْتِي وَأَشْيَاعِي مِنْهُمْ
فَإِنَّهُمْ كَذَّبُونَا وَخَذَلُونَا وَأَنْتَ رَبُّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا
وَأَلَيْكَ الْمَصِيرُ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

ابْنِ حَرْب: یزید ابن معاویہ کے لئے استعمال ہوا ہے کیونکہ اس کے دادا ابوسفیان کے
باپ کا نام ((حرب)) تھا۔ اَشْيَاع: پیروکار۔ تَعْتَمِدُونَ: اعتماد سے بھروسہ کرنا، حمایت کرنا۔
تَخَذَلُونَ (خَذَل سے): مدد چھوڑ دینا۔ شَجَتْ عَلَيْهِ عُرُوقُكُمْ: شجاء شجوا،
اسے کسی کام پر ابھارا۔ عُرُوق (عرق کی جمع): رگ وریشے۔ أَصْل: جڑ۔ غَشِيَ وَ
غَشُو: مشغول کرنا، پس پردہ چھپالینا۔ شَجَى: ہڈی اور ایسی ہی کوئی چیز جو گلے میں پھنس
جائے۔ نَاطِرٌ وَ نَاطُورٌ: باغبان۔ اُكْلَةٌ (الف اور کاف پر پیش کے ساتھ): لقمہ شیریں
اور خوش ذائقہ پھل۔ نَاكِشِينَ: بیعت توڑنے والے۔ اَيْمَانٌ (يَمِين کی جمع): معاہدہ۔
دَعَى: منہ بولا بیٹا، وہ جس پر حسب و نسب کے سلسلے میں الزام ہو، پست و ذلیل۔ رَكَزَ
الرَّمْحُ: نیزہ زمین پر مارنا، کسی چیز کو مضبوطی سے کھڑا کر دینا، کسی چیز کو کسی جگہ رکھ دینا۔ سَلَّةٌ:
تلوار۔ حُجُورٌ (حَجَر کی جمع) اس لفظ میں حا کو تینوں اعراب سے پڑھا گیا ہے: گود،
دامن۔ اُنُوفٌ (اَنف کی جمع): ناک، دماغ کے لئے کنائے کے طور پر استعمال ہوتا
ہے۔ حَمِيَّةٌ (حَمَى کی مونث): جو ظلم قبول نہ کرے۔ نَفُوسٌ (نَفْس کی جمع) فاجر جزم):

۱- یہ خطبہ متن میں معمولی فرق کے ساتھ تحف العقول - ص ۱۷۱، مقتل خوارزمی - ج ۲ - ص ۷۷ اور ۸، لہوف
مقتل عوالم اور تذکرۃ الخواص میں موجود ہے۔ البتہ ہم نے یہ خطبہ مقتل خوارزمی سے یہاں درج کیا ہے۔

روح، ارادہ، ہمت۔ اُبّی (الف پرزبڑ، پزیر اور یا پر تشدید): کبھی نہ جھکنے والا۔ تُوْثُرُ (اِیْثَار سے): کسی چیز کو کسی دوسری چیز پر ترجیح دینا۔ مَصَارِع (مَصْرَع کی جمع): قتلگاہ۔ کِرَام (کَرِیم کی جمع): اعلیٰ ظرف کا مالک شخص، بخشنے والا۔ اِغْذَار: وجہ بتانا، دلیل پیش کرنا۔ زُحْف: کسی خاص منزل کی طرف حرکت کرنا۔ اُسْرَة: خاندان کے افراد۔ هَزْم: دشمن کو شکست دینا۔ نَهْزَمُ: پہلے مصرع میں صیغہ معلوم اور دوسرے مصرع میں صیغہ مجہول۔ مُهْزَم: اسی مصرع میں اسم مفعول ہے۔ طِب: عادت، خصلت۔ مَنایَا: واقعات۔ اِفْآقَه: ہوش میں آنا، آگاہ ہونا۔ کُلْکُل: اونٹوں کا گلہ۔ اِنَاخَه: اونٹ کو بٹھانا۔ رِیْث: وقت، مدت۔ رَحٰی: چکی۔ قَلَق: اضطراب، بے چینی۔ غُمَمَة: مبہم کام۔ نَاصِیَة: پیشانی کے بال۔ اَخَذَ نَاصِیَه: فریق مخالف کی ذلت کے لئے کنایہ ہے۔ سِنِین: قحط کے سال۔ مُصَبَّر: شدید تلخ۔

ترجمہ اور تشریح

«وَأَنْتُمْ ابْنِ حَرْبٍ وَ أَشْيَاعُهُ تَعْتَمِدُونَ ... اور اب تم ((ابن حرب)) اور اس کے پیروکاروں کے مددگار بن گئے ہو اور ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ ہاں، خدا کی قسم، تمہاری دھوکہ دہی اور بے وفائی مشہور ہے، یہ تمہاری جڑوں میں پیوستہ ہے، تمہاری شاخوں نے اسے وراثت میں پایا ہے، اسی کے ساتھ تمہارے دل پروان چڑھے ہیں اور اسی کو تمہارے سینے چھپائے ہوئے ہیں۔ تم بدترین پھل ہو جو اپنے باغبان کے گلے میں پھنس جاتا ہے اور غاصبوں کے لئے خوش مزہ ہوتا ہے۔ خدا کی لعنت ہو ان لوگوں پر جو مضبوط قول و قرار کے بعد اپنے وعدوں سے پھر جاتے ہیں۔ حالانکہ تم لوگوں نے عہد و پیمان پر خدا کو بھی گواہ اور ضامن قرار دیا تھا۔ خدا کی قسم تم ہی وہ (عہد و پیمان توڑنے

والے) ہو۔ دیکھو پست اور فرومایہ باپ کے پست اور کمین بیٹے (ابن زیاد) نے مجھے دو میں سے کسی ایک بات کے انتخاب پر مجبور کر دیا ہے، یا تو تلوار (اٹھا لوں) یا ذلت (قبول کر لوں)۔

ممکن ہی نہیں کہ ہم ذلت قبول کریں۔ خدا، اس کا رسول، پاک و پاکیزہ آغوش، اونچی ناک، غیرت مند نفس قطعاً ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم عزت کی موت پر کمینوں کی اطاعت کو ترجیح دیں۔

یاد رکھو کہ میں نے تمہیں سب کچھ بتا کے حجت تمام کر دی ہے اور تمہیں متنبہ بھی کر دیا ہے۔ ہاں، اعوان و انصار کی کمی اور مددگاروں کے منہ موڑ لینے کے باوجود میں اسی مختصر کنبے کے ساتھ تمہارے خلاف جنگ کے لئے تیار ہوں۔»

اس کے بعد امامؑ نے درج ذیل اشعار پڑھے: (اشعار کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔)

«اگر ہم دشمن پر کامیاب ہو جائیں تو یہ نئی بات نہیں، ہم تو پہلے بھی کامیاب ہوتے رہے ہیں اور اگر شکست کھا جائیں تب بھی وہ ہماری شکست نہ ہو گی۔ خوف اور بزدلی ہمارا شیوہ نہیں لیکن اس وقت ہم حوادث کی زد پر ہیں اور بظاہر ہمارا دشمن فائدے میں ہے۔ ہماری مصیبت پر خوشیاں منانے والوں سے کہو کہ وہ بھی ایک دن ایسے ہی حالات کا سامنا کریں گے، جب دوسرے ان کی مصیبت پر خوشیاں منائیں گے۔ کیونکہ موت کا اونٹ ایک در سے ہٹ کر دوسرے کسی در پر بیٹھ جاتا ہے۔»

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا:

«أَمَّا وَاللَّهِ لَا تَلْبَثُونَ بَعْدَ هَذَا إِلَّا كَرِيشْمَا..... خدا کی قسم! اس کے بعد تم اتنی ہی دیر تک سکو گے جتنی دیر گھوڑے پر سوار ہونے میں لگتی ہے۔ یہاں تک کہ حوادث کی چکی تمہیں پیل کے رکھ دے گی اور جس طرح چکی کا مرکز مسلسل

گردش میں رہتا ہے اسی طرح تم بھی چکر میں رہو گے۔ یہ وہ وعدہ ہے جو میرے والد نے نبی اکرمؐ سے سن کر مجھ سے نقل کیا ہے۔ اب تم اور تمہارے شریک ایک کر لو اور تم پر کوئی بات مخفی نہ رہے۔ میرے بارے میں اپنے باطل ارادے کو جامہ عمل پہناؤ اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ میں تو صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرتا ہوں جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی اور زمین پر جتنے چلنے والے ہیں سب کا مالک ہے۔ بے شک میرا پروردگار سیدھی راہ پر ہے۔»

اس کے بعد امامؑ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور عمر ابن سعد کی سپاہ کو ان الفاظ میں بدعا دی:

«اللَّهُمَّ احْبِسْ عَنْهُمْ قَطَرَ السَّمَاءِ بارِ الہا! ان پر آسمان سے ہونے والی بارش روک دے انہیں ایسے قحط سے دوچار کر جیسا قحط حضرت یوسف (علیہ السلام) کے زمانے میں آیا تھا ان پر قبیلہ ثقیف کے جوان کو مسلط کر دے جو انہیں ذلت و خواری کا مزہ چکھا دے اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑے۔ یہاں تک کہ قتل کا بدلہ قتل سے اور چوٹ کا بدلہ چوٹ سے نہ لے لے اور میرا اور میرے انصار اور اہل بیت کا انتقام ان سے لے۔ کیونکہ ان لوگوں نے ہمیں دھوکہ دیا، ہمیں جھٹلایا اور ہماری حمایت اور مدد سے گریز کیا۔ تو ہی ہمارا پروردگار ہے، ہم نے تجھ ہی پر توکل کیا ہے اور تیری ہی طرف ہمیں پلٹنا ہے۔»

خطبے میں موجود اہم ترین نکات

اس خطبے کا ایک ایک جملہ امامؑ کے دوسرے خطبوں ہی کی طرح تشریح طلب اور قابل غور ہے۔ یہ خطبہ انتہائی اہم نتائج پر محیط اور ایسے سبق آموز دروس پر مشتمل ہے جن کے تفصیلی

بیان کے لئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔

قارئین نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ امامؑ نے اس خطبے کے بڑے حصے میں اہل کوفہ کی مذمت کی ہے، اور ان کی وعدہ خلافی کا ذکر کیا ہے، انہیں یاد دلایا ہے کہ کیسے ایک روز یہ لوگ بنی امیہ کے مظالم سے تنگ آ کر پروانوں کی طرح امامؑ کے گرد چکر کاٹنے لگے تھے اور پھر یکایک بالکل ہی پلٹ گئے اور انہیں چھوڑ کر انہی جرائم پیشہ بنی امیہ کی حمایت اور نصرت میں مشغول ہو گئے، اور جو تلواریں اہل بیت رسولؐ کی حمایت میں اٹھائی تھیں انہی کو خاندان پیغمبرؐ کی مخالفت میں بلند کر لیا اور جو آگ دشمن نے فرزند رسولؐ کے خلاف بھڑکائی تھی اسکے شعلوں کو ان لوگوں نے اور ہوا دی۔

امامؑ اسی طرح اہل کوفہ کی مذمت کرتے ہوئے یہاں تک پہنچتے ہیں کہ: تم سنت رسولؐ کو نابود کرنے والے اور چراغ ہدایت کو بجھانے والے ہو، تم ایسے منحوس پھل کی مانند ہو جو اپنے باغبان (جو ہم اہل بیت ہیں) کے گلے میں پھنس جاتا ہے اور اپنی دیکھ بھال کرنے والے ہی کے لئے درد و الم کا باعث ہو جاتا ہے، لیکن خائوں اور بنی امیہ کے لئے جو اپنے باطل مقاصد کے لئے اس سے استفادہ کرتے ہیں، خوش ذائقہ اور لذیذ لقمہ بن جاتا ہے۔

خطبے کی ابتدا میں امامؑ نے اپنی مدد سے کنارہ کش ہو کر اسلام کے دیرینہ دشمن بنی امیہ کی مدد و حمایت پر کمر بستہ ہو جانے والے اہل کوفہ کی اس گمراہی کا سبب اس حرام غذا کو قرار دیا، جس سے ان لوگوں نے اپنے پیٹ بھر لئے تھے۔

اب جبکہ حسین ابن علیؑ کے سامنے صرف دو راستے تھے۔ یا تو ذلت آمیز زندگی قبول کریں، یا پر افتخار موت کو گلے لگائیں، تو اس موقع پر آپؑ اپنے راستے کی نشاندہی فرماتے ہیں اور ذلت بھری زندگی پر باعزت موت کو ترجیح دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: هَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةُ. آخر میں امامؑ اہل کوفہ کو ان کے بھیانک مستقبل کی خبر دیتے ہیں اور انہیں بددعا دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: اے خدا تعالیٰ کے جوان کو ان پر مسلط کر دے۔

اس خطبے میں متعدد انتہائی اہم نکات ہیں لیکن ہم ذیل میں محض چند نکات کے جائزے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

۱- حق سے روگردانی میں حرام خوری کے اثرات

بے شک ہر گناہ (اگر اس سے توبہ اور استغفار نہ کی جائے تو) انحراف اور راہِ حق سے دوری کا سبب بن سکتا ہے۔ لیکن تمام گناہوں میں حرام خوری وہ گناہ ہے جو فکری انحراف اور حق سے دوری کے سلسلے میں انتہائی موثر اور گہرے اثرات و کردار کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں حکم دیا گیا ہے کہ نہ صرف بالغ افراد بلکہ بچوں کی خوراک اور حاملہ یا بچوں کو دودھ پلانے والی خواتین کے کھانے پینے میں بھی اس اصول کا سنجیدگی کے ساتھ لحاظ رکھا جائے۔ اگرچہ بچے مکلف نہیں ہوتے لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ غذا اور کھانا پینا مستقبل میں ان کے فکری اور روحانی ڈھانچے پر بنیادی اثر مرتب کرتا ہے اس مسئلے پر بھرپور توجہ دی گئی ہے۔ لہذا امام حسین علیہ السلام نے اس خطبے کے پہلے حصے میں اہل کوفہ کی گمراہی اور ان کے اس قدر عناد کی کہ حتیٰ امام کی بات تک سننے کو تیار نہیں یہ وجہ بیان کی ہے کہ: **وَمُلِئْتُ بِطُؤْنِكُمْ مِنَ الْحَرَامِ فَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِكُمْ** (تمہارے شکم حرام سے بھرے ہوئے ہیں۔ لہذا اللہ نے تمہارے دلوں پر مہر لگا دی ہے)۔ گزشتہ کئی برسوں سے میرے والد گرامی علی ابن ابی طالب کو ناکام بنانے اور پھر میرے بھائی حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو میدانِ سیاست و خلافت سے نکال کر گوشہ نشینی پر مجبور کرنے کے لئے بنی امیہ کی طرف سے تحفے و تحائف کے نام پر تمہیں بے دریغ مالِ حرام سے نوازا گیا ہے۔ تمہارے پیٹوں میں یہی مالِ حرام بھرا ہوا ہے اور یہ اسی حرام کمائی کا نتیجہ ہے کہ تمہارے دل سیاہ ہو چکے ہیں، تمہاری آنکھیں حق دیکھنے سے اندھی ہو گئی ہیں اور تمہارے کان حق بات سننے سے بہرے ہو چکے ہیں۔

۲- اسلام کی طاقت اسلام کے خلاف

اس خطبے میں دوسرا قابل توجہ اور لائق اہمیت نکتہ امام کا اہل کوفہ کو اس حقیقت کی جانب متوجہ کرنا تھا کہ تم خاندان پیغمبرؐ ہی کی تلوار لے کر ان کے خلاف جنگ کو نکل کھڑے ہوئے اور تم نے اسلام کی دی ہوئی قوت سے خود اسلام ہی کے خلاف کام لیا۔

یہ دونوں مسائل جن کی طرف امام علیہ السلام نے کربلا کے میدان میں، حق و باطل کی اس بے مثال معرکہ آرائی کے دوران اشارہ فرمایا تاریخ کے اس دور، اور کسی خاص خطے سے مختص نہیں، بلکہ یہ وہ آفاقی حقائق ہیں جن کا سامنا حق و باطل کی جدوجہد میں ہمیشہ انسان کیا کرتے ہیں اور آج بھی خود ہم ایسی مثالوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

جی ہاں، ایسا ہمیشہ ہوا ہے کہ خاص حالات میں جب کچھ مخلص جانباہز اسلام کی عزت اور سربلندی کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا رہے ہوتے ہیں، بعض کم ہمت اور خود غرض افراد اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ کے لئے، یا تو خاموشی اختیار کئے رہتے ہیں اور یا اسی اسلام کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مشغول ہو جاتے ہیں جس نے انہیں عزت اور احترام دیا ہوتا ہے۔ اکثر یہ وہ افراد ہوتے ہیں جو عام حالات میں اسلام کے سب سے بڑے حامی کے طور پر پیش پیش رہتے ہیں اور اس نمود و نمائش کے سوا، اسلام کے ان نام لیواؤں کی شخصیت کسی بھی صلاحیت اور لیاقت سے عاری ہوتی ہے۔ لہذا جب امتحان کا وقت پڑتا ہے، تو اسلام کے یہی ظاہری محافظ اسلام دشمنوں کے اصل حامی و ناصر بن کر معاشرے میں تباہی اور بربادی کا سبب بنتے ہیں۔ البتہ ان کا انجام بھی وہی ہوتا ہے جس کا سامنا امامؑ کی اس بددعا کے نتیجے میں اہل کوفہ کو کرنا پڑا کہ: **بارِ الہا! ان پر ثقیف کا جوان مسلط کر دے جو انہیں ذلت اور بے عزتی کا مزہ چکھائے۔** یقیناً ہر زمانے کا **«ثقیف کا جوان»** اس زمانے کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

۳۔ عزمِ راسخ

امامؑ کے اس خطبے میں تیسرا قابل توجہ نکتہ ایک دو ٹوک موقف کا تعین، عزمِ راسخ کا اظہار اور ذلت کے ساتھ سر نہ جھکانے کا اعلان ہے۔ آپؐ نے کھل کر واضح فرمادیا کہ تلواروں اور نیزوں کے سائے میں اور حتیٰ لاشوں کی پامالی کے باوجود جب بھی موت اور ذلت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑا، تو ہمارا اٹل موقف یہی ہوگا کہ: **هَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةُ**۔

راقم الحروف کے خیال میں امام عالی مقامؑ کے حرمِ مطہر کے گنبد پر لہرانے والے سرخ پرچم کی بجائے مناسب تر یہ ہوگا کہ وہاں سرخ رنگ سے مذکورہ بالا قول تحریر کر دیا جائے۔ کیونکہ امامؑ کا یہ قول کسی بھی دوسری علامت سے بڑھ کر ان کی فکری آزادی کا مظہر، ان کے چاہنے والوں میں جوش و ولولے کا باعث اور ان کے دشمنوں کے لئے ہر قوت و طاقت سے بڑھ کر دندان شکن ہوگا۔

امامؑ کا مقابلہ ایک انتہائی بے رحم اور خونخوار دشمن سے تھا، جس نے آپؐ، آپؑ کے اصحاب اور آپؐ کے اہل بیت کے ساتھ ہر ممکن بے رحمانہ سلوک کیا اور جو کچھ تصور کیا جاسکتا ہے وہ سب کچھ کر گزرا۔ لیکن وہ واحد قوت جس کے سامنے دشمن نے اپنے آپ کو ناتواں اور بے بس پایا وہ حسین ابن علیؑ کا عزمِ راسخ اور کسی بھی صورت میں ذلت کے ساتھ سر جھکانے کے لئے تیار نہ ہونا تھا۔ آپؐ نے دشمن کی تلواروں اور نیزوں کے مقابلے میں بھی کرار غیر فرار کی مانند لکار کر فرمایا: ہم اعوان و انصار کی قلت کے باوجود اپنے سے زیادہ قوی دشمن کا مقابلہ کریں گے، کیونکہ اگر ہم جیتے تو جیتنا ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں اور اگر مارے گئے تب بھی دنیا جانتی ہے کہ ہم ہارنے والے نہیں کیونکہ دشمن ہمارے لاشوں کو پامال تو کر سکتا ہے لیکن ہمارے پختہ ارادے میں رخنہ نہیں ڈال سکتا۔

شاعر اہل بیتؑ «شیخ کاظم ازری» کہتے ہیں: **قَدْ غَيَّرَ الطَّعْنُ مِنْهُمْ كُلَّ جَارِحَةٍ**

إِلَّا الْمَكَارِمَ فِي أَمْنٍ مِنَ الْغَيْرِ (۱)

جس دن شیخ کاظم نے یہ شعر کہے اسی رات جناب سیدہ نے ان کے ایک جاننے والے کے خواب میں آ کے کہا کہ جاؤ شیخ ازری سے یہ شعر سنو۔ گو کہ اس شخص اور شیخ کاظم ازری کے درمیان تعلقات اچھے نہ تھے اس کے باوجود وہ جناب سیدہ کے حکم کی تعمیل میں شیخ کے گھر آئے اور کہا: اے شیخ! کیا تم نے کوئی شعر اس طرح کا کہا ہے کہ قَدْ غَيَّرَ الطَّعْنَ... شیخ ازری نے کہا: ہاں، کہا ہے، لیکن تمہیں کیسے پتا چلا کیونکہ ابھی تک یہ شعر میں نے کسی کو بھی نہیں سنایا ہے۔ انہوں نے جواب دیا: ابھی جناب سیدہ میرے خواب میں تشریف لائی تھیں اور یہ شعر سنایا اور پھر مجھے حکم فرمایا کہ خاص یہی شعر سننے کے لئے تمہارے پاس آؤں۔



۱- دشمن کے نیزوں نے ان کے سارے بدن کو بدل کر رکھ دیا لیکن ان کی عظمت اور بلند ارادے تبدیلی سے محفوظ رہے۔

۵۶

امام کی بددعا

.....اللَّهُمَّ إِنَّا أَهْلُ بَيْتِ نَبِيِّكَ وَ ذُرِّيَّتُهُ وَ قَرَابَتُهُ
فَاقْصِمْ مَنْ ظَلَمْنَا وَ غَضَبْنَا حَقًّا إِنَّكَ سَمِيعٌ قَرِيبٌ.
.....اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي فِيهِ هَذَا الْيَوْمَ ذُلًّا عَاجِلًا.
.....اللَّهُمَّ حُزُّهُ إِلَى النَّارِ.
.....اللَّهُمَّ اقْتُلْهُ عَطَشًا وَ لَا تَغْفِرْ لَهُ أَبَدًا.»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

قَصْمٌ : توڑنا، کچل دینا۔ حُزُّهُ (حَازَ يَحُوزُ کا فعل امر) : اونٹ وغیرہ کو ہانکنا۔

ترجمہ اور تشریح

مورخین نے لکھا ہے کہ عاشور کے دن امام کی تقریروں اور ان کے وعظ و نصیحت کے باوجود تین افراد ذاتی طور پر امام سے تکرار کے لئے آئے اور اپنی ہٹ دھرمی اور حق و حقیقت کے انکار کے ذریعے انہوں نے اپنے معاملے کو انتہا تک پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ امام نے ان تینوں کو بددعا دی اور یہ بددعا فوراً ہی قبول ہوئی۔ تین میں سے دو افراد نے اسی وقت اپنی گستاخی کی سزا پائی اور تیسرا کچھ مدت بعد کیفر کردار کو پہنچا۔

۱:- «خوارزمی» نے نقل کیا ہے کہ جب امامؑ نے دیکھا کہ ان کی نصیحت کا لوگوں پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ جنگ کے لئے تیار ہیں تو اپنا چہرہ آسمان کی طرف کر کے خداوند متعال کے حضور عرض کیا:

«اللَّهُمَّ إِنَّا أَهْلُ بَيْتِ نَبِيِّكَ وَ ذُرِّيَّتُهُ وَ قَرَابَتُهُ فَأَقْصِمْ مَنْ ظَلَمَنَا وَ غَضَبْنَا حَقًّا إِنَّكَ سَمِيعٌ قَرِيبٌ»

«بارِ الہا! ہم تیرے نبی کے اہل بیت، آلِ اولاد اور ان کے قرابت دار ہیں۔

معبود! ان سب کو ذلیل و خوار کر دے جنہوں نے ہم پر ظلم کیا اور ہمارا حق

غضب کیا ہے، یقیناً تو سننے والا اور سب سے قریب ہے۔»

«محمد بن اشعث» جو دشمن کی اگلی صفوں میں تھا اور امامؑ کی بددعا سن رہا تھا، وہ آگے بڑھا

اور کہنے لگا: اَيُّ قَرَابَةٍ بَيْنَكَ وَ بَيْنَ مُحَمَّدٍ (تمہارے اور محمد کے درمیان کوئی قرابت داری ہے؟)

امامؑ نے جب اس کا یہ صاف انکار اور ڈھٹائی دیکھی تو اسے ان الفاظ میں بددعا دی:

«اللَّهُمَّ ارِنِي فِيهِ هَذَا الْيَوْمَ ذُلًّا عَاجِلًا»

«بارِ الہا! آج ہی میرے سامنے اس پر فوری ذلت نازل فرما۔»

امامؑ کے مہربان اور محبت آمیز لیکن دکھی دل سے نکلنے والی یہ بددعا فوراً ہی پوری ہوئی۔

کچھ ہی دیر بعد «محمد بن اشعث» رفع حاجت کی غرض سے لشکر کی صفوں سے چند قدم ہٹ کر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک سیاہ بچھونے اسے ڈس لیا اور اسی حالت میں وہ ہلاک ہوا، جبکہ اس کی شرمگاہ کھلی ہوئی تھی۔ (۱)

۲:- بلاذری، ابن اثیر اور دیگر مورخین کے بیان کے مطابق جب عمر ابن سعد کا لشکر امامؑ کے

خیموں کے نزدیک ہوا، تو اس موقع پر عبداللہ بن حوزہ تمیمی نامی شخص آگے بڑھا اور امام کے اصحاب سے مخاطب ہو کر بولا : اَفِيْكُمْ حُسَيْنٌ ؟ (کیا تمہارے درمیان حسین موجود ہیں؟) کسی نے اسے جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ جب تیسری مرتبہ اس نے یہی جملہ دہرایا تو امام کے ایک صحابی نے امام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے جواب دیا: هٰذَا الْحُسَيْنُ فَمَا تُرِيْدُ فِيْهِ (یہ ہیں حسین، بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟)

عبداللہ ابن حوزہ نے امام کو مخاطب کر کے کہا: اَبَشِّرْ بِالنَّارِ (تمہیں جہنم کی بشارت دیتا ہوں۔)

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: كَذِبْتَ بَلْ اَقْدِمُ عَلَى رَبِّ غَفُوْرٍ كَرِيْمٍ مُّطَاعٍ شَفِيْعٍ. فَمَنْ اَنْتَ ؟ (تو جھوٹ بولتا ہے، کیونکہ میں تو اس پروردگار کی بارگاہ میں جاؤں گا جو بخشنے والا، مہربان اور شفاعت قبول کر نیوالا ہے اور اسی کا حکم مانا جاتا ہے۔ تو بتا، تو کون ہے؟)۔ عبداللہ نے کہا: میں ابن حوزہ ہوں۔ اس موقع پر امام نے اپنے دست مبارک بلند کئے اور اس کے نام کی مناسبت سے اسے ان الفاظ میں بدو عادی:

«اَللّٰهُمَّ حُزُّهُ اِلَى النَّارِ»

((بارِ الہا! اسے آتش جہنم کی طرف کھینچ لے۔))

ابن حوزہ، امام کی بدو عا سن کر تیخ پا ہو گیا اور اسی غصے کے عالم میں اپنے گھوڑے کو زوردار کوڑا مارا۔ کوڑا کھاتے ہی گھوڑا بدک گیا اور عبداللہ گھوڑے کی پشت سے اچھل کر ایک گڑھے میں جا گرا اور اس کا پاؤں گھوڑے کی رکاب میں الجھ گیا۔ گھوڑا اسے لے کر ادھر ادھر بھاگنے لگا اور آخر کار اس خندق کی طرف چلا گیا جس میں آگ لگی ہوئی تھی اور عبداللہ کا سخت زخمی اور نیم جان جسم اسی آگ میں جا پڑا اور وہ آخرت کی آگ کا ایندھن بننے سے پہلے دنیا کی آگ میں جل کر راکھ ہوا اور فوری عذاب کا مزہ چکھ لیا۔

یہ دیکھ کر امام سجدے میں گر گئے اور اپنی دعا پوری ہونے پر سجدہ شکر ادا کیا۔

«ابن اشیر» یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد «مسروق ابن وائل حضرمی» کی زبانی لکھتا ہے کہ: میں مالِ غنیمت لوٹنے کی غرض سے لشکرِ کوفہ کی اگلی صفوں میں آ گیا تھا لیکن جب میں نے اپنی آنکھوں سے «ابن حوزہ» کا انجام دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ گھرانہ اللہ کے نزدیک خاص احترام رکھتا ہے۔ لہذا میں نے خود کو ایک طرف کر لیا اور دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ مجھے ان لوگوں سے نہیں لڑنا چاہئے، ورنہ میں بھی آتشِ جہنم کا شکار ہو جاؤں گا۔ (۱)

۳:- «بلاذری» نے لکھا ہے کہ: عاشور کے دن «عبداللہ ابن حصین عضدی» نے بلند آواز میں پکار کر کہا: اے حسین! یہ فرات کا پانی دیکھ رہے ہو؟ کیسا صاف و شفاف ہے۔ خدا کی قسم! اس کا ایک قطرہ بھی تمہارے حلق تک نہیں پہنچے دیں گے، یہاں تک کہ تم اسی پیاس میں مر جاؤ۔ امام نے اس کے جواب میں اسے بدو عادیتے ہوئے کہا:

«اللَّهُمَّ اقْتُلْهُ عَطَشًا وَلَا تَغْفِرْ لَهُ أَبَدًا»

«بارِ الہا! اسے پیاس سے مار ڈال اور کبھی اس کی مغفرت نہ فرما۔»

اس کے بعد «بلاذری» کہتا ہے: جیسا کہ امام نے بدو عادی تھی، ابنِ حصین پیاس سے ہی مرا۔ کیونکہ عاشور کے بعد ایک مدت تک وہ جتنا بھی پانی پی سکتا تھا پیتا تھا لیکن اس کے باوجود اس کی پیاس نہیں بجھتی تھی۔ یہاں تک کہ اسی عالم میں وہ ہلاک ہوا۔ (۲)



۱- انساب الاشراف - ج ۳ - ص ۱۹۱، تاریخ کامل ابن اشیر - ج ۴ - ص ۲۷، مقتل خوارزمی - ج ۱ - ص

۲۹۴، تاریخ ابن عساکر - ص ۲۵۶۔

۲- انساب الاشراف - ج ۳ - ص ۱۸۱۔

۵۷

عمر ابن سعد کے ساتھ گفتگو

«أَيُّ عُمَرُ اتَّزَعَمُ أَنَّكَ تَقْتُلُنِي وَ يُؤَلِّيكَ الدَّعِيَّ بِلَادِ
الرَّيِّ وَ جُرْجَانَ وَ اللّٰهَ لَا تَتَهَنَّا بِذَلِكَ عَهْدُ
مَعْهُودٌ فَاصْنَعْ مَا أَنْتَ صَانِعٌ فَإِنَّكَ لَا تَفْرَحُ بَعْدِي بِدُنْيَا
وَ لَا آخِرَةٍ وَ كَأَنِّي بِرَأْسِكَ عَلَى قَصَبَةٍ يَتَرَامَاهُ الصَّبِيَّانُ
بِالْكَوْفَةِ وَ يَتَّخِذُونَهُ غَرَضًا بَيْنَهُمْ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

وَلِي، تَوَلِيَّةٌ: کسی کو کسی کام کا ذمے دار مقرر کرنا۔ تَتَهَنَّا (هَنَّا ہے): خوش گوار
ہونا۔ قَصَبَةٌ: بانس۔ تَرَامَى: پتھروں کی بارش کرنا۔ غَرَضٌ: ہدف، مقصد۔

ترجمہ اور تشریح

امام نے اپنے دوسرے خطاب کے بعد عمر ابن سعد کو بلایا۔ باوجود یہ کہ عمر ابن سعد اس
ملاقات پر راضی نہ تھا اور امام کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن بالآخر سامنے آیا اور حسین ابن علی
نے آخری مرتبہ اس پر حجت تمام کی اور اسے اپنے ساتھ جنگ کے ارادے اور فیصلے کے برے

۱۔ مقتل خوارزمی۔ ج ۲۔ ص ۸، مقتل عوالم۔ ص ۸۴۔

نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

«اَيُّ عُمْرٍ اَتَزَعُمُ اَنَّكَ تَقْتُلُنِي ... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جب تم مجھے قتل کر لو گے تو پھر وہ بے حیا (یزید) «رے» اور «گرگان» کی حکومت تمہارے حوالے کر دے گا۔ نہیں، خدا کی قسم وہ حکومت تمہیں کبھی نصیب نہیں ہوگی اور یہ وعدہ یقینی وعدہ ہے۔ جو کر سکتے ہو کر گزرو۔ میرے بعد نہ اس دنیا میں اور نہ آخرت میں کہیں بھی تم چین سے نہ رہ سکو گے۔ وہ وقت زیادہ دور نہیں، جب اسی شہر کوفہ میں تیرا سر ایک بانس پر ہوگا اور شہر کے بچے اسے کھلونا بنا کر اس پر سنگ باری کریں گے۔»

امامؑ کی یہ بات سن کر عمر ابن سعد بغیر کوئی جواب دیئے سخت طیش کے عالم میں اپنے لشکر کی طرف واپس چلا گیا۔

امامؑ کی بددعا اور عمر ابن سعد کا انجام

امام حسین علیہ السلام نے اتمام حجت کی غرض سے عمر ابن سعد سے دوسری مرتبہ ملاقات کی اور اسے وعظ و نصیحت کی۔ یہاں تک کہ اس سے وعدہ کیا کہ اگر اسے کوئی مادی نقصان اٹھانا پڑا تو امامؑ اس کا بھی ازالہ فرمادیں گے۔ اس طرح امامؑ اس کی خیر خواہی اور رہنمائی کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ اس ظلم اور بہیمیت سے دور رہے اور دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائے۔ لیکن دنیا کی محبت اور عہدے و مقام کی خواہش نے اس طرح عمر ابن سعد کی عقل پر قبضہ جما لیا تھا اور اس سے اس کا اختیار سلب کر لیا تھا کہ دونوں موقعوں پر امامؑ کو اس کے منفی جواب کا سامنا کرنا پڑا اور اس تمام وعظ و نصیحت کا کوئی نتیجہ حاصل نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ پہلی ملاقات میں امامؑ نے اسے بددعا دیتے ہوئے کہا: ذَبْحَكَ اللّٰهُ عَلٰی فِرَاشِكَ ... (خدا تجھے تیرے بستر پر ذبح کروائے اور قیامت کے دن تیری مغفرت نہ کرے اور امید ہے کہ عراق کی

گندم سے تجھے بہت کم نصیب ہو پائے گا۔)

اس گفتگو میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب امام کی تمام وعظ و نصیحت بے نتیجہ رہی اور آپ نے دیکھا کہ ابن سعد حملے کے لئے تیار ہے تو فرمایا: نہ صرف یہ کہ تجھے کسی صورت حکومت نہیں ملے گی بلکہ نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں تجھے کوئی خوشی نصیب ہوگی۔

اب ہم عاشورا کے بعد عمر ابن سعد کے انجام پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں گے تاکہ یہ جان سکیں کہ جو کچھ امام نے اس کے مستقبل کے بارے میں فرمایا تھا وہ کس طرح پورا ہوا۔

ابن سعد واقعہ عاشورا کے بعد بہت ہی تھوڑی مدت زندہ رہا، اور اس عرصے میں اسے خوشی کا ایک دن بھی نصیب نہ ہوا، اسکی موت بھی نہ صرف یہ کہ طبعی طور پر واقع نہ ہوئی بلکہ امام کے کہے کے عین مطابق اسے اس کے گھر میں اس کے بستر پر ذبح کیا گیا۔

عاشور کے کچھ ہی عرصے کے بعد عمر ابن سعد کی ذلت اور بد قسمتی کا دور شروع ہو گیا۔ جب وہ اسیرانِ کربلا کے قافلے کے ساتھ کوفہ پہنچا تو کربلا کی روئیداد بتانے کی غرض سے ابن زیاد سے ملنے گیا۔ تمام تفصیلات سننے کے بعد ابن زیاد نے اس سے کہا کہ وہ خط جس میں میں نے تمہیں حسین سے جنگ کرنے کے لئے کہا تھا اب مجھے واپس دے دو۔ عمر ابن سعد نے یہ بہانہ کرتے ہوئے کہ جنگ کی افراتفری میں وہ خط کہیں گم ہو گیا ہے خط اسے لوٹانے سے بچنا چاہا۔ لیکن جب ابن زیاد نے بہت زیادہ اصرار کیا تو اس نے کہا کہ: اے امیر! اب اس حکمنامے کی واپسی پر اتنا اصرار کیوں کر رہے ہو؟ میں نے تمہارے حکم کی تعمیل میں حسین ابن علی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا ہے۔ تمہارا یہ حکم نامہ میرے پاس رہنا ضروری ہے تاکہ اسے مدینہ اور دوسرے شہروں میں قریش کی بوڑھی عورتوں کو دکھا کر اپنا عذر پیش کر سکوں۔

((سبط ابن جوزی)) کے بیان کے مطابق ابن زیاد غصے سے پھٹ پڑا اور ان دونوں میں اس قدر بحث و تکرار ہوئی کہ جب عمر ابن سعد دارالامارہ سے نکل کر گھر واپس جا رہا تھا تو اس کی زبان پر تھا کہ: کوئی مسافر میری طرح بد قسمت اور خالی ہاتھ گھر واپس نہ آیا ہوگا۔ میری تو دنیا

بھی گئی اور آخرت سے بھی محروم ہوا۔

اس واقعے کے بعد عمر ابن سعد اپنے گھر میں بند ہو کے بیٹھ گیا، کیونکہ ایک طرف تو وہ ابن زیاد کے غیظ و غضب کا نشانہ تھا اور دوسری طرف کوفہ کے عوام بھی اس سے سخت نفرت کرتے تھے۔ وہ جب بھی مسجد کوفہ میں آتا، لوگ اس سے کترا کر دور چلے جاتے اور جب گلیوں، بازاروں سے اس کا گزر ہوتا تو عورتیں، بچے، جوان اور بوڑھے سب اسے برا بھلا کہتے، گالیاں دیتے اور اس کی طرف اشارے کر کے کہتے تھے کہ: هَذَا قَاتِلُ الْحُسَيْنِ (یہی حسین کا قاتل ہے۔)

یہاں تک کہ ۶۵ ہجری میں یعنی امام حسینؑ کی شہادت کے پانچ سال بعد، مختار ثقفی کے حکم سے اسے قتل کیا گیا۔ کتب تاریخ میں اس کے قتل کا تفصیلی ذکر موجود ہے، اس کا اجمال یہ ہے کہ: ایک دن مختار نے عمر ابن سعد کے قتل کا عندیہ ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ: بہت جلد میں ایک ایسے شخص کو قتل کروں گا جو فلاں فلاں خصوصیات کا حامل ہے اور اس کا قتل اہل زمین اور اہل آسمان کی خوشی کا سبب بنے گا۔ «ہیشم» نامی ایک شخص جو اس محفل میں موجود تھا مختار ثقفی کا مطلب سمجھ گیا اور اس نے اپنے بیٹے «عریان» کو عمر ابن سعد کے پاس اسے ہوشیار کرنے کی غرض سے روانہ کیا۔

اگلے دن عمر ابن سعد نے اپنے بیٹے «حفص» کو مختار کے پاس بھیجا تا کہ اس سے بات چیت کرے۔ یاد رہے کہ «حفص» بھی کر بلا میں عمر ابن سعد کے ہمراہ موجود تھا۔ «حفص» کے آنے کے بعد مختار نے اپنی پولیس کے سربراہ «کیسان تمار» کو خفیہ طور پر بلوایا اور اسے حکم دیا کہ فوراً جا کے عمر ابن سعد کا سر تن سے جدا کرو اور میرے پاس لاؤ۔

«ابن قتیبہ» کہتا ہے: «کیسان» مختار کے حکم کے مطابق عمر ابن سعد کے گھر پہنچا اور دیکھا کہ وہ اپنے بستر پر ہے۔ عمر ابن سعد نے جب «کیسان» کے غضبناک تیور دیکھے تو اسے اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ لہذا اس نے بستر سے نکل کر بھاگنا چاہا لیکن لحاف اس کے پاؤں میں الجھ

گیا اور وہ بستر ہی پر گر پڑا۔ ((کیسان)) نے مزید کوئی موقع دیئے بغیر بستر ہی پر اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور یوں اس کی ذلت آمیز اور جرائم سے بھری زندگی اپنے اختتام کو پہنچی۔

((کیسان)) جب عمر ابن سعد کا سر مختار کے پاس لایا تو مختار نے ((حفص)) سے مخاطب ہو کر کہا: کیا اس سر کو پہچانتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں، اور اب اس کے بعد زندگی بے مزہ ہے۔

مختار نے بھی کہا: ہاں، تمہارا زندہ رہنا بے سود ہے۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ ((حفص)) کا سر بھی تن سے جدا کر کے اس کے باپ کے سر کے ساتھ رکھ دیا جائے۔ پھر مختار نے

کہا: عمر ابن سعد، حسینؑ کے اور حفص، علی اکبرؑ کے بدلے میں۔ لیکن پھر وہ بولا: نہیں، خدا کی قسم ایسا نہیں ہے، بلکہ اگر قریش کے تین چوتھائی افراد کو بھی قتل کر دوں تب بھی حسینؑ کی انگلیوں کے ایک پورے کے برابر بھی نہیں ہوں گے۔ (۱)

یہ تھا تاریخ کے مجرم ترین شخص عمر ابن سعد کے لئے امامؑ کی بددعا کا نتیجہ اور اسکے مستقبل کا احوال جس کے متعلق حسین ابن علیؑ نے فرمایا تھا کہ: فَإِنَّكَ لَا تَفْرَحُ بَعْدِي بِدُنْيَا وَلَا آخِرَةٍ..... ذَبَّحَكَ اللَّهُ عَلَىٰ فِرَاشِكَ عَاجِلًا إِنِّي لَا رَجُوانُ لَا تَأْكُلُ مِنْ بَرِّ الْعِرَاقِ إِلَّا يَسِيرًا.



۵۸

عمرو ابن حجاج کے جواب میں

«وَيَحْكُ يَا عَمْرُو أَعَلَى تَحَرَّضِ النَّاسِ؟ أَنَحْنُ مَرَقْنَا
عَنِ الدِّينِ وَأَنْتَ تُقِيمُ عَلَيْهِ؟ سَتَعْلَمُونَ إِذَا فَارَقْتُ
أَرَوَا حُنَا أَجْسَادَنَا مَنْ أَوْلَى بِصَلَى النَّارِ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

تَحَرِّضُ: کسی کو کسی کام پر مائل کرنا۔ مَرَقَ عَنِ الدِّينِ: دین سے نکل گیا۔ صَلَى النَّارِ: آگ میں ڈالا جانا۔

ترجمہ اور تشریح

لشکرِ کوفہ کا ایک سردار «عمرو بن حجاج» جو چار ہزار افراد کی قیادت کر رہا تھا، اس نے اپنے سپاہیوں کو امامؑ کے خلاف جنگ پر اکساتے ہوئے کہا: قَاتِلُوا مَنْ مَرَقَ عَنِ الدِّينِ وَ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ (اس شخص سے جنگ کرو جو دین سے نکل گیا ہے اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو گیا ہے۔)

امامؑ نے جب عمرو بن حجاج کے یہ الفاظ سنے تو فرمایا:

«وَيُحَكِّ يَا عَمْرُو اے عمرو! بد قسمتی تیرا مقدر بنے ہمارے
 خلاف لوگوں کو جنگ پر ابھار رہا ہے؟ کیا ہم (جو خاندان پیغمبر سے ہیں، وحی
 ہمارے گھر میں نازل ہوئی اور دین کو ہمارے افراد کے جہاد کے ذریعے
 استحکام حاصل ہوا) تو دین سے خارج ہو گئے ہیں اور تو دین پر قائم ہے؟ جلد
 ہی جب ہماری روہیں جسموں سے جدا ہو جائیں گی تو تو سمجھ لے گا کہ کون جہنم
 کی آگ میں ڈالا جائے گا۔»



جنگ کے آغاز پر اپنے اصحاب سے خطاب

«قَوْمُوا أَيُّهَا الْكِرَامُ إِلَى الْمَوْتِ الَّذِي لَا بُدَّ مِنْهُ فَإِنَّ هَذِهِ
السَّهَامَ رُسُلُ الْقَوْمِ إِلَيْكُمْ فَوَ اللَّهُ مَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ
وَالنَّارِ إِلَّا الْمَوْتُ يَعْبُرُ بِهِؤُلَاءِ إِلَى جَنَاحِهِمْ وَبِهِؤُلَاءِ
إِلَى نَيْرَانِهِمْ» (۱)

ترجمہ اور تشریح

امام کے عام خطاب آپ کی عمر ابن سعد کے ساتھ گفتگو اور اس کے واپس اپنی سپاہ
میں چلے جانے کے بعد عمر ابن سعد ایک مرتبہ پھر اپنے لشکر سے نمودار ہوا اور حسین ابن علی کے
خیموں کی طرف ایک تیر پھینک کر اپنے سپاہیوں سے بولا: اِسْهَدُوا لِي عِنْدَ الْأَمِيرِ أَنِّي
أَوَّلُ مَنْ رَمَى (امیر کے سامنے گواہی دینا کہ) (حسین ابن علی کی طرف) سب سے پہلا تیر
میں نے پھینکا ہے۔)

یہ منظر دیکھنے کے بعد کوفیوں نے امام کے خیموں کی طرف تیر پھینکنا شروع کر دیئے اور
دشمن کی طرف سے پھینکے جانے والے یہ تیر بارش کے قطروں کی طرح خیموں پر برسنے لگے۔
کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر اصحاب امام میں سے بہت کم ایسے افراد بچے تھے جن کے بدن

تیروں سے محفوظ رہے ہوں۔

یہ دیکھ کر امامؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

«قُومُوا أَيُّهَا الْكَرَامُ إِلَى الْمَوْتِ اٹھو! صاحبانِ عزت و شرف

اور اس موت کی طرف بڑھو جس سے فرار ممکن نہیں۔ یہ تیر اس قوم کی جانب

سے تمہارے لئے (جنگ کا) پیغام ہیں۔ خدا کی قسم تم لوگوں اور جنت اور

دوزخ کے درمیان بس موت ہی کا فاصلہ ہے جس سے گزر کر تم جنت میں پہنچو

گے اور وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔»

«لہوف» کے بیان کے مطابق اس موقع پر امامؑ کے اصحاب نے یکجا ہو کر ایک شدید

حملہ کیا اور حق و باطل کی فوجوں کے درمیان گھسان کی جنگ ہوئی۔ اس حملے کے بعد گرد و غبار

بیٹھا تو پتا چلا کہ امامؑ کے اصحاب میں سے پچاس جانثار جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں۔

حسین ابن علیؑ کے اصحاب و انصار کے بارے میں خوبصورت ترین اور انمول ترین تعبیر

اور جامع ترین وصف جس سے بڑھ کر کوئی وصف ممکن نہیں، خود حسین ابن علیؑ کی طرف سے ان

کے لئے استعمال ہونے والی «أَيُّهَا الْكَرَامُ» کی تعبیر ہے۔

ان بزرگ منش افراد کی اس کرامت و بزرگی کا نظارہ نہ صرف ان صاحبانِ عزت و شرف

ہستیوں کی عمر کے آخری لحظات میں اور ان کے آخری الفاظ میں کیا جاسکتا ہے بلکہ جس طرح

ان لوگوں کے متعلق ہم نے حسین ابن علیؑ کی زبانی سنا ہے اسی طرح ہم جبریل امین اور رسول

کریمؐ کی زبانی ان کے عزت و شرف کے متعلق سنیں گے۔

تاریخ میں منقول ہے: ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند اصحاب کے

ہمراہ مدینے کی ایک گلی سے گزر رہے تھے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا سامنا چند بچوں

سے ہوا جو کھیل کود میں مشغول تھے۔ نبی اکرمؐ ایک بچے کے پاس گئے، اسے پیار کیا، اس کے

ساتھ محبت و شفقت سے پیش آئے۔ پھر اسے اپنی گود میں بٹھا کر اس پر بوسوں کی بارش کر دی۔

جب اصحاب نے اس نوازش کا سبب دریافت کیا تو فرمایا: ایک دن میں نے دیکھا کہ یہ بچہ حسین کے ساتھ کھیل رہا تھا اور ان کے قدموں کی خاک ہاتھ میں اٹھا کر اپنے چہرے اور آنکھوں پر ملتا تھا۔ پس میں اس بچے کو پسند کرتا ہوں کیونکہ یہ میرے حسین کو چاہتا ہے۔

پھر نبی اکرمؐ نے فرمایا: جبریلؑ نے مجھے بتایا ہے کہ یہ بچہ عاشور کے دن میرے بیٹے حسین کے اصحاب و انصار میں شامل ہوگا۔ (۱)



۶۰

خدا کی ناراضگی کے اسباب

«اَشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى الْيَهُودِ إِذْ جَعَلُوا لَهُ وَلَدًا وَ اَشْتَدَّ
غَضَبُهُ عَلَى النَّصَارَى إِذْ جَعَلُوهُ ثَالِثَ ثَلَاثَةٍ وَ اَشْتَدَّ
غَضَبُهُ عَلَى الْمَجُوسِ إِذْ عَبَدُوا الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دُونَهُ وَ
اَشْتَدَّ غَضَبُهُ عَلَى قَوْمٍ اتَّفَقَتْ كَلِمَتُهُمْ عَلَى قَتْلِ ابْنِ بَنِي
نَبِيِّهِمْ . (۱)

أَمَّا وَاللَّهِ لَا أُجِيبُهُمْ إِلَى شَيْءٍ مِمَّا يُرِيدُونَ حَتَّى أَلْقَى
اللَّهُ وَ أَنَا مُخَضَّبٌ بِدَمِي .

أَمَّا مِنْ مُغِيثٍ يُغِيثُنَا أَمَّا مِنْ ذَابٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُولِ
اللَّهِ .»

ترجمہ اور تشریح

جیسا کہ گزشتہ حصے میں اشارہ ہوا، مٹھی بھر اصحابِ حسینی پر دشمن کے پے در پے حملوں کے نتیجے میں امام کے متعدد اصحاب شہید ہو گئے۔ اس موقع پر حسین ابن علیؑ نے اپنی

ریش مبارک ہاتھ میں لے کے فرمایا:

«اَشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى الْيَهُودِ اللہ تعالیٰ یہودیوں پر شدت کے ساتھ اس لئے غضبناک ہوا کہ وہ اس کے لئے ایک بیٹے کے قائل ہوئے۔ عیسائیوں پر اس لئے بے حد ناراض ہوا کہ انہوں نے اللہ رب العزت کو تین میں کا تیسرا قرار دیا اور مجوسیوں پر اس لئے شدید طیش میں آیا کہ وہ خدا کی بجائے سورج اور چاند کی عبادت کرنے لگے اور اب اس قوم (لشکرِ یزید) پر اس لئے انتہائی غیظ میں آیا ہے کہ وہ ایک کر کے اپنے نبی کے نواسے کو قتل کرنے کے درپے ہیں۔»

امام حسینؑ نے اپنی گفتگو کے اختتام پر فرمایا:

«أَمَّا وَاللَّهِ لَا أُجِيبُهُمْ إِلَى شَيْءٍ ... واللہ میں کبھی ان کے مطالبات نہیں مانوں گا، یہاں تک کہ اپنے ہی خون میں رنگا ہوا اللہ سے ملاقات کروں گا۔» پھر آپؑ نے با آواز بلند فرمایا:

«أَمَّا مَنْ مُغِيبٌ يُغِيبُنَا کیا کوئی مدد کرنے والا ہے جو ہماری مدد کو آئے؟ کیا کوئی مدافع ہے جو حرم رسول کا دفاع کرے؟»

جب امامؑ کی یہ آواز عورتوں اور بچیوں تک پہنچی تو ان کے رونے کی صدا میں بلند ہونے لگیں۔ تاریخ میں نقل ہوا ہے کہ اس موقع پر لشکرِ کوفہ میں شامل ((سعد)) اور ((ابو الحنفیہ)) نامی دو بھائیوں نے امامؑ کا استغاثہ سن کر اپنی رائے بدل لی اور حسین ابن علیؑ سے جنگ کرنے کی بجائے ان کے لشکر میں شامل ہو گئے اور امامؑ کی رکاب میں لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ آئندہ صفحات میں ان دونوں بھائیوں کی جرات اور شہادت کے واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔



اصحاب کی شہادت کے موقع پر امام کی گفتگو (حضرت مسلم بن عوسجہ سے فرمایا)

«رَحِمَكَ اللَّهُ يَا مُسْلِمُ! فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ
مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَلُوا تَبْدِيلًا.» (۱) (۲)

ترجمہ اور تشریح

اپنے اصحاب کی زندگی کے آخری لمحات میں امام حسین علیہ السلام ان کی جانبازی اور
راہِ شہادت کے انتخاب پر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ اسی طرح مختلف مناسبتوں پر مثلاً
انہیں وداع کرتے ہوئے یا قتل گاہ میں ان کے خون آلود اور نیم جاں اجساد کے سرہانے پہنچ
کر انتہائی خوبصورت فقروں یا اپنے محبت بھرے انداز کے ذریعے (جن سے آپؑ کی انتہائی
محبت اور شفقت کا اظہار ہوتا تھا) ان کی دلجوئی اور تسلی خاطر کا ساماں کرتے تھے۔

ان نازک حالات میں فرزندِ فاطمہؑ کے یہ الفاظ اور انداز ان افراد کے دلوں پر اس
قدر اثر انداز ہوتے اور نفسیاتی لحاظ سے انہیں اس قدر تقویت پہنچاتے جس کا تصور بھی ہمارے
لئے ممکن نہیں۔ البتہ ہم کم از کم اتنا ضرور سمجھ سکتے ہیں کہ امامؑ کے یہ فقرے اور طرزِ عمل ان

۱- تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۳۴۳، لہوف - ص ۹۴۔

۲- سورۃ احزاب ۳۳ - آیت ۲۳۔

جانبازوں اور جانثاروں کے سینوں پر تمنّہ امتیاز کی صورت میں تا قیام قیامت چمکتے رہیں گے اور ہمیشہ صفحاتِ تاریخ سے نور بکھیر کر حسین ابن علیؑ کی راہ و رسم کی پیروی کرنے والوں کے دلوں کو روشنی بخشتے رہیں گے اور آپؑ کے عقیدتمندوں کے راستے کو روشن کرتے رہیں گے۔

مثال کے طور پر جب حسین ابن علیؑ اپنے اصحاب میں سے «واضح» نامی ایک ترک غلام کے سرہانے تشریف لائے تو انہیں گلے سے لگایا، اپنے دستِ مبارک ان کی گردن کے نیچے رکھے اور اپنا چہرہ ان کے چہرے پر رکھا۔ «واضح» امامؑ کی یہ محبت اور شفقت دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئے اور اس اعزاز پر فخر کرتے ہوئے کہا: مَنْ مِثْلِي وَابْنُ رَسُولِ اللَّهِ وَاصْبُ خَدَّهِ عَلَيَّ خَدِّي (مجھ جیسا کون ہوگا جسے یہ اعزاز ملا ہو) کہ فرزندِ رسولؐ نے اپنا رخسار اس کے رخسار پر رکھا ہو؟)۔ اسی عالم میں ان کی روح پرواز کر گئی۔ (۱)

اسی طرح جب امامؑ اپنے ایک اور غلام «مسلم» کے پاس تشریف لائے تو ان میں ابھی تھوڑی سی جان باقی تھی۔ آپؑ نے انہیں بھی گلے سے لگایا۔ «مسلم» مسکرائے اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔ (۲)

اگرچہ ایسے واقعات بہت زیادہ ہیں لیکن ہم صرف انہی واقعات کو بیان کریں گے جن میں امام علیہ السلام نے کچھ ارشاد فرمایا ہے اور اس حوالے سے امامؑ کی کوئی گفتگو نقل ہوئی ہے۔ تاریخ اور مقتل کی کتب میں یہ واقعات جس ترتیب سے ذکر ہوئے ہیں ہم بھی اسی ترتیب سے یہاں ذکر کر رہے ہیں:

مقتل عوام (۳) اور مقتل خوارزمی (۴) کے مطابق جب بھی امامؑ کے کوئی صحابی میدان کی طرف جاتے تو آپؑ سے یہ کہہ کر وداع ہوتے: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بَنَ رَسُولِ اللَّهِ .

۲- ذخیرۃ الدارین نقل از مقتل مقرر- ص ۳۰۱۔

۱- مقتل عوام- ص ۹۱، ابصار العین- ص ۸۵۔

۴- مقتل خوارزمی- ج ۲- ص ۲۵۔

۳- مقتل عوام- ص ۸۵۔

امامؑ جواب میں پہلے تو یہ فرماتے کہ: **وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَنَحْنُ خُلْفَاكَ** (اور تم پر بھی ہمارا سلام ہو اور ہم بھی تمہارے پیچھے پیچھے ہی آ رہے ہیں) اور پھر اس آیت کی تلاوت فرماتے: **فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَلُوا تَبْدِيلًا**۔ (ان میں سے بعض نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے اور بعض اپنے وقت کا انتظار کر رہے ہیں اور اپنے عہد و پیمان میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی ہے۔ سورہ احزاب ۳۳- آیت ۲۳)

لیکن جیسا کہ پہلے اشارہ ہوا، بعض اوقات امامؑ خاص مناسبت سے کوئی بات یا جملہ ارشاد فرماتے جو آپؐ کے جذبات و احساسات کا ترجمان یا کسی موضوع کی اہمیت پر دلالت کر رہا ہوتا تھا۔ ذیل میں ہم ایسے ہی چند یادگار جملوں کو ذکر کر رہے ہیں۔

جب مسلم ابن عوسجہ (۱) اپنے ہی خون میں نہا کر زمین پر گرے، ابھی ان میں زندگی کے کچھ آثار باقی تھے کہ امامؑ حبیب ابن مظاہر کے ہمراہ ان کے سرہانے تشریف لائے اور ان کے پاس بیٹھ کر فرمایا: **رَحِمَكَ اللَّهُ يَا مُسْلِمُ** (اللہ تمہیں غریقِ رحمت کرے، اے مسلم)۔ پھر یہ آئیہ کریمہ تلاوت فرمائی: **فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَلُوا تَبْدِيلًا**۔ (ان میں سے بعض نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے اور بعض اپنے وقت کا انتظار کر رہے ہیں اور اپنے عہد و پیمان میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی ہے۔ سورہ احزاب ۳۳- آیت ۲۳)

اس موقع پر حبیب ابن مظاہر نے مسلم کو مخاطب کر کے فرمایا: اے مسلم! تمہارا مارا جانا میرے لئے بہت گراں ہے لیکن تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تم چند ہی لمحوں کے بعد جنت میں ہو

۱- ابن سعد نے طبقات میں تحریر کیا ہے کہ مسلم ابن عوسجہ نبی اکرمؐ کے اصحاب میں سے تھے، آپ انتہائی شجاع اور کوفہ کے رہنے والے تھے۔ مسلم ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے امام حسینؑ کو خط لکھ کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔ مسلم ابن عوسجہ کوفہ میں ابن زیاد کے آنے اور حضرت مسلم بن عقیل کے قتل کئے جانے کے بعد امامؑ کی نصرت کی غرض سے اپنے اہل و عیال کے ہمراہ کوفہ سے نکلے اور امام حسینؑ سے آ ملے اور مرتے دم تک اپنے عہد پر باقی رہے۔

گے۔ مسلم نے جواب میں فرمایا: جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا (اللہ تمہیں جزائے خیر عنایت فرمائے)
 حبیب نے مزید فرمایا: اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ آپ کے کچھ ہی دیر بعد میں بھی قتل ہو
 جاؤں گا تو آپ سے کہتا کہ اگر کوئی وصیت ہے تو مجھے بتائیے۔ مسلم نے امام حسینؑ کی طرف
 اشارہ کرتے ہوئے کمزور و نحیف آواز میں حبیب سے کہا: اَوْصِيكَ بِهَذَا اَنْ تَمُوْتَ
 دُوْنَهُ (میری وصیت یہ ہے کہ ان سے پہلے جان دینا۔) بالفاظ دیگر مرتے دم تک امامؑ کی
 حفاظت کرنا۔

حبیب نے فرمایا: خدا کی قسم تمہاری اس وصیت پر عمل کروں گا۔ اسی گفتگو کے دوران
 مسلم ابن عوسجہ کی روح پرواز کر گئی اور وہ دوسرے شہدائے اسلام سے جا ملے۔



۶۲

عبداللہ ابن عمیر کی والدہ سے فرمایا

«جُزِیْتُمْ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي خَيْرًا إِرْجِعِي إِلَى النِّسَاءِ رَحِمَكَ
اللَّهُ فَقَدْ وُضِعَ عَنْكَ الْجِهَادُ.....
لَا يَقْطَعُ اللَّهُ رَجَائِكَ» (۱)

ترجمہ اور تشریح

امام حسینؑ کے اصحاب میں قبیلہ کلب کے ایک شخص ((عبداللہ ابن عمیر)) بھی شامل تھے جن کی کنیت ((ابو وہب)) تھی اور جو کوفہ سے اپنی زوجہ اور والدہ کے ہمراہ حسین ابن علیؑ کی نصرت کے لئے حاضر ہوئے تھے۔

شمر کی قیادت میں دشمن کے ایک دستے نے امامؑ کے لشکر کے بائیں حصے پر ایک حملہ کیا، اس حملے میں امامؑ کے دیگر چند اصحاب کے ساتھ ((عبداللہ ابن عمیر)) بھی شہید ہو گئے۔ انہوں نے اس حملے کا مقابلہ کرتے ہوئے غیر معمولی استقامت کا مظاہرہ کیا۔ مقابلے کے دوران دشمن کے کئی سواروں اور پیادوں کو قتل کرنے کے بعد ان کا سیدھا ہاتھ اور ایک ٹانگ کٹ گئی، وہ قیدی بنا لئے گئے اور دشمن نے خوف اور دہشت پھیلانے کی غرض سے فوراً ہی لشکرِ امامؑ کے

۱- انساب الاشراف - ص ۱۹۴، مقتل خوارزمی - ج ۲ - ص ۲۲، بحار الانوار - ج ۴۵ - ص ۲۷، مناقب - ج

سامنے انہیں تلواروں اور نیزوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس طرح انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔

ان کی زوجہ جو خیموں میں موجود تھیں، مقتل میں آئیں، اپنے شوہر کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے لاشے کے پاس بیٹھیں اور ان کے چہرے پر سے خاک اور خون صاف کرتے ہوئے فرمایا: هَنِئَا لَكَ الْجَنَّةُ اَسْأَلُ اللَّهَ الَّذِي رَزَقَكَ الْجَنَّةَ اَنْ يَصْحَبَنِي مَعَكَ۔ (تمہیں جنت مبارک ہو، جس خدا نے تمہیں بہشت عطا کی اسی سے دعا ہے کہ مجھے بھی وہاں تمہارا ہم نشین بنائے۔)

اسی دوران شمر کے غلام «رستم» نے شمر کے حکم پر ایک گرز لے کر عبد اللہ کی زوجہ پر حملہ کیا اور ان کا سر پاش پاش کر دیا۔ وہ وہیں شہید ہو گئیں اور ان کا بے جان جسم اپنے شوہر کے لاشے کے قریب ہی خاک پر گر گیا۔ یہ میدان کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہونے والی واحد خاتون ہیں۔

اس کے بعد شمر کے غلام نے «عبد اللہ ابن عمیر» کا سرتن سے جدا کیا اور امّ کے خیموں کی طرف پھینک دیا۔ «عبد اللہ» کی ماں نے «عبد اللہ» کا کٹا ہوا سر اٹھایا اور ان کے چہرے سے خاک و خون صاف کرنے کے بعد خیمے کی لکڑی اٹھا کر حملے کی غرض سے دشمن کی طرف بڑھیں۔

یہ منظر دیکھ کر امام علیہ السلام نے حکم دیا کہ انہیں خیموں کی طرف واپس لے آئیں اور ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

«جُزِئْتُمْ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي خَيْرًا إِرْجِعِي إِلَى النِّسَاءِ رَحِمَكَ اللَّهُ
وَضَعِ عَنْكَ الْجِهَادَ..»

«تم میرے اہل بیت کی طرف سے بہترین جزا پاؤ۔ عورتوں کی طرف واپس چلی آؤ، خدا تم پر رحم کرے۔ اللہ نے تم پر سے جہاد کا فریضہ اٹھایا ہوا ہے۔»

عبداللہ کی والدہ امام کے حکم کی تعمیل میں یہ کہتی ہوئی خیموں کی طرف واپس آئیں کہ :

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْطَعْ رَجَائِيْ (بارِ الہا! مجھے ناامید نہ فرمانا۔)

امام نے جواب میں فرمایا:

«لَا يَقْطَعُ اللّٰهُ رَجَائَكَ.»

«خدا تمہیں ناامید نہیں کرے گا۔»

ایک تاریخی غلطی کا جائزہ

اس موقع پر مناسب نظر آتا ہے کہ ہم علما اور دانشوروں کی توجہ ایک علمی نکتے کی طرف مبذول کروائیں۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ تاریخ، رجال اور مقاتل کی کتابوں میں امام حسینؑ کے اصحاب میں جب بھی کسی ایک شخص کا تذکرہ آتا ہے، جس کا تعلق قبیلہ کلب سے تھا اور اسکی زوجہ اور والدہ بھی اس کے ہمراہ تھیں اور اس کی شہادت اسی انداز میں واقع ہوئی تھی جیسے ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ تو اس شخص کو کبھی «وہب ابن عبداللہ کلبی»، اور کبھی «عبداللہ ابن عمیر کلبی» کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

دوسری طرف بعض مقاتل اور تاریخ کی کتب میں کربلا میں امام کے اصحاب میں «وہب» نام کے ایک اور شخص کا ذکر بھی موجود ہے جو عیسائی مذہب چھوڑ کر تازہ تازہ مسلمان ہوا تھا۔ لہذا جو کچھ ہم نے «عبداللہ ابن عمیر کلبی» کے بارے میں ذکر کیا اس سب کچھ کو یا ان میں سے بعض چیزوں کو «وہب کلبی» یا اسی سابقہ عیسائی وہب سے نسبت دے دی جاتی ہے اور اسی طرح بعض وہ چیزیں جو عیسائی وہب کے بارے میں نقل ہوئی ہیں وہ وہب کلبی کے حالات میں کہہ دی جاتی ہیں۔

تاریخی کتابوں کی اسی غلطی کی وجہ سے مشاہدہ کیا گیا ہے کہ بعض کتابوں میں امام کے اصحاب کی تعداد ذکر کرتے ہوئے عبداللہ ابن عمیر، وہب ابن عبداللہ کلبی اور وہب عیسائی تین

نام علیحدہ علیحدہ ذکر کر دیئے جاتے ہیں اور بعض مقاتل میں وہب نام کے صرف ایک شخص کا ذکر کیا جاتا ہے اور عبد اللہ ابن عمیر جن کی کر بلا میں شہادت مسلم الثبوت ہے، ان کا اور اسی طرح دوسرے وہب کا نام حذف کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض کتابوں میں عبد اللہ ابن عمیر کا ذکر کیا جاتا ہے اور عیسائی وہب کے نام کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ (۱)

کیونکہ مورخین عام طور پر دوسروں کی بات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں لہذا بات نقل کی حد سے آگے نہیں بڑھتی۔ اسی لئے جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، مورخین اور مصنفین میں سے ہر ایک نے کسی گزشتہ مورخ کے قول کو صحیح سمجھتے ہوئے اسی کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے اور بعض نے احتیاط کا راستہ اپنایا ہے۔

عبد اللہ ابن عمیر یا وہب ابن عبد اللہ؟

اب ہم انتہائی اختصار سے کام لیتے ہوئے اپنی رائے محققین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں اور باقی آئندہ آنے والوں پر چھوڑتے ہیں کہ وہ کس رائے کو اختیار کرتے ہیں۔

ہمارے خیال میں مقتل لہوف، مقتل خوارزمی اور بعض دوسری کتب میں قبیلہ کلب کے جس ((وہب ابن عبد اللہ)) نامی شخص کا ذکر آیا ہے، وہ کر بلا کے شہدا میں شامل نہیں ہے بلکہ یہ ((عبد اللہ ابن عمیر کلبی)) ہی ہیں جن کا ذکر تاریخ و مقاتل کی بعض دوسری معتبر اور بنیادی کتب میں شہدائے عاشورہ کی فہرست میں ہوا ہے۔ نیز رجال شیخ طوسی، تنقیح المقال اور رجال کی بعض دوسری کتابوں میں عبد اللہ ابن عمیر کا تعارف امیر المومنین اور حسین ابن علی کے اصحاب کے طور پر ہوا ہے۔ اب یہ کہنا کہ شاید عبد اللہ ابن عمیر کلبی اور وہب ابن عبد اللہ کلبی دو افراد ہوں اور دونوں ہی کر بلا میں شہید ہوئے ہوں بعید بلکہ ناقابل قبول ہے اور اس کی چند وجوہات ہیں:

۱۔ مثال کے طور پر ((لہوف)) میں عبد اللہ ابن عمیر کا کوئی ذکر نہیں ہے اور ان کے واقعے کو عیسائی وہب کے کچھ واقعات کے ساتھ ملا کر وہب ابن جناح کلبی سے منسوب کیا گیا ہے۔

۱۔ یہ بات قبول نہیں کی جاسکتی کہ ایک مختصر سے گروہ میں جو زیادہ سے زیادہ ایک سو پچاس افراد پر مشتمل ہو، دوا ایسے افراد موجود ہوں جو خاص صفات اور ہر لحاظ سے یکساں ہوں۔ مثلاً:
الف۔ دونوں ایک ہی قبیلے کے ہوں۔

ب۔ دونوں کی والدہ اور زوجہ ان کے ہمراہ ہوں۔

ج۔ ان دونوں کی جنگ اور شہادت کی تمام تر تفصیلات ایک جیسی ہوں اور دونوں کی والدہ نے ایک جیسی بات کہی ہو اور امام نے بھی دونوں کے جواب میں ایک ہی جیسا جواب دیا ہو۔

۲۔ زیارتِ ناحیہ جس میں شہدا کے اسامی ذکر ہوئے ہیں، یا کم از کم مشہور و معروف اور جانثار ترین اصحاب کے ناموں کا ان کے قاتلوں کے ناموں کے ساتھ ذکر آیا ہے، اس میں دوسرے شہدا کے ساتھ عبداللہ ابن عمیر کلبی کا نام بھی آیا ہے لیکن ((وہب)) کا کوئی ذکر نہیں ہوا (۱)۔ جبکہ امام کی محبت و شفقت کے برخلاف ہے کہ وہ ایسے فداکار اور جانثار کا ذکر نہ کریں جسے اسیر کر کے بے بسی کے ساتھ قتل کیا گیا ہو اور اس کی زوجہ بھی اس کے ساتھ شہید ہوئی ہو اور اس کی والدہ نے اس حد تک صبر اور وفاداری کا مظاہرہ کیا ہو۔

غلط فہمی کا اصل سبب کیا ہے؟

تاریخ نگاروں اور مقاتل تحریر کرنے والوں کی اس غلط فہمی کا اصل سبب یہ ہے کہ عبداللہ ابن عمیر کی کنیت ((ابو وہب)) اور اس کی زوجہ کی کنیت ((ام وہب)) ہے اور تاریخ نگاروں نے خود عبداللہ کی کنیت سے زیادہ اس کی زوجہ ((ام وہب)) کی کنیت پر توجہ دی ہے۔ پھر جب کربلا کے واقعات میں دیکھا کہ ((ام وہب)) نامی خاتون میدان میں گئیں اور اس انداز سے شہید ہوئیں، تو سوچا کہ یہ ((ام وہب)) درحقیقت ((وہب)) نامی کسی شخص کی ماں ہیں جو کربلا میں موجود تھا اور

۱۔ سید ابن طاووس کی کتاب ((اقبال)) میں یہ زیارت دیکھئے۔

جوان خاص حالات میں شہید ہوا تھا۔

اس طرح «عبداللہ ابن عمیر» رفتہ رفتہ «ابو وہب کلبی» سے «وہب کلبی» میں تبدیل ہو گیا اور یہی تبدیلی ایک کتاب سے دوسری کتاب میں منتقل ہوتی چلی گئی۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ «ام وہب» وہب نام کے کسی شہید کی ماں نہیں ہیں بلکہ عبداللہ ابن عمیر کلبی نامی شہید کی زوجہ ہیں جن کی کنیت «ابو وہب» ہے اور انہی «ابو وہب» کی والدہ بھی کربلا میں موجود تھیں جنہیں امام نے دعا اور تسلی دی تھی لیکن ان کی کنیت «ام وہب» نہیں تھی اور اگر کنیت ہوگی تو بیٹے کے نام کی مناسبت سے انہیں «ام عبداللہ» کہا جانا چاہئے۔

البتہ تاریخ اور رجال کی کتب اور علم رجال کے ماہرین اور تاریخ نگاروں کے کام میں اس قسم کی بے شمار غلطیاں ملتی ہیں جو درحقیقت ایک فرد کے کئی ناموں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ کیونکہ عربوں میں معمول ہے کہ کوئی شخص اپنے نام سے کوئی اپنی کنیت سے کوئی اپنے لقب سے اور بعض اوقات کوئی ان تینوں سے معروف و مشہور ہو جاتا ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ایک شخص متعدد القاب اور کنیتوں کا مالک ہوتا ہے۔

عبداللہ ابن عمیر، ابو وہب، یا وہب ابن عبداللہ کے سلسلے میں پیش آنے والی غلطی کے سلسلے میں ہماری تحقیق یہی ہے۔ جہاں تک سابقہ عیسائی «وہب» کا تعلق ہے تو اگر یہ اصل واقعہ صحیح بھی ہو تو اس کی فروعات کے بارے میں تحقیق کی ضرورت ہے اور یہ اس کتاب کے موضوع سے باہر ہے۔



ابو ثمامہ صاندی کے لئے فرمایا

..... ذَكَرْتُ الصَّلَاةَ جَعَلَكَ اللَّهُ مِنَ الْمُصَلِّينَ
الذَّاكِرِينَ نَعَمْ هَذَا أَوَّلُ وَقْتِهَا سَلَوْهُمْ أَنْ يَكْفُوا عَنَّا
حَتَّى نُصَلِّيَ.

..... تَقَدَّمَ فَإِنَّا لَأَحِقُّونَ بِكَ عَنْ سَاعَةٍ..»

ترجمہ اور تشریح

حسین ابن علیؑ کے اصحاب میں سے ایک ((عمر و ابن کعب)) ہیں جو ابو ثمامہ صاندی کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ظہر کا وقت آ پہنچا ہے تو امامؑ سے عرض کیا: میری جان آپ پر فدا ہو۔ اگرچہ دشمن پے در پے حملے کر رہا ہے لیکن خدا کی قسم یہ میری لاش پر سے گزر کر ہی آپ تک پہنچ سکیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ ایک اور نماز آپ کی امامت میں ادا کر کے اپنے پروردگار سے ملاقات کروں۔

امامؑ نے ابو ثمامہ کے جواب میں فرمایا:

«ذَكَرْتُ الصَّلَاةَ تم نے مجھے نماز یاد دلائی، خدا تمہیں ان نماز گزاروں میں سے قرار دے جو خدا کا ذکر کرتے ہیں۔ ہاں نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ دشمن سے کہو کہ کچھ دیر ٹھہر جائے تاکہ ہم نماز پڑھ سکیں۔»

لیکن جب لشکرِ کوفہ سے عارضی جنگ بندی کے لئے کہا گیا تو اس لشکرِ باطل کے حصین نامی ایک سردار نے کہا: اِنَّهَا لَا تُقْبَلُ (تمہاری نماز بارگاہِ الہی میں مقبول نہیں ہے۔) (۱)

جیسا کہ آپ اگلے چند صفحات کے بعد ملاحظہ کریں گے، حبیب ابن مظاہر نے اس شخص کو جواب دیا جس کے نتیجے میں ایک بار پھر شدید جنگ چھڑ گئی جو حبیب کی شہادت پر منتج ہوئی۔

آخر کار امام حسینؑ اور ان کے اصحاب نے موسلا دھار برستے تیروں میں نمازِ ظہر ادا کی اور چند اصحاب نماز ہی کے دوران مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے اور حقیقی نماز گزاروں کی صف میں شامل ہو گئے۔

جیسا کہ ابو ثمامہ نے ارادہ کیا تھا، نمازِ ظہر ادا کرنے کے بعد دوسرے تمام اصحاب سے پہلے امامؑ کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض کیا: يَا اَبَا عَبْدِ اللَّهِ جُعِلْتُ فِدَاكَ قَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَلْحَقُّ بِاَصْحَابِكَ وَ كَرِهْتُ اَنْ اَتَخَلَّفَ فَاَرَاكَ وَ حَيْدًا فِیْ اَهْلِكَ قَتِيلًا (اے ابا عبد اللہ! میری جان آپ پر فدا ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ شہید ہونے والے اپنے ساتھیوں سے جا ملوں۔ میرے لئے انتہائی ناگوار ہے کہ میں زندہ رہوں اور آپ کو آپ کے اہل و عیال کے درمیان تنہا قتل ہوتا دیکھوں۔)

امام علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا:

«تَقَدَّمْ فَاَنَّا لَا حِقُّونَ بِكَ بڑھو آگے بڑھو۔ جلد ہی ہم بھی تم سے

آ ملیں گے۔»

امامؑ کی اجازت ملتے ہی ابو ثمامہ نے دشمن پر حملہ کیا اور شدید جنگ کی۔ بالآخر وہ اپنے

چچا زاد بھائی ((قیس ابن عبد اللہ صائدی)) کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ (۲)

۱- تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۳۴۷، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۹۔

۲- لہوف - ص ۹۶۔

راہِ حق میں لڑنے والوں کے لئے ایک درس

جیسا کہ ذکر ہوا، یہ امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کا دستور و شیوہ تھا کہ حتیٰ روزِ عاشور بھی نماز کو ہر چیز سے زیادہ اہمیت دی اور نماز کا وقت آتے ہی امامؑ نے سب کچھ فراموش کر دیا اور نماز کی ادائیگی کیلئے اپنے جانی دشمن سے عارضی جنگ بندی کی درخواست کی۔

حق کی راہ میں لڑنے والوں کے لئے یہ ایک انتہائی اہم درس ہے اور یہی درس امامؑ کے والد گرامی امیر المومنین علیؑ علیہ السلام نے جنگِ صفین میں معرکہ آرائی کے عین درمیان اپنے ماننے والوں کو دیا تھا۔ جب ابن عباس نے دیکھا کہ گھمسان کی جنگ کے بچوں بیچ امامؑ نماز کے وقت کے منتظر اور اسکی طرف متوجہ ہیں تو سوال کیا: اے امیر المومنین! ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپؑ کسی چیز کی طرف سے فکر مند ہیں؟ فرمایا: ہاں سورج کے زوال اور نمازِ ظہر کی طرف متوجہ ہوں۔ ابن عباس نے کہا: ایسے حساس موقع پر ہم جنگ چھوڑ کر نماز نہیں پڑھ پائیں گے۔ امامؑ نے جواب دیا: اِنَّمَا قَاتَلْنَاهُمْ عَلَى الصَّلَاةِ (ہم نماز ہی کی خاطر تو ان سے لڑ رہے ہیں۔)

تاریخ میں درج ہے کہ جنگِ صفین کے دوران بھی کبھی امامؑ نے نمازِ تہجد ترک نہیں کی، حد یہ ہے کہ لیلۃِ الہریر میں بھی نمازِ شب ادا کی۔ (۱)

ابو ثمامہ کون ہیں؟

«ابو ثمامہ» عرب کے شجاع ترین افراد میں سے تھے۔ وہ معروف شیعہ اور امیر المومنینؑ کے اصحاب میں شمار کئے جاتے تھے۔ امیر المومنینؑ کے زمانے میں لڑی جانے والی تمام جنگوں میں آپؑ کے ہم رکاب رہے اور حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کے ہمراہ رہے۔ امام

۱- وسائل الشیعہ - ج ۱ - اوقاتِ نماز کے ابواب میں سے پہلا باب۔

حسنؑ کے مدینہ چلے جانے کے بعد ابو ثمامہ کوفہ ہی میں رہ گئے۔ معاویہ کے انتقال کے بعد ابو ثمامہ بھی ان افراد میں شامل تھے جنہوں نے حسین ابن علیؑ کو خط تحریر کئے اور انہیں کوفہ آنے کی دعوت دی۔

حضرت مسلم بن عقیل کے کوفہ آنے کے بعد ابو ثمامہ ان کے ہمراہ رہے اور ان کے حکم کے مطابق کوفہ کے شیعوں سے اموال اور اجناس لے کر انہیں اسلحہ کی خریداری میں صرف کرتے، جس میں انہیں ماہر مانا جاتا تھا۔

حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کے بعد ابو ثمامہ روپوش ہو گئے۔ ابن زیاد تمام تر کوششوں کے باوجود انہیں ڈھونڈنے میں کامیاب نہ ہو سکا، یہاں تک کہ وہ «نافع بن ہلال» کے ہمراہ امام حسینؑ کی نصرت کی غرض سے نکلے راستے میں ان کی امامت سے ملاقات ہوئی اور انہی کے ہمراہ کر بلا پہنچے۔

ابو ثمامہ کا اخلاص

«طبری» لکھتا ہے: عمر ابن سعد نے کر بلا آنے کے بعد «کثیر ابن عبد اللہ شعمی» کو (جو اچانک قتل کرنے میں ماہر اور ایک درندہ صفت شخص تھا) یہ ذمے داری سونپی کہ وہ امام حسینؑ سے ملاقات کرے اور ان سے ان کے یہاں آنے کا سبب دریافت کرے۔ «کثیر» نے کہا کہ اگر حکم دو تو یہ ذمے داری ادا کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں قتل بھی کر دوں؟۔ عمر ابن سعد نے کہا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ تم انہیں قتل کرو بلکہ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ ان سے یہاں آنے کے بارے میں دریافت کرو۔

«کثیر» امام علیہ السلام کے خیموں کی طرف آنے لگا۔ جیسے ہی ابو ثمامہ کی نظر اس پر پڑی انہوں نے امامت سے عرض کیا: اے ابا عبد اللہ! خدا آپ کو آفات سے محفوظ رکھے۔ جو شخص آ رہا ہے، روئے زمین پر اس سے زیادہ برا، سفاک اور خونی شخص کوئی اور نہیں ہے۔ یہ کہہ کر «ابو

ثمامہ) آگے بڑھے اور ((کثیر)) کے سامنے آ کر کہا: اگر حسین ابن علی سے ملاقات کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنی تلوار یہاں زمین پر رکھ دو۔ ((کثیر)) نے کہا کہ خدا کی قسم میں یہ بے عزتی کبھی قبول نہیں کروں گا۔ میں ایک پیغام لایا ہوں، اگر قبول کرنا چاہتے ہو تو پہنچاؤں گا، ورنہ واپس پلٹ جاؤں گا۔ ابو ثمامہ نے کہا: پھر یوں کرو کہ ملاقات کے وقت میرا ہاتھ تمہاری تلوار کے دستے پر رہے گا۔ ((کثیر)) نے ((ابو ثمامہ)) کی یہ تجویز بھی قبول نہیں کی۔ ابو ثمامہ نے کہا کہ پھر ایسا ہے کہ اپنا پیغام مجھے بتا دو، میں اسے امام تک پہنچا دوں گا اور ان کا جواب تمہیں لا کر دے دوں گا لیکن اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا کہ تم جیسا سفاک اور خونی شخص حسین ابن علی کے خیمے میں داخل ہو۔

طبری لکھتا ہے: اس موقع پر ان دونوں کے درمیان کافی تکرار ہوئی، یہاں تک کہ ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے پر منتہی ہوئی اور ((کثیر)) اپنی ذمہ داری ادا کئے بغیر واپس چلا گیا اور پورا واقعہ عمر سعد کو سنایا۔ اس کے بعد عمر ابن سعد نے یہ ذمہ داری قرۃ ابن قیس تمیمی کے سپرد کی۔ زیارت ناحیہ میں ابو ثمامہ کا ذکر اس طرح آیا ہے: السلام علی ابی ثمامہ عبد اللہ الصائدی۔ (۱)



۱- ابو ثمامہ کے حالات زندگی کے بارے میں مزید معلومات کے لئے مرحوم مامقانی کی تنقیح المقال اور مرحوم شیخ محمد سماوی کی البصار العین کا مطالعہ کیجئے۔

۶۴

سعید ابن عبد اللہ حنفی سے فرمایا

«نَعَمْ أَنْتَ أَمَامِي فِي الْجَنَّةِ.»

ترجمہ اور تشریح

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے، جب لشکرِ کوفہ نے نمازِ ظہر کے لئے عارضی جنگ بندی کی تجویز قبول نہ کی تو تیروں کی شدید بوچھاڑ کے باوجود امامؑ اپنے اصحاب کے ساتھ نمازِ ظہر کی ادائیگی کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اس دوران سعید ابن عبد اللہؓ عمر و ابن قرظہؓ کعبی اور امامؑ کے چند اور اصحاب آپؑ کی حفاظت کے لئے بطور ڈھال آپؑ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ نماز ختم ہونے کے بعد یہ تمام افراد تیروں سے شدید زخمی ہونے کے نتیجے میں شہید ہوئے۔

نماز کے بعد جب سعید ابن عبد اللہؓ شدید زخمی ہونے اور نقاہت کی وجہ سے گرے تو کہا: بارِ الہا! اس قوم پر وہی عذاب نازل فرما جو تو نے قوم عاد و ثمود پر نازل فرمایا تھا اور میرا سلام اپنے پیغمبر تک پہنچا دے اور انہیں مجھے پہنچنے والے اس درد اور تکلیف سے مطلع فرما، کیونکہ اس جانبازی اور ان تمام رنج و الم کو برداشت کرنے میں میرا مقصد صرف یہی ہے کہ تیرے پیغمبر کی مدد و نصرت کے ذریعے تجھ سے اجر و ثواب حاصل کر سکوں۔

پھر انہوں نے اپنی آنکھیں کھول کر امامؑ کا دیدار کیا اور امامؑ سے عرض کیا: أَوْفَيْتُ

يَا بَنَ رَسُولِ اللَّهِ (اے فرزندِ رسول! کیا میں نے اپنا عہد وفا کیا؟)

امام علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا:

«نَعَمْ أَنْتَ أَمَامِي فِي الْجَنَّةِ..»

«ہاں (تم نے اپنا عہد پورا کیا) تم جنت میں میرے آگے آگے ہو گے۔»



۶۵

عمر و ابن قرظہ کعبی سے فرمایا

«نَعَمْ أَنْتَ أَمَامِي فِي الْجَنَّةِ فَأَقْرَأْ رَسُولَ اللَّهِ مِنِّي السَّلَامَ
وَاعْلِمُهُ أَنِّي فِي الْإِثْرِ...»

ترجمہ اور تشریح

«عمر و ابن قرظہ کعبی» نے بھی، سعید ابن عبد اللہ کے ہمراہ نماز کے دوران امام کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ اس دوران متعدد تیران کے سر اور سینے پر لگے جس کے نتیجے میں وہ شدید زخمی حالت میں سعید کے ساتھ ہی زمین پر گرے تھے اور امام اور سعید ابن عبد اللہ کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہے تھے۔ اس سوال و جواب کے بعد عمر و ابن قرظہ کعبی نے بھی امام سے وہی سوال کئے جو سعید نے کئے تھے۔ انہوں نے بھی دریافت کیا کہ: أَوْفَيْتُ يَا بَنَ رَسُولِ اللَّهِ (اے فرزند رسول! کیا میں نے اپنا وعدہ نبھا دیا؟) امام نے انہیں بھی وہی جواب دیا جو انہوں نے سعید کو دیا تھا۔

«نَعَمْ أَنْتَ أَمَامِي فِي الْجَنَّةِ.»

«ہاں (تم نے اپنا وعدہ نبھا دیا) تم جنت میں میرے آگے آگے ہو گے۔»

پھر مزید ارشاد فرمایا :

«(رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو میرا سلام پہنچانا اور انہیں بتانا کہ میں

بھی تمہارے بعد آ رہا ہوں۔) (۱)

امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف نے زیارتِ ناحیہ میں عمرو ابن قرظہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: السَّلَامُ عَلٰی عَمْرٍو ابْنِ قَرْظَةَ الْاَنْصَارِی۔

خوبصورتی اور بدصورتی

یہ تھے عمرو ابن قرظہ کعمی، جو نماز کے دوران اپنے امام و پیشوا حسین ابن علیؑ کے لئے اپنے وجود کو سپر بنا ڈالتے ہیں اور اپنے سینے کو دشمنوں کے تیروں کی آماجگاہ بنا لیتے ہیں۔ اتنے تیر اپنے بدن پر روکتے ہیں کہ ان کے اثر سے چند ہی لمحے بعد کربلا کی گرم زمین پر گر جاتے ہیں لیکن اس حال میں بھی مضطرب اور فکر مند ہوتے ہیں کہ فرزند رسولؐ کے حوالے سے ایک مردِ مومن پر جو ذمے داری عائد ہوتی ہے، آیا اسے مناسب طور پر ادا کر بھی سکے ہیں یا نہیں؟ ان کی یہ پریشانی اتنی بڑھتی ہے کہ اپنے چھلنی سینے، خون آلود بدن کے باوجود پیاس کی شدت سے خشک اور لرزاں ہونٹوں سے امام علیہ السلام سے سوال کرتے ہیں کہ: اَوْفِیْتُ یَا بُنَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ (اے فرزند رسولؐ! کیا میں نے اپنا فرض ادا کیا؟)۔ اور امام علیہ السلام انہیں جواب دیتے ہیں کہ: نَعَمْ اَنْتَ اَمَامِی فِی الْجَنَّةِ (ہاں) (تم نے اپنا فرض ادا کیا) اور تم جنت میں میرے پیشرو ہو گے۔)

کیونکہ اس دنیا میں خوبصورتی و بدصورتی، نور و ظلمت اور سعادت و شقاوت ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ لہذا مناسب نظر آتا ہے کہ یہاں «عمرو ابن قرظہ» کی نورانی شخصیت کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان کے بھائی «علی ابن قرظہ» کے سیاہ کردار پر بھی نظر ڈالتے چلیں اور عمرو ابن قرظہ کے درخشاں چہرے سے کچھ واقفیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے بھائی علی ابن قرظہ کے بد وضع قیافے سے بھی آشنائی حاصل کریں۔ تاکہ تاریخ کے دوسرے اوراق میں اس

۱۔ مقتل عوالم - ص ۸۸، لہوف - ص ۹۵، مشیر الاحزان، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۹۰۔

قسم کے متضاد کردار دیکھ کر متعجب نہ ہوں۔ اسی طرح «قرظہ ابن کعب» اور ان کے فرزند «علی ابن قرظہ» کے کرداروں کے موازنے کے ذریعے اس آئیہ کریمہ کے مصداق کو واضح طور پر محسوس کریں جس میں پروردگار کا ارشاد ہے: يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ.

«قرظہ ابن کعب» کا شمار رسول اللہ کے اصحاب، راویانِ حدیث اور امیر المومنین کے ساتھیوں میں ہوتا ہے۔ وہ جنگِ احد اور اسکے بعد ہونے والی جنگوں میں رسولِ مقبولؐ اور امیر المومنین کے ہم رکاب رہے، جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کے لشکر کے چند علم برداروں میں سے ایک «قرظہ ابن کعب» بھی تھے اور امیر المومنین نے انہیں «فارس» کا گورنر بھی مقرر کیا تھا۔ ۵۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ کہتے ہیں کہ کوفہ میں جس شخص کی وفات پر پہلی مرتبہ نوحہ خوانی کی گئی وہ قرظہ ابن کعب ہی تھے۔

قرظہ ابن کعب کے کئی بیٹے تھے جن میں سے «عمر و ابن قرظہ» اور «علی ابن قرظہ» زیادہ مشہور ہوئے۔ «عمر و» اپنے ایثار و فداکاری اور نیک کردار کی وجہ سے اور «علی» اپنی شقاوت اور گمراہی کی بنا پر۔

عمر و ابن قرظہ اور امام حسینؑ ایک ہی وقت کر بلا پہنچے تھے اور امامؑ نے انہیں عمر ابن سعد کے ساتھ گفتگو اور مذاکرات پر مامور کیا تھا۔ شمر کے کر بلا پہنچنے اور بات چیت کا سلسلہ ٹوٹ جانے تک «عمر و ابن قرظہ» نے انتہائی عمدہ طریقے سے یہ ذمے داری انجام دی تھی۔

عاشور کے دن «عمر و» ان اولین افراد میں سے تھے جنہوں نے حسین ابن علیؑ سے دشمن کے خلاف جہاد اور جنگ کی اجازت حاصل کی اور شعر اور رجز پڑھنے کے بعد دشمن کی صفوں پر حملہ کیا۔ کچھ دیر جنگ کرنے کے بعد سانس لینے اور از سر نو قوت حاصل کرنے کی غرض سے خیموں کی طرف واپس آئے اور نماز کے دوران امامؑ کی حفاظت کی ذمے داری لی اور جیسا کہ پہلے ذکر ہوا سینے اور پیشانی پر لگنے والے متعدد تیروں کے نتیجے میں شدید زخمی ہو کر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

جبکہ «علی ابن قرظہ» امام حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے کے لئے عمر ابن سعد اور سپاہ کوفہ کے ہمراہ کر بلا آیا۔ عاشور کے دن جب اسے اپنے بھائی کی شہادت کی اطلاع ملی تو صفوں سے باہر نکل کر امام حسینؑ سے مخاطب ہو کر بولا: اے حسین! اے جھوٹے اور جھوٹے کے بیٹے (نعوذ باللہ تعالیٰ) تم نے میرے بھائی کو دھوکا دیا، اسے گمراہ کیا اور تم ہی اس کے قاتل ہو۔ امام نے اس کی اس گستاخی کے جواب میں فرمایا: اِنِّی لَمْ اَغُرِّرْ اَخَاکَ وَ مَا اَضَلْتُہُ وَ لَکِنُّ هِدَاہُ اللّٰہُ وَ اَضَلَّکَ (میں نے تمہارے بھائی کو دھوکا نہیں دیا اور نہ ہی اسے گمراہ کیا بلکہ خدا نے اسے ہدایت دی اور تجھے گمراہ کیا۔)

علی ابن قرظہ نے کہا: اگر میں تمہیں قتل نہ کروں تو خدا مجھے قتل کر دے۔ اور یہ کہہ کر امام پر حملہ آور ہوا۔ «نافع بن ہلال» اس کے سامنے حائل ہو گئے اور اسے ایسا نیزہ مارا کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ اس کے ساتھی فوراً اسے بچانے کے لئے لپکے اور نافع بن ہلال کو مزید موقع نہ دیا اور زخمی حالت میں اسے اٹھا کر واپس لشکر کوفہ کی طرف لے گئے۔ علاج معالجے کے بعد وہ موت سے بچ گیا۔ (۱)



۱- قرظہ ابن کعب اور ان کے بیٹوں کے حالات زندگی جاننے کیلئے «الاصابہ» اس کے علاوہ تنقیح المقال - ج ۲ - ص ۳۳۲ (حرف قاف) اور البصار العین - ص ۹۲ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد امام کی تقریر

«يَا كِرَامُ هَذِهِ الْجَنَّةُ قَدْ فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَ اتَّصَلَتْ
 أَنْهَارُهَا وَ أَيْنَعَتْ ثِمَارُهَا وَ هَذَا رَسُولُ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَ آلِهِ) وَ الشُّهَدَاءُ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
 يَتَوَقَّعُونَ قُدُومَكُمْ وَ يَتَبَاشَرُونَ بِكُمْ فَحَامُوا عَنْ دِينِ
 اللَّهِ وَ دِينِ نَبِيِّهِ وَ ذُبُّوا عَنْ حَرَمِ الرَّسُولِ ..»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

کرام (کریم کی جمع): بلند کردار شخص، معزز، فیاض، بخشش والا۔ اَيْنَعَتْ الثَّمَرُ: پھل
 پک گئے، تروتازہ ہو گئے۔ تَوَقَّعَ: انتظار۔ قُدُومَ: پہنچنا۔ تَبَاشَرُ: ایک دوسرے کو بشارت
 دینا۔ ذُبَ: دفاع کرنا۔

ترجمہ اور تشریح

«مرحوم مقرر» کے مطابق (۱) نمازِ ظہر ادا کرنے اور اپنے سامنے خاک و خوں میں
 غلطاں سعید ابن عبد اللہ اور عمرو ابن قرظہ سے گفتگو اور ان کے سوالوں کے جواب دینے کے بعد

امامؑ نے شہادت اور جانثاری کے لئے بے تابی سے لمحے گننے والے اپنے بقیہ اصحاب کی طرف رخ کیا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

«يَا كِرَامُ هَذِهِ الْجَنَّةُ قَدْ فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا اے معزز لوگو!

(دیکھو) یہ جنت ہے جس کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں جس کی نہریں

ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اور جس کے پھل تر و تازہ اور تیار ہیں۔ یہ

رسولِ خداؐ اور راہِ خدا میں مارے جانے والے شہدا ہیں جو تمہاری آمد کے منتظر

ہیں اور ایک دوسرے کو یہ خوشخبری سنارہے ہیں۔ لہذا اللہ اور اس کے رسولؐ

کے دین کی مدد کرو اور حرمِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دفاع کرو۔»



حبیب ابن مظاہر کی شہادت کے موقع پر (۱)

.....عِنْدَ اللَّهِ اِحْتَسِبُ نَفْسِي وَ حُمَاةَ اصْحَابِي..» (۲)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اِحْتَسِبُ عِنْدَ اللَّهِ : وہ کام جو رضائے الہی کی خاطر انجام پائے۔ حُمَاةَ

(خامی کی جمع): دفاع کرنے والا۔

ترجمہ اور تشریح

جب امام حسین علیہ السلام نے نمازِ ظہر کی ادائیگی کی خاطر عارضی جنگ بندی کی

درخواست کی تو ((حصین ابن نمیر)) نے چلا کر کہا: کیسی نماز؟ تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی۔

۱- یہ حبیب ابن مظاہر ہیں یا حبیب ابن مظہر؟ علم رجال کی بعض کتابوں میں (مقاوم کے وزن پر) مظاہر کی بجائے (مطلق کے وزن پر) مُظہر بھی آیا ہے۔ مرحوم مامقانی ((تنقیح المقال)) میں فرماتے ہیں: شیخ طوسی، شہید ثانی اور سید ابن طاووس جیسے عالیقدر علما کی عبارتوں سے یہی پتا چلتا ہے کہ مظاہر ہی صحیح ہے۔ اس کے علاوہ زیارتوں اور علما کی عبارتوں میں بھی مظاہر ہی استعمال ہوا ہے۔ اس کے بعد ((مامقانی)) مزید فرماتے ہیں: میرے خیال میں بعض علما کی کتابوں میں درج مُظہر سے مراد ((مظاہر)) ہی ہے کیونکہ قدیم رسم الخط میں بعض نام جن میں الف ہوتا ہے بغیر الف کے لکھے جاتے تھے جیسے اسمعیل، اخق وغیرہ وغیرہ۔۔۔

۲- تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۳۴۹۔

حصین ابن نمیر کا یہ گستاخانہ کلام سن کر حبیب ابن مظاہر (۱) آگے بڑھے اور اس سے کہا: زَعَمْتَ أَنَّهَا لَا تُقْبَلُ مِنْ آلِ الرَّسُولِ وَتُقْبَلُ مِنْكَ يَا حِمَارُ؟ (کیا تیرا خیال یہ ہے کہ آل رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نماز تو قبول نہ ہوگی اور تیری نماز قبول ہو جائے گی؟ اے گدھے)۔ یہ سن کر حصین نے حبیب پر حملہ کر دیا اور اس کے ساتھی بھی اسکی مدد کو آگئے۔ ادھر حبیب کے دوست بھی ان کی مدد کو بڑھے اور یوں سخت جنگ چھڑ گئی۔ بڑھاپے کے باوجود حبیب نے دشمن کے کئی افراد کو موت کے گھاٹ اتارا۔ بالآخر خود بھی شہید ہو گئے جس کے بعد دشمن نے ان کا سر تن سے جدا کر دیا۔

۱- حبیب ابن مظاہر رسول اللہ کے اصحاب میں سے تھے اور امیر المومنین کے دور خلافت میں کوفہ منتقل ہو کر وہیں مقیم ہو گئے تھے۔ امیر المومنین کی تمام جنگوں میں ان کے ہمراہ رہے۔ ان کا شمار امیر المومنین کے خاص اصحاب اور پر خلوص دوستوں میں ہوتا تھا۔ حبیب ان چند افراد میں سے تھے جنہوں نے مولائے کائنات سے بکثرت اسرار یکھے تھے۔

کشی نے ((فضیل ابن زبیر)) سے نقل کیا ہے کہ ایک دن کوفہ میں بنی اسد کے چند افراد کے ہمراہ ((میثم تمار)) کا حبیب ابن مظاہر سے سامنا ہوا۔ ان دونوں کے درمیان گفتگو شروع ہوئی۔ حبیب کی گفتگو یہاں تک پہنچی کہ: میں ایک بوڑھے کو دیکھ رہا ہوں جس کے سر کے بال جھڑے ہوئے ہیں جس کا پیٹ آگے کی جانب کچھ نکلا ہوا ہے جو دارالرزق میں گرما بیچتا ہے بہت جلد وہ خاندان پیغمبرؐ سے محبت کی راہ میں سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ (اس طرح حبیب ابن مظاہر میثم تمار کی شہادت کی پیش گوئی کر رہے تھے۔)

میثم نے ان کے جواب میں فرمایا: میں بھی ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس کا چہرہ سرخ ہے اور بال بہت گھنے ہیں وہ فرزند رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد کے لئے روانہ ہوگا اور اسی راہ میں مارا جائے گا اور اس کا سر کوفہ میں گھمایا جائے گا۔ (یوں میثم تمار حبیب ابن مظاہر کی شہادت کی پیش گوئی کر رہے تھے۔)

اس گفتگو کے بعد حبیب اور میثم اس جگہ سے چلے گئے۔ جو لوگ وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور مولائے کائنات کے ان دو شاگردوں کی گفتگو سن رہے تھے کہنے لگے: ہم نے اپنی تمام عمر میں ان دونوں جیسے جھوٹے نہیں دیکھے۔ اسی وقت ((رشید حجری)) وہاں پہنچے اور ان لوگوں سے میثم اور (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

اپنے اس بوڑھے مہمان کا مارا جانا حسین ابن علی کے لئے سخت رنج و الم کا باعث تھا۔
 آپؐ نے حبیب کے بے سر اور زخموں سے چور چور بدن کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا:
 «عِنْدَ اللَّهِ اِحْتَسِبُ نَفْسِي وَ حُمَاةَ اصْحَابِي..»
 «میری اور میرے مددگار اصحاب کی قربانی اللہ کی رضا کے لئے ہے۔»



(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) حبیب کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے بتایا کہ کچھ دیر پہلے وہ دونوں یہیں تھے اور ساتھ ہی اس گفتگو کے بارے میں بھی انہیں بتایا جو ان کے لئے ناقابل قبول اور تعجب انگیز تھی۔
 «(رشید) نے کہا: خدا میثم پر رحم کرے، وہ حبیب کے بارے میں یہ کہنا بھول گئے کہ جو شخص ان کا سر کوفہ لائے گا، اسے دوسروں کے مقابلے میں ایک سو درہم زیادہ انعام دیا جائے گا۔ یہ گفتگو نے کے بعد
 «(رشید) وہاں سے چلے گئے۔ وہ لوگ جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے اور بولے: یہ تیسرا تو ان دو سے بھی بڑا جھوٹا نکلا۔»

فضیل کہتا ہے: کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ میثم کو عمر و ابن حریث کے گھر کے سامنے پھانسی دے دی گئی اور پھر کچھ ہی عرصے بعد حبیب کا کٹا ہوا سر کوفہ لایا گیا۔

ابوشعساء کے لئے امام کی دعا

«اللَّهُمَّ سَدِّدْ رَمِيَّتَهُ وَاجْعَلْ ثَوَابَهُ الْجَنَّةَ»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

تَسْدِیدُ : سیدھے راستے کی ہدایت کرنا۔ رَمِيَّتُهُ : تیراندازی۔

ترجمہ اور تشریح

«یزید ابن زیاد» المعروف «ابوشعساء کندی» کا شمار کوفہ کے معروف تیراندازوں میں ہوتا تھا اور وہ عمر ابن سعد کے لشکر میں شامل تھے۔ امام علیہ السلام کی تقریر کے بعد اور یہ دیکھتے ہوئے کہ امام کی کسی تجویز اور پیش کش کا مثبت جواب نہیں دیا جا رہا «ابوشعساء» امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے جانثاروں میں شامل ہو گئے۔ یاد رہے کہ ابوشعساء «حر» سے پہلے امام کے لشکر میں شامل ہوئے تھے۔

پہلے تو ابوشعساء سوار ہو کر میدان جنگ میں گئے اور جب ان کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیے گئے تو خیموں کی جانب واپس آئے اور خیموں کے سامنے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر سوتیر جو ان کے ترکش میں موجود تھے سب کے سب لشکر کوفہ کی طرف مارے۔

امام علیہ السلام نے انہیں دعا دیتے ہوئے فرمایا:

«اللَّهُمَّ سَدِّدْ رَمِيَّتَهُ وَاجْعَلْ ثَوَابَهُ الْجَنَّةَ»

«بارِ الہا! ان کے تیروں کو نشانے پر لگا اور ثواب میں انہیں جنت عنایت فرما۔»
 تیر ختم ہونے کے بعد ابو شعساء اٹھے اور کہا: میرے تمام تیروں میں سے صرف پانچ تیر
 خطا گئے اور باقی سب ٹھیک ٹھیک نشانوں پر دشمن کو لگے۔ اسکے بعد انہوں نے تلوار لے کر دشمن
 کی صفوں پر حملہ کیا اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ (۱)



حرا بن یزید ریاحی (۱) سے فرمایا

..... نَعَمْ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْكَ وَيَغْفِرُ لَكَ .

..... قَتَلَهُ مِثْلُ قَتْلَةِ النَّبِيِّنَ وَ آلِ النَّبِيِّنَ .

..... أَنْتَ الْحُرُّ كَمَا سَمَّيْتَكَ أُمُّكَ وَأَنْتَ الْحُرُّ فِي

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ .

لِنَعْمَ الْحُرُّ حُرُّ بَنِي رِيَّاحٍ صَبُورٌ عِنْدَ مُشْتَبَكِ الرِّمَاحِ
وَنَعْمَ الْحُرُّ إِذْ نَادَى حُسَيْنًا وَ جَادَ بِنَفْسِهِ عِنْدَ الصَّبَاحِ
فِيَا رَبِّي أَضْفَهُ فِي جَنَانٍ وَ زَوَّجَهُ مَعَ الْخُورِ الْمِلَاحِ

۱- حرا بن یزید ریاحی کا تعلق عرب کے ایک معزز گھرانے سے تھا اور وہ کوفہ میں اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ ابن زیاد نے انہیں ایک ہزار سپاہیوں کا لشکر دے کر امام حسینؑ کا راستہ روکنے کے لئے روانہ کیا۔ ((ابن نما)) کا بیان ہے کہ امام حسینؑ کی بارگاہ میں اپنی توبہ کی قبولیت کے بعد حرا نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! جب ابن زیاد نے مجھے آپؐ سے مقابلے کے لئے روانہ کیا تو دارالامارہ سے باہر نکل کر مجھے ایک آواز سنائی دی جس نے کہا: اے حرا! تمہیں یہ سفر مبارک ہو۔ جب میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہاں کوئی نظر نہیں آیا۔ اس وقت سے اب تک میں سوچا کرتا تھا کہ یہ کیسی بشارت تھی؟ میں تو فرزند رسولؐ کے مخالف محاذ پر ہوں۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ بالآخر آپؐ کے ساتھ شامل ہو کر اس سعادت کو حاصل کروں گا۔

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مُشْتَبِك (اشتبک سے): ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جانا، شدید جنگ کے لئے کنائے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ رِمَاح (رُمح کی جمع): نیزہ۔ نَادِی حُسَيْنًا (بعض کتابوں میں فَادِی حُسَيْنًا بھی ذکر ہوا ہے): اپنے آپ کو حسین پر فدا کر دیا۔ جَادَ بِنَفْسِهِ: جان قربان کر دی۔ صِيَاح: آواز دینا، چلانا۔ أَضَافَهُ: اسے مہمان بنالیا۔ مِلَاح (مَلِیح کی جمع): نمکین۔

ترجمہ اور تشریح

«ابن اثیر» نے لکھا ہے کہ حرنے عمر ابن سعد کے لشکر سے علیحدہ ہو کے، توبہ کی غرض سے امام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: میں نے یہ سوچا بھی نہ تھا کہ یہ لوگ معاملے کو اس حد تک لے جائیں گے اور سچ مچ آپ سے جنگ کرنے لگیں گے، ورنہ ہرگز ان کا ساتھ نہ دیتا۔ میں نے آپ کے خلاف جو جو کام کئے ہیں، اور آپ کا راستہ روکا ہے، اب ان سب خطاؤں سے توبہ کیلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور اس بات کا عزم کرتا ہوں کہ مرتے دم تک آپ کی مدد کروں گا اور آپ کے قدموں میں جاں نثار کر دوں گا۔ کیا آپ میری توبہ قبول فرمائیں گے؟

امام نے ان کے جواب میں فرمایا:

«نَعَمْ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْكَ وَ يَغْفِرُ لَكَ.»

«ہاں، خدا تمہاری توبہ قبول کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔» (۱)

طبری (۲) اور ابن کثیر (۳) نے لکھا ہے کہ حرنے حبیب کی شہادت کے بعد نمازِ ظہر

۲- تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۳۵۵۔

۱- تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۸۸۔

۳- البدایہ والنہایہ - ج ۸ - ص ۱۸۳ اور ۱۸۴۔

سے پہلے زہیر کے ساتھ مل کر دشمن پر حملہ کیا۔ ان میں سے جو کوئی دشمن کے محاصرے میں پھنستا تو دوسرا محاصرہ توڑ کر اسے دشمن کے حصار سے آزاد کرا لیتا۔ یہاں تک کہ حر کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ انہوں نے گھوڑے سے اتر کر پیدل ہی جنگ جاری رکھی۔ جب ان کے ہاتھوں دشمن کے چالیس سے زیادہ افراد قتل ہو چکے تو دشمن کے ایک پیدل گروہ نے ان پر حملہ کر دیا۔ جس کے نتیجے میں وہ زخمی ہو کر گر پڑے۔ اس موقع پر لشکرِ امام کے چند افراد نے دشمن پر حملہ کیا اور حر کے نیم جاں جسم کو قتل گاہ سے اٹھا کر خیموں کی طرف لے آئے اور اس خیمے کے قریب رکھ دیا جس میں شہدا کی لاشیں رکھی تھیں۔ (۱)

امام وہیں حر کے نیم جاں جسم کے قریب تشریف لائے، ان میں ابھی زندگی کی کچھ رمتی باقی تھی۔ آپؐ نے ان کا خون آلود جسم دیکھ کر وہی جملہ ادا کیا جسے آپؐ بارہا فرما چکے تھے کہ:

«قَتَلَةُ مِثْلُ قَتَلَةِ النَّبِيِّنَ وَ آلِ النَّبِيِّنَ»

«یہ (اہل کوفہ) ایسے ہی قاتلوں کی مانند ہیں جیسے انبیا اور اولادِ انبیا کے قاتل ہوتے ہیں۔»

اس کے بعد آپؐ حر کے سر ہانے بیٹھ گئے اور ان کے چہرے پر سے خون اور مٹی کو صاف کرتے ہوئے فرمایا:

«أَنْتَ الْحُرُّ كَمَا سَمَّيْتَكَ أُمُّكَ وَأَنْتَ الْحُرُّ فِي الدُّنْيَا وَ
الْآخِرَةِ»

«تم آزاد مرد ہو جیسا کہ تمہاری ماں نے تمہارا نام حر (یعنی آزاد) رکھا تھا۔ تم اس دنیا اور آخرت دونوں میں آزاد ہو۔»

۱- یہ خیمہ میدان کی طرف خیمہ گاہ کے آخری حصے میں تھا جس کے اندر اور قریب شہدا کے اجسادِ مطہر رکھے جاتے تھے۔

پھر حر کے غم میں یہ اشعار پڑھے:

لِنِعْمِ الْحُرِّ حُرُّ بَنِي رِيَّاحٍ صَبُورٌ عِنْدَ مُشْتَبَكِ الرِّمَاحِ
وَنِعْمَ الْحُرُّ إِذْ نَادَى حُسَيْنًا وَجَادَ بِنَفْسِهِ عِنْدَ الصَّبَاحِ
فِيَا رَبِّي أَضْفُهُ فِي جَنَانٍ وَزَوْجُهُ مَعَ الْحُورِ الْمَلَّاحِ
» (حر جو قبیلہ بنی ریح سے تعلق رکھتا ہے، کیسا جوان مرد ہے۔ گھمسان کی جنگ اور

نیزوں کی بارش کے باوجود ثابت قدم ہے۔ اور وہ کتنا اچھا ہے کہ جب حسین نے اسے صدا دی، اس نے ان کی مدد کرتے ہوئے صبح عاشورا اپنی جان قربان کر دی۔ بارِ الہا! تو جنت میں اس کی خاطر تواضع کر اور خوبصورت ولیح حور کو

اس کی زوجہ قرار دے۔) (۱)

سعادت اور کامیابی کا حقیقی مفہوم

اگر ہم کامیابی کے حقیقی معنی سے آشنا ہونا چاہتے ہیں اور خوش قسمتی اور نیک انجام کی کسی کامل مصداق کو متعارف کرانا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ حرا اور ان کی مانند دوسرے چند افراد کا ذکر کریں۔ یہ افراد اگرچہ ابتدا میں شیطانی لشکر کے ساتھ اور اسلام دشمنوں کی صفوں میں شامل تھے، فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کرنے اور مشعلِ ہدایت کو بجھانے کی غرض سے کر بلا آئے تھے لیکن جب انہوں نے فیصلے کے لئے اپنی عقل سے رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اسکی فیوضات ان کے شامل حال ہوئیں اور انہوں نے اپنی تلواریں اسلام کے مفاد اور قرآن کے دفاع کے لئے استعمال کیں اور اس راہ میں شہادت کے عظیم درجے پر

۱۔ بعض تاریخ نویسوں نے کہا ہے کہ یہ اشعار امام حسینؑ کے تھے، جبکہ بعض کے مطابق یہ اشعار امام سجادؑ نے ارشاد فرمائے تھے اور بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے کسی صحابی نے یہ اشعار کہے تھے۔ بحار الانوار۔ ج ۳۵۔ ص ۱۴۲، امالی صدوق۔ تیسویں مجلس، مقتل عوالم۔ ص ۸۵، مقتل خوارزمی۔ ج ۲۔ ص ۱۱۔

فائز ہوئے۔

شبِ عاشور اور عاشور کے روزِ توبہ کر کے امام کے لشکر میں شامل ہونے والے افراد کی ٹھیک ٹھیک تعداد ہمیں معلوم نہیں اور ان کے اسمائے گرامی اور شہادت کا احوال تاریخ کی کتابوں میں پوری پوری تفصیل کے ساتھ درج نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن جیسا کہ ((حر)) کے احوال میں بیان ہوا، تاریخ میں دو اور ایسے افراد کا ذکر ملتا ہے جنہیں توبہ کی توفیق نصیب ہوئی اور جو حسین ابن علی کی زندگی کے آخری لمحات میں ان کے ساتھ شامل ہوئے اور آپ کی رکاب میں شہادت کے ذریعے دائمی کامیابی اور سعادت حاصل کر پائے۔

سعد ابن حارث اور اس کا بھائی

کوفہ کے رہنے والے دو بھائی ((سعد)) اور ((ابو الحنفیہ))، حارث کے بیٹے، منحرف عقیدے کے حامل اور کٹر خوارج میں سے تھے جو (نعوذ باللہ) امیر المومنین کو واجب القتل قرار دیتے تھے۔ یہ دو بھائی عمر ابن سعد کے ہمراہ حسین ابن علی سے جنگ کی غرض سے کر بلا پہنچے اور لشکرِ کوفہ میں رہے۔ عاشور کے دن جب امام علیہ السلام کے تمام اصحاب شہید ہو گئے اور ان بھائیوں نے مظلوم کر بلا کی الا ناصرینصرنی کی صدائے استغاثہ سنی اور انہیں خیموں سے عورتوں اور بچوں کے رونے کی آوازیں سنائی دیں تو منقلب ہو گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: ہم جو کہتے ہیں کہ: لَا حُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ وَلَا طَاعَةَ لِمَنْ عَصَى اللَّهَ (۱) (فیصلہ صرف اللہ کا ہے اور جو اللہ کی مخالفت کرے اس کی اطاعت نہیں کی جائے۔) تو یہ حسین کیا ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد نہیں ہیں؟ کیا ہم روزِ قیامت ان کے نانا کی شفاعت کے امیدوار نہیں ہیں؟ پھر آخر کیوں ہم ان کے خلاف جنگ کے لئے میدان میں اترے ہیں اور وہ دشمنوں کے زرخے میں تن تنہا بے یار و مددگار کھڑے ہیں۔

۱۔ یہ خوارج کا نعرہ تھا۔

آپس میں یہ گفتگو کرنے کے بعد وہ دونوں بھائی حسین ابن علیؑ کی طرف آ گئے۔
 تلواریں میان سے نکالیں اور امامؑ کے قریب کھڑے ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے لگے۔ دشمن کے
 کچھ افراد کو قتل کرنے اور چند کو زخمی کرنے کے بعد دونوں بھائی شہید ہو گئے اور ان کے خون
 میں نہائے ہوئے لاشے ایک دوسرے کے نزدیک ہی زمین پر گر پڑے۔ یوں ((حرا بن یزید
 ریاحی)) کی طرح ان دونوں بھائیوں کو بھی سعادت اور کامیابی حاصل ہوئی۔ (۱)



۱- سعد اور ابو الحتوف کے بارے میں مزید معلومات کے لئے تنقیح المقال - ج ۲ - ص ۱۲ اعیان الشیعة
 (نیا ایڈیشن دس جلدی) - ج ۲ - ص ۳۱۹، لکنی والا القاب از محدث قمی - ج ۱ - ص ۴۳ سے رجوع کیجئے۔

۷۰

زہیر ابن قین سے فرمایا

..... وَ اَنَا الْقَاهِمُ عَلَى اِثْرِكَ

لَا يُبْعِدَنَّكَ اللَّهُ يَا زُهَيْرُ وَ لَعَنَ قَاتِلِيكَ لَعْنُ الدِّينِ

مُسْخُوًا قِرْدَةً وَ خَنَازِيرَ .»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اثر : پیچھے فوراً بعد۔ قِرْدَہ (قِرْد کی جمع): بندر۔ خَنَازِيرُ (خَنَزِير کی جمع): سور۔

ترجمہ اور تشریح

زہیر ابن قین (۱) ایک حملے اور شدید جنگ کے بعد خیموں کی طرف واپس آئے، حسین ابن علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ہاتھ امامؑ کے کاندھوں پر رکھ کر دوبارہ رن میں جانے کی اجازت طلب کرتے ہوئے یہ شعر پڑھے۔

۱- ((زہیر ابن قین)) کوفہ کے رہنے والے اور اپنے قبیلے کے سرداروں میں سے تھے۔ وہ حضرت عثمان کے ماننے والوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ۶۰ھ میں اپنی زوجہ کے ہمراہ حج سے مشرف ہوئے اور واپسی پر کربلا کے نزدیک امام حسینؑ سے ہونے والی ایک ملاقات اور نشست کے نتیجے میں نور ہدایت نے ان کے قلب کو منور کیا اور اپنا عقیدہ تبدیل کر کے امامؑ کے اصحاب میں شامل ہو گئے۔ ان کے مذکورہ اشعار میں ہادیاً مہدیاً کے الفاظ شاید اسی نکتے کی جانب اشارہ ہوں۔

فَدَتَكَ نَفْسِي هَادِيًا مَهْدِيًا الْيَوْمَ أَلْقَى جَدَّكَ النَّبِيَا
وَحَسَنًا وَ الْمُرْتَضَى عَلِيًّا وَ ذَا الْجَنَاحَيْنِ الْفَتَى الْكَمِيًّا
وَ أَسَدَ اللَّهِ الشَّهِيدَ الْحَيًّا

«میری جان آپ پر فدا ہوا اے ہدایت یافتہ اور ہادی آج میں آپ کے جد
پیغمبر سے ملاقات کروں گا۔ حسن، علی مرتضیٰ اور دو پروں والے مسلح جوان مرد
(جعفر طیار) سے ملوں گا۔ اسد اللہ، حمزہ سے بھی جو ہمیشہ زندہ رہنے والے
شہید ہیں۔»

امام نے ان کے جواب میں فرمایا:

«..... وَ أَنَا أَلْقَاهُمْ عَلَى إِثْرِكَ.»

«تمہارے فوراً بعد میں بھی ان سے ملاقات کروں گا۔»

اسی طرح کے دو شعر اور امام کا جواب «حجاج جعفی» کے بارے میں بھی ذکر ہوا ہے،
بالکل ایک جیسا ہونے کی وجہ سے ہم نے انہیں نقل کرنے سے اجتناب کیا ہے۔
جب زہیر شدید زخمی ہو کر کربلا کی زمین پر گرے تو امام ان کے سرہانے تشریف لائے
اور ان الفاظ کے ذریعے ان کی قدر افزائی فرمائی:

«..... لَا يُبْعِدَنَّكَ اللَّهُ يَا زُهَيْرُ وَ لَعَنَ قَاتِلِيكَ لَعْنُ الدِّينِ

مُسْخُوًا قِرْدَةً وَ خَنَازِيرَ.»

«خدا تمہیں اپنی رحمت سے دور نہ رکھے اے زہیر! اور تمہارے قاتلوں پر لعنت
کرے ایسی لعنت جو جب گزشتہ قوموں پر کی گئی تو وہ بندر اور سور کی شکل میں
مسخ ہو گئے۔» (۱)

جی ہاں! ہر زمانے میں وہ لوگ جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے محروم ہو کر اپنے اپنے عہد کے ابن زیاد اور عمر ابن سعد کے اشاروں پر بندروں کی مانند ناچنے لگتے ہیں، اور سور کی طرح ان کی زندگی کا مقصد بھی فقط اپنی خواہشات کی تکمیل رہ جاتا ہے، وہ خدا کی لعنت کے مستحق بن جاتے ہیں، کیونکہ ان میں انسانیت کے کوئی آثار باقی نہیں رہتے۔



خُظْلہ شبامی (۱) سے فرمایا

..... رَحِمَكَ اللَّهُ إِنَّهُمْ قَدْ اسْتَوْجَبُوا الْعَذَابَ حِينَ
رَدُّوا عَلَيْكَ مَا دَعَوْتَهُمْ إِلَيْهِ مِنَ الْحَقِّ وَ نَهَضُوا إِلَيْكَ
لِيَسْتَبِيحُوكَ وَ أَصْحَابَكَ وَ كَيْفَ بِهِمُ الْآنَ وَ قَدْ
قَتَلُوا إِخْوَانَكَ الصَّالِحِينَ .

..... رَحُّ إِلَى خَيْرٍ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيهَا وَ إِلَى مُلْكٍ لَا
يَبْلَى .

..... آمِينَ آمِينَ .»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

نَهَضُوا (نَهَضَ سے): کسی کے خلاف کھڑے ہونا۔ نَهَضُوا إِلَيْهِ: اس کی طرف
لپکے۔ اسْتَبِيحَاة: کسی کام کو جائز سمجھنا (خونریزی کے ارادے کا کنایہ ہے)۔ رَحُّ (رَاخ
يَرُوحُ کا فعل امر): جانا۔ يَبْلَى (بَلَى سے): پرانا ہو جانا۔

۱- تاریخ اور مقتل کی کتابوں میں «شبامی» کی بجائے «شامی» بھی لکھا ہے۔ مرحوم «ساوی» نے «البصائر العین»
میں اس غلطی کی تصحیح کرتے ہوئے لکھا ہے: شبامی (کتاب کے وزن پر) شبام سے ہے اور شامی غلط ہے۔

ترجمہ اور تشریح

حسین ابن علیؑ کے اصحاب میں سے ایک «خظلہ بن شبامی» بھی تھے انہوں نے دشمن کے سامنے آ کر اسے نصیحت کی اور اپنی بات کا اختتام اس آیہ کریمہ کی تلاوت پر کیا جس میں مومن آل فرعون نے فرعونیوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے ارادے سے باز رکھنے کیلئے انہیں ان کے اس عمل کے خطرناک نتائج سے متنبہ کیا تھا۔ (۱)

اسکے بعد وہ خیموں کی طرف واپس آئے تو حسین ابن علیؑ نے ان کی تعریف اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا:

«رَحِمَكَ اللَّهُ إِنَّهُمْ قَدْ اسْتَوْجَبُوا الْعَذَابَ..... خداتم پر رحم کرے»

جب ان لوگوں نے تمہاری دعوت حق کو قبول نہیں کیا اور تمہارے دوستوں کے قتل کے لئے تیار ہوئے تو اسی وقت عذاب کے مستحق ہو گئے تھے اور اب تو انہوں نے تمہارے ساتھیوں کا خون ناحق بہا دیا ہے (اب یقیناً یہ لوگ عذاب سے بچ نہیں سکتے)۔»

خظلہ نے عرض کیا: صَدَقْتَ جُعِلْتُ فِدَاكَ (میری جان آپ پر قربان ہو، آپ نے بالکل درست فرمایا ہے۔)

پھر اذن جہاد لینے کے لئے کہا: أَفَلَا نَرْوُحُ إِلَى رَبَّنَا وَنَلْحَقُ بِأَخَوَانِنَا (کیا

۱- يَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ يَوْمَ تُولُونِ مُدْبِرِينَ مَا لَكُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ (اے قوم! میں تمہارے بارے میں فریادری کے لئے پکارنے کے دن (قیامت) سے ڈر رہا ہوں۔ جس دن تم سب پیٹھے پھیر کر بھاگو گے اور اس دن خدا کے غضب سے کوئی تمہیں بچانے والا نہ ہوگا اور جس کو خدا (اسکے عمل کے اثر سے) گمراہی میں چھوڑ دے اسکی ہدایت کرنے والا کوئی نہیں۔ سورۃ غافر ۴۰- آیت ۳۲، ۳۳)

ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف جاؤں اور اپنے بھائیوں سے جاملوں۔
وہ بھائی جو جنت میں میرے منتظر ہیں۔

امام علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا:

«رَحُّ إِلَى خَيْرٍ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَإِلَى مُلْكٍ لَا يَبْلَى.»

«ہاں، جاؤ اس طرف جو دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب سے بہتر ہے، ایسی

سلطنت جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔»

حفظہ نے امام سے وداع ہوتے ہوئے کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ عَلَى اَهْلِ بَيْتِكَ وَ عَرَفَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ فِي جَنَّتِهِ۔

امام نے بھی فرمایا: آمِينَ آمِينَ۔

حفظہ نے دشمن پر حملہ کیا اور بے جگری سے لڑے، یہاں تک کہ درجہ شہادت پر فائز

ہوئے۔ (۱)



۷۲

سیف بن حارث اور مالک بن عبد سے فرمایا

..... اَیْ اِبْنِیْ اَخَوِیْ مَا یُبْکِیْکُمَا ؟ فَوَ اللّٰہِ اِنِّیْ لَا رَجُوْ
اَنْ تَکُوْنَا بَعْدَ سَاعَةٍ قَرِیْرُ الْعَیْنِ جَزَاکُمَا اللّٰہُ یَا اِبْنِیْ
اَخَوِیْ عَنْ وُجْدِکُمَا مِنْ ذٰلِکَ وَ مُوَاسَاَتِکُمَا اِیَّایْ
اَحْسَنَ جَزَاءِ الْمُتَّقِیْنَ وَ عَلَیْکُمَا السَّلَامُ وَ رُحْمَةُ
اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہُ .»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

قَرِیْرُ الْعَیْنِ : کسی مقصد کو حاصل کر کے خوش اور مسرور ہونا۔ وُجْد (واو پر پیش) :
احساس و ادراک۔ مُوَاسَاَت : تعاون اور مدد کرنا۔

ترجمہ اور تشریح

«طبری» نے لکھا ہے کہ «قبیلہ ہمدان» کے دو افراد «سیف بن حارث بن ربیع» اور
«مالک بن عبد بن سریع» جو ایک دوسرے کے چچا زاد بھائی تھے اور ایک ہی ماں کے بیٹے تھے
وہ ان ایام میں کر بلا آ گئے تھے جب ابھی کر بلا اور کوفہ کے درمیان رفت و آمد پر پابندی نہیں لگی
تھی۔ یہ دونوں کر بلا پہنچ کر امام حسینؑ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔

عاشور کے دن دشمنوں کی کثرت اور امام کے اعوان و انصار کی قلت دیکھ کر یہ دونوں رونے لگے اور اسی حالت میں امام کی خدمت میں تشریف لائے۔ جب امام عالی مقام نے انہیں روتے دیکھا تو فرمایا:

«أَيُّ ابْنِي أَخَوِي مَا يُبْكِيكُمَا؟..... اے میرے بھائیوں کے بیٹو! کیوں رو رہے ہو؟ خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ کچھ ہی دیر بعد تمہاری آنکھوں میں ڈھنڈک پڑ جائے گی (جنت میں داخلے پر خوشی اور مسرت حاصل کرو گے)۔»

ان دونوں جوانوں نے عرض کیا: جَعَلْنَا اللَّهَ فِدَاكَ لَا وَاللَّهِ مَا عَلَيَّ أَنْفُسِنَا نُبْكِي وَ لِيَكُنْ نُبْكِي عَلَيْكَ نَرَاكَ قَدْ أَحِيطَ بِكَ وَ لَا نَقْدِرُ عَلَى أَنْ نَمْنَعَكَ بِأَكْثَرِ مِنْ أَنْفُسِنَا (اے فرزندِ رسول! ہماری جان آپ پر فدا ہو، خدا کی قسم ہم اپنے لئے نہیں رو رہے، ہم تو آپ پر رو رہے ہیں کہ دشمن نے آپ کو گھیرا ہوا ہے اور ہم اپنی جان دینے کے سوا آپ کے دفاع کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔)

امام نے ان لوگوں کی اس محبت، فرض شناسی اور جذبہ ایثار کو دیکھتے ہوئے فرمایا:

«جَزَاكُمَا اللَّهُ يَا ابْنِي أَخَوِي..... خدا تمہارے اس احساس و ادراک اور میری اس مدد و نصرت کے صلے میں تمہیں متقی اور پرہیزگاروں کا بہترین ثواب عنایت فرمائے۔»

«طبری» نے «ابو مخنف» سے نقل کیا ہے کہ: عین اس وقت جب یہ دونوں چچا زاد بھائی امام سے گفتگو میں مشغول تھے «خطلہ ابن اسعد» دشمنوں کے مقابل کھڑے انہیں وعظ و نصیحت کر رہے تھے (اور جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں) کچھ ہی دیر بعد وہ مقام شہادت پر فائز ہو گئے۔ اس موقع پر ان دونوں جوانوں نے میدان کا رخ کیا اور جیسا کہ لکھا ہے: فَاسْتَقْدَمَا يَتَسَابِقَانِ (دونوں میدان کی طرف جانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے) اور کبھی کبھی خیموں کی طرف رخ کر کے امام سے وداع کی غرض سے کہتے تھے کہ:

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بَنَ رَسُولِ اللَّهِ اور جواب میں امام فرماتے تھے کہ: وَ عَلَیْکُمَا
السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَکَاتُہُ .

پھر دونوں نے ایک ساتھ جنگ شروع کی اور مسلسل ایک دوسرے کی مدد کرتے رہے۔
اگر ان میں سے کوئی ایک دشمن کے گھیرے میں آ جاتا تو دوسرا دشمن کی صفوں کو توڑ کر اسے چھڑا
لیتا۔ یہاں تک کہ دونوں شہید ہوئے۔ (۱)

احساسِ ذمہ داری

اس گفتگو، مشایعت اور وداع میں جو چیز دوسری چیزوں سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے
اور ایک اہم اور ناقابلِ فراموش حقیقت کے طور پر نمایاں ہے وہ احساسِ ذمہ داری اور اپنے
فریضے کے ادراک کا مسئلہ ہے جسے امام نے سراہا اور اس کے عوض اللہ تعالیٰ سے ان کیلئے اجر
عظیم کی دعا کی اور وہ بھی متقین کا بہترین اجر و ثواب جسے سمجھنے سے ہمارا فہم و شعور عاجز ہے اور
جو ہمارے تصور سے بھی ماوراء ہے۔

جی ہاں! ان دونوں افراد کا راہِ حق کے فدا یوں کی کمی اور راہِ باطل کے پیروکاروں کی
کثرت پر آنسو بہانا، اس بات پر افسوس کرنا کہ حق کی حمایت میں اپنی جان کے نذرانے کے سوا
کچھ اور پیش نہیں کر سکتے، میدانِ جنگ میں پہنچنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی
کوشش کرنا اور اپنے فریضے کی ادائیگی اور راہِ حق میں قربانی پر ایسا ذوق و شوق کہ بار بار مڑ کر

۱- سیف اور مالک کے حالات اور شہادت کے بارے میں جاننے کے لئے رجوع کیجئے: تاریخ طبری - ج ۶
ص ۳۵۳ اور ۳۵۴، تنقیح المقال - ج ۲ - ص ۷۸، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۹۲، ابصار العین - ص ۷۸۔
خوارزمی نے اپنے مقتل کی جلد ۲، صفحہ ۳۲ پر اسی داستان کو قبیلہ غفار کے دو افراد عبد اللہ اور عبد الرحمن
سے نسبت دی ہے لیکن ہم نے طبری اور علم رجال کے معروف ماہر ((ماتقانی)) کے قابل اعتبار ہونے کے پیش
نظر ان کی گفتگو کو نقل کیا ہے۔

خیموں کی طرف دیکھتے ہیں اور السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا بُنَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ کہہ کر اپنی وفاداری اور بیعت کی تجدید کرتے ہیں یا ایک مرتبہ پھر وداع ہوتے ہیں، ان سب چیزوں کا سبب صرف ایک ہی حقیقت ہے اور وہ یہ کہ یہ دونوں اپنی ذمے داری اور فریضے کا احساس رکھتے ہیں۔

یہ وہ قابلِ قدر صفت ہے جو اگر کسی قوم میں پیدا ہو جائے تو وہ طوفانی موجوں میں تبدیل ہو کر اپنی کامیابی اور سعادت کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو ملیا میٹ کر دیتی ہے، اور اگر یہ صفت کسی شخص میں موجود ہو تو پھر وہ اپنے دین، مذہب، امام اور رہبر کی حمایت میں جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اور کتنا برا ہے اگر یہ احساسِ ذمے داری اور فرض شناسی کسی قوم یا کسی فرد میں نہ رہے۔ ایسی صورت میں نہ صرف یہ کہ وہ خود محض ایک چلتی پھرتی لاش بن جاتا ہے بلکہ دوسروں کے لئے بھی موت اور پستی کا سبب بنتا ہے۔



۷۳

جون سے فرمایا

..... يَا جَوْنُ أَنْتَ فِي إِذْنٍ مِنِّي فَإِنَّمَا تَبَعْتَنَا طَلَبًا لِلْعَافِيَةِ
فَلَا تَبْتَغِ بِطَرِيقَتِنَا.

..... اَللّٰهُمَّ بَيِّضْ وَجْهَهُ وَ طَيِّبْ رِيْحَهُ وَ احْشُرْهُ مَعَ

الْأَبْرَارِ وَ عَرِّفْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ. (۱)

ترجمہ اور تشریح

سیاہ فام غلام ((جون ابن حری)) دراصل حضرت ابوذر غفاریؓ کے غلام تھے جو اُن کے بعد اہل بیتؑ کے خدمت گزار بن گئے تھے۔ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان کے ساتھ رہے اور پھر ان کے بعد حسین ابن علیؑ کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ وہ مدینہ سے مکہ اور پھر مکہ سے کربلا تک کے سارے راستے میں امامؑ کے ہمراہ رہے۔ عاشور کے دن جب جنگ کی شدت اپنی انتہاؤں کو چھونے لگی تو امامؑ کے پاس آئے اور آپؑ سے اذنِ جہاد طلب کیا۔ امامؑ نے ان کے جواب میں فرمایا:

«يَا جَوْنُ أَنْتَ فِي إِذْنٍ مِنِّي..... اے جون! میری طرف سے تمہیں

اجازت ہے (کہ یہاں سے چلے جاؤ اور اپنی جان کی حفاظت کرو) کیونکہ تم سکون اور عافیت کی زندگی بسر کرنے کے لئے ہمارے ہمراہ آئے تھے اب ہماری وجہ سے اپنے آپ کو خطرے میں مبتلا نہ کرو۔»

«جون» نے اپنے آپ کو امام کے قدموں میں گرا لیا اور ان کے قدم چومتے ہوئے عرض کیا: اے فرزندِ رسول! کیا یہ ممکن ہے کہ راحت اور آسائش کے ایام میں تو میں آپ کے ساتھ رہوں اور برے دنوں میں اور مشکلات اور دشمنوں کے درمیان آپ کو تنہا چھوڑ کر چلا جاؤں؟ ہاں! میرے بدن سے بدبو آتی ہے، میرا حسبِ پست ہے اور میرا رنگ سیاہ ہے۔ اب مجھے جنت دے کر مجھ پر احسان کیجئے تاکہ میرے بدن سے خوشبو آئے، میرا رنگ سفید ہو جائے اور میں عزت و شرافت حاصل کر سکوں۔ خدا کی قسم میں ہرگز آپ سے جدا نہ ہوں گا، یہاں تک کہ میرا یہ سیاہ خون آپ کے خون سے مل جائے۔ (۱)

حسین ابن علیؑ نے جب «جون» کی یہ وفاداری، خلوص اور اصرار دیکھا تو انہیں میدان میں جانے کی اجازت دے دی اور جب وہ ٹڈھال ہو کر کربلا کی زمین پر گرے تو امام خود ان کے سر ہانے تشریف لائے ان کے قریب بیٹھے اور ان الفاظ میں انہیں دعا دی:

«اللَّهُمَّ بَيِّضْ وَجْهَهُ..... بَارِئِهَا! اس کے چہرے کو منور کر دے، اس کے

بدن کو معطر بنا دے اسے اپنے نیک بندوں کے ساتھ محشور فرما، اور محمد و آلِ محمد

اور اس کے درمیان زیادہ سے زیادہ آشنائی اور واقفیت قرار دے۔»



۱- يَا بْنَ رَسُولِ اللَّهِ أَنَا فِي الرَّخَاءِ الْحَسِّ قِصَاعَكُمْ وَ فِي الشَّدَةِ أَخَذْلُكُمْ إِنَّ رِيحِي لَنَتْنٌ وَ إِنَّ حَسْبِي لِلَّيْمِ وَ إِنَّ لَوْنِي لَأَسْوَدُ فَتَنَفَّسْ عَلَيَّ فِي الْجَنَّةِ لِيَطِيبَ رِيحِي وَ يَشْرَفَ حَسْبِي وَ يَبْيُضَّ لَوْنِي لَا وَ اللَّهُ لَا أُفَارِقُكُمْ حَتَّى يَخْتَلِطَ هَذَا الدَّمُ الْأَسْوَدُ مَعَ دِمَائِكُمْ.

۷۴

عمر ابن جنادہ کے بارے میں فرمایا

..... وَ هَذَا غُلَامٌ قُتِلَ أَبُوهُ فِي الْحَمَلَةِ الْأُولَى وَ لَعَلَّ

أُمُّهُ تَكْرَهُ ذَلِكَ..»

ترجمہ اور تشریح

«جنادہ انصاری» کے مارے جانے کے بعد ان کے گیارہ سالہ فرزند «عمر ابن جنادہ» جو اپنے والدین کے ہمراہ کر بلا آئے تھے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دشمن سے مقابلے کی اجازت طلب کی۔ امام حسین علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا:

«وَ هَذَا غُلَامٌ قُتِلَ أَبُوهُ اس جوان کے والد پہلے حملے میں مارے

جا چکے ہیں اور اب (اسکا مارا جانا) شاید اس کی ماں پسند نہ کرے۔»

اس جانباز نو جوان «عمر ابن جنادہ» نے جب یہ سنا تو عرض کیا: اِنَّ اُمِّي اَمَرَتْنِي (میری ماں ہی نے مجھے حکم دیا ہے۔)

امام نے جب ان کا یہ جواب سنا تو انہیں اجازت دے دی۔

عمر میدان جنگ کی جانب روانہ ہوئے اور دشمن کے سامنے پہنچ کر یہ رجز پڑھا۔

أَمِيرِي حُسَيْنٌ وَ نِعَمَ الْأَمِيرُ سُرُورُ فُؤَادِ الْبَشِيرِ النَّذِيرِ

عَلِيٌّ وَ فَاطِمَةُ وَالِدَاهُ فَهَلْ تَعْلَمُونَ لَهُ مِنْ نَظِيرِ

» میرے سردار حسین ہیں اور یہ کتنے اچھے سردار ہیں جو بشیر و نذیر پیغمبر کے دل کا چین ہیں۔ علی اور فاطمہ ان کے والدین ہیں۔ کیا تم ان جیسی کسی اور ہستی سے واقف ہو؟«

وہ دشمن کے ساتھ سخت مقابلے کے بعد شہید ہوئے۔ دشمن نے ان کا سر کاٹ کر خیموں کی طرف پھینک دیا۔ عمر کی والدہ نے یہ سراٹھایا اور اس سے خاک و خون صاف کرنے کے بعد اسے نزدیک کھڑے ہوئے دشمن کے ایک سپاہی کو مار کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر خیمے کی طرف گئیں اور ایک لکڑی اٹھالائیں اور درج ذیل اشعار پڑھتے ہوئے دشمن پر حملہ کیا:

إِنِّي عَجُوزٌ فِي النَّسَاءِ ضَعِيفَةٌ خَاوِيَةٌ بِالْيَةِ نَحِيفَةٌ
أَضْرِبُكُمْ بِضَرْبَةٍ عَنِيفَةٍ دُونَ بَنِي فَاطِمَةَ الشَّرِيفَةِ

» میں ایک ضعیف، کمزور اور ناتواں عورت ہوں لیکن فاطمہ کے فرزند کی حمایت

میں تم پر سخت ضرب لگاؤں گی۔«

اس خاتون نے لشکرِ کوفہ کے دو افراد کو زخمی کیا اور پھر امام کے حکم سے خیموں کی سمت

واپس چلی آئیں۔ (۱)



۷۵

حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے موقع پر

«اللَّهُمَّ اشْهَدْ عَلَي هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ إِلَيْهِمْ أَشْبَهُ
النَّاسِ بِرَسُولِكَ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ) خُلُقًا وَ
خُلُقًا وَ مَنْطِقًا وَ كُنَّا إِذَا اشْتَقْنَا إِلَى رُؤْيَةِ نَبِيِّكَ نَظَرْنَا
إِلَيْهِ - اللَّهُمَّ فَامْنَعُهُمْ بَرَكَاتِ الْأَرْضِ وَفَرِّقْهُمْ تَفْرِيقًا
وَمَزِقْهُمْ تَمْزِيقًا وَاجْعَلْهُمْ طَرَائِقَ قِدَدًا وَلَا تُرْضِ الْوُلَاةَ
عَنْهُمْ أَبَدًا فَإِنَّهُمْ دَعَوْنَا لِنَصْرُونَا ثُمَّ عَدَوْا عَلَيْنَا
لِيُقَاتِلُونَا إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ
عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ذُرِّيَّةَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ مَا لَكَ؟ قَطَعَ اللَّهُ رَحِمَكَ كَمَا
قَطَعْتَ رَحِمِي وَلَمْ تَحْفَظْ قِرَابَتِي مِنْ رَسُولِ اللَّهِ وَسَلَّطَ
عَلَيْكَ مَنْ يَذْبَحُكَ عَلَى فِرَاشِكَ.

.... قَتَلَ اللَّهُ قَوْمًا قَتَلُواكَ يَا بُنَيَّ مَا أَجْرَاهُمْ عَلَى اللَّهِ وَعَلَى
انتهاك حُرْمَةِ رَسُولِ اللَّهِ، عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعَفَا..»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

تَمْزِيقُ : بکھر جانا۔ طَرَائِقُ قِدْدَا : شدید اختلافی آراء رکھنے والے گروہ۔

ترجمہ اور تشریح

حسین ابن علیؑ کے اصحاب و انصار کے جامِ شہادت نوش کرنے کے بعد آپؑ کے خاندان کے افراد نے رن میں جانا شروع کیا۔ سب سے پہلے حسین ابن علیؑ کے فرزند ارجمند حضرت علی اکبرؑ نے میدانِ جہاد میں قدم رکھا اور اسلام و قرآن کی حفاظت کی خاطر تیروں، نیزوں اور تلواروں کے سامنے خود کو پیش کیا۔

کیونکہ ہمارا قلم ان کی شخصیت کا خاکہ کھینچنے سے عاجز ہے اور زبان ان کے اوصاف و کمالات کے بیان سے بے بس لہذا ان کی روحی و معنوی شخصیت اور حسن سیرت و صورت کے ایک گوشے سے متعلق خود ان کے اور ان کے والدِ گرامی کے اقوال نقل کرتے ہیں:

جب ایک موقع پر حسین ابن علیؑ نے حضرت علی اکبرؑ کو اپنی اور اپنے اعوان و انصار کی شہادت کی خبر دی تو انہوں نے جواب دیا: اے والدِ گرامی اگر ہماری موت حق کی راہ میں واقع ہوئی تو پھر ہمیں موت کی کوئی پروا نہیں ہے: فَاذَا لَا نُبَالِي بِالْمَوْتِ .

امام حسینؑ ان کے معنوی اور نفسانی کمالات اور صورت و سیرت کے متعلق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: علی اکبرؑ شکل و صورت، اخلاق و اطوار اور اقوال و گفتار میں نبی اکرمؐ سے تمام لوگوں سے زیادہ شباهت رکھتے تھے۔ جب بھی ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت کرنا چاہتے تو علی اکبرؑ کے چہرے کو دیکھ لیا کرتے تھے۔

«خوارزمی» کہتے ہیں: علی ابن حسینؑ جو اس وقت اٹھارہ سال کے تھے (۱) انہوں نے

۱۔ حضرت علی اکبرؑ کی عمر کے بارے میں تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں کی جائے گی۔

روزِ عاشورا خاندانِ اہل بیت کے تمام افراد سے پہلے میدانِ شہادت کا رخ کیا۔ جب آپؐ نے اپنے والدِ گرامی سے وداع ہونے اور خیمہ گاہ سے میدانِ نبرد میں جانے کا قصد کیا تو حسین ابن علیؑ نے ان کے خوبصورت سراپے پر محبت بھری نگاہ ڈالی اور آسمان کی طرف رخ کر کے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلٰی هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ بَارِ الْهٰا! تو اس قوم پر گواہ رہنا کہ اب ایک ایسا جوان ان کی طرف جا رہا ہے جو صورت و سیرت عادات و اطوار اور اقوال و گفتار میں تیرے نبی سے سب لوگوں سے زیادہ شباهت رکھتا ہے اور جب کبھی ہم تیرے نبی کی زیارت کرنا چاہتے تھے تو اس کے چہرے کو دیکھ لیا کرتے تھے۔»

«اَللّٰهُمَّ فَامْنَعُهُمْ بَارِ الْهٰا! ان لوگوں کو زمین کی برکتوں سے محروم کر دے اور انہیں اختلاف و انتشار میں مبتلا کر دے، انہیں ٹکڑوں ٹکڑوں میں بانٹ دے، ان کے حکام کبھی ان سے خوش نہ ہوں۔ ان لوگوں نے ہمیں اس لئے بلایا تھا کہ یہ ہماری مدد کریں گے لیکن پھر ہمارے ہی دشمن ہو گئے تاکہ ہمیں قتل کریں۔»

پھر امامؑ نے اس آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی:

«اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓ اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهٖمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ ذُرِّیَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ .»

«اللہ نے آدم، نوح اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو منتخب کر لیا ہے۔ یہ ایک نسل ہے جس میں ایک کا سلسلہ ایک سے ہے اور اللہ سب کی سننے اور جاننے والا ہے۔ (سورہ آل عمران ۳- آیت ۳۳، ۳۴)

جب حضرت علی اکبرؑ مقتل کی سمت روانہ ہونے لگے تو امامؑ نے عمر ابن سعد کو مخاطب کر

کے فرمایا:

«مَالِك؟ قَطَعَ اللَّهُ رَحِمَكَ كَمَا قَطَعْتَ رَحِمِي تجھے کیا ہو گیا ہے؟ خدا تیری نسل کو ختم کرے جس طرح تو نے میری نسل کو ختم کیا۔ (۱) تو نے میری اور رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قرابت کا لحاظ نہ کیا۔ خدا تجھ پر ایسے شخص کو مسلط کرے جو تیرے بستر ہی پر تیرا سرتن سے جدا کر دے۔»

حضرت علی اکبرؑ نے دشمن کی صفوں کے سامنے آ کر یہ پر جوش رجز پڑھا:

أَنَا عَلِيُّ ابْنُ الْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ نَحْنُ وَبَيْتِ اللَّهِ أَوْلَىٰ بِالنَّبِيِّ
وَاللَّهُ لَا يَحْكُمُ فِينَا ابْنُ الدَّعْيِ أَطْعَنُكُمْ بِالرُّمَحِ حَتَّىٰ يَنْشِي
أَضْرِبُكُمْ بِالسَّيْفِ حَتَّىٰ يَلْتَوِي ضَرْبَ غُلَامٍ هَاشِمِيٍّ عَلَوِيٍّ
«میں علیؑ، حسین ابن علیؑ کا بیٹا ہوں اور کعبہ کی قسم ہم ہی نبی کے سب سے قریب

۱۔ امام علیہ السلام نے عمر ابن سعد کو بددعا دیتے ہوئے فرمایا کہ: خدا تیری نسل کا خاتمہ کر دے۔ علم انساب کی دو انتہائی اہم کتابوں یعنی «نسب زبیری» اور «جمہرۃ ابن حزم» کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ عمر ابن سعد کی نسل میں سے اس کے پوتے «ابو بکر ابن حفص» کے بعد کوئی بھی باقی نہ رہا۔ خود ابو بکر اپنے باپ حفص کے بعد کچھ ہی عرصے زندہ رہا اور اس کی موت کے بعد اس کی کسی اولاد کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ یقیناً اگر اس کی کوئی اولاد ہوتی تو حسب نسب کے ماہرین اس کا ذکر کرتے کیونکہ امام علیہ السلام کی بددعا کے پیش نظر یہ مسئلہ ایک قابل تحقیق موضوع کی حیثیت رکھتا ہے۔

امام کے جملے کے دوسرے حصے: كَمَا قَطَعْتَ رَحِمِي (جیسا کہ تو نے میری نسل کو منقطع کیا) کے بارے میں حسین ابن علیؑ کی کثیر اولاد آپؑ کی نسل میں امامت کے باقی رہنے اور دوسرے شواہد کو دیکھتے ہوئے بآسانی کہا جاسکتا ہے کہ اس جملے سے مراد امام کی نسل کے اس حصے کا قطع ہونا ہے جو حضرت علی اکبرؑ کی حیات کی صورت میں ان کی اولاد کے توسط سے باقی رہتا۔

تر ہیں۔ خدا کی قسم یہ پست انسان کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کر سکتا، میں اس
نیزے سے دشمن پر اتنے وار کروں گا کہ اسکی انی مڑ جائے گی۔ اس تلوار سے
اس وقت تک ضرب لگاؤں گا جب تک یہ تلوار گھوم نہ جائے۔ ایسی ضرب جو
ہاشمی علوی جوان کے شایانِ شان ہے۔»

مرحوم شیخ مفید نے «ارشاد» میں اور طبری نے «اعلام الوری» میں ان اشعار کا ذکر
کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:..... فَفَعَلَ ذَلِكَ مِرَاراً وَ أَهْلَ الْكُوفَةِ يَتَّقُونَ قَتْلَهُ» (علی
اکبر ان پر جوش اشعار کو پڑھتے ہوئے دشمن پر بار بار حملے کرتے تھے کیونکہ اہل کوفہ انہیں قتل
کرنے سے ڈر رہے تھے۔)

مندرجہ بالا جملے کی تفسیر میں مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں جن کو اختصار کے پیش نظر
ہم نقل نہیں کر رہے۔ لیکن ہماری سمجھ میں جو بات آئی ہے وہ یہ ہے کہ جس چیز نے اہل کوفہ کو
حضرت علی اکبر کے قتل کے معاملے میں خوف و ہراس میں مبتلا کیا وہی ہے جسے مرحوم مفید نے
بھی حضرت علی اکبر کے بارے میں تحریر کیا ہے۔ شیخ مفید فرماتے ہیں: وَ كَانَ أَصْبَحَ النَّاسِ
وَجْهًا (علی اکبر لوگوں میں سب سے زیادہ خوب رو تھے) ۵۔ جی ہاں، حضرت علی اکبر کی اسی
ظاہری خوبصورتی اور حسن نے اہل کوفہ کو بار بار ہاپسپائی پر مجبور کیا۔ جس کے بارے میں ان کے
والد گرامی فرماتے ہیں: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلٰی هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَيْهِمْ اَشْبَهُ النَّاسِ
بِرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ (صَلٰی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِہٖ وَ خَلْقًا وَ خُلُقًا وَ مَنْطِقًا وَ كُنَّا اِذَا
اَسْتَقْنَا اِلٰی رُؤِیَةِ نَبِیِّكَ نَظَرْنَا اِلَیْہِ۔

«خوارزمی» لکھتے ہیں: علی اکبر نے پیاس کے شدید ترین غلبے کے باوجود ایسی جنگ کی
دشمن کی صفوں پر ایسے شدید حملے کئے اور اس کے اتنے افراد کو قتل کیا کہ فوجِ اشقیاء سے داد و فریاد
کی صدا میں بلند ہونے لگیں۔ ان کے ہاتھوں ایک سو بیس سے زیادہ افراد مارے گئے۔ اس
کے بعد آپ خیموں کی سمت واپس آئے۔ پھر دوسرا حملہ کیا اور جب زمین پر گرے تو بلند آواز

میں کہا: بابا جان! یہ میرے جد رسول اللہؐ ہیں جنہوں نے مجھے بہشت کے جام سے سیراب کر دیا ہے اب مجھے کوئی پیاس نہیں ہے۔

امام حسینؑ نے ان کے سرہانے پہنچ کر فرمایا:

« قَتَلَ اللَّهُ قَوْمًا قَتَلُواكَ يَا بُنَيَّ خدا اس قوم کو نابود کرے جس نے

تمہیں قتل کیا ہے۔ میرے بیٹے! یہ لوگ کس قدر بے باکی کے ساتھ اللہ اور اس

کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہتک حرمت کر رہے ہیں۔ تمہارے

بعد اس دنیا پر خاک ہے۔» (۱)

حضرت علی اکبرؑ کے بارے میں دو اہم موضوعات

حضرت علی اکبرؑ کے بارے میں مورخین اور علما کے درمیان دو موضوعات پر اختلاف

رائے پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ دستیاب ہو سکا ہے وہ موضوع گفتگو کی مناسبت سے

یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔ مذکورہ دو اہم موضوعات یہ ہیں:

۱۔ شہادت کے وقت حضرت علی اکبرؑ کی عمر کتنی تھی؟

۲۔ حضرت علی اکبرؑ کی والدہ دوسرے اہل حرم کے ہمراہ کربلا میں موجود تھیں یا نہیں؟

جہاں تک حضرت علی اکبرؑ کی عمر کا مسئلہ ہے اس بارے میں یہ بات پیش نظر رکھنے کی

ضرورت ہے کہ ان کی کنیت «ابو الحسن» تھی اور «انیس الشیعہ» کے مصنف (۲) کے بقول ان

۱۔ مقتل خوارزمی - ج ۲ - ص ۳۰، مشیر الاحزان، لہوف - ص ۱۰۰، تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۳۵۸، تاریخ کامل

ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۹۳، ارشاد شیخ مفید - ص ۲۳۸۔

۲۔ «انیس الشیعہ» محترم عالم اور دانشور سید محمد جعفر طیار ہندی کی تالیف ہے۔ یہ کتاب انہوں نے ۱۲۳۱ ہجری

میں تالیف کی۔ شہرہ آفاق کتاب «الذریعہ» کے مصنف اپنی اس کتاب کی جلد دوم صفحہ ۴۵۸ پر فرماتے ہیں کہ

میں نے یہ کتاب جو کہ فارسی زبان میں لکھی گئی تھی نجف اشرف میں سید آغا ستری کے پاس دیکھی۔

کی ولادت ۱۱ شعبان ۳۳ ہجری میں، خلیفہ ثالث کے قتل سے دو سال پہلے ہوئی تھی، جبکہ خلیفہ ثالث ۳۵ ہجری میں مارے گئے تھے۔

((انیس الشیعہ)) کے مصنف کی تائید مشہور عالم مرحوم ((ابن ادریس)) کی رائے سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے ((سرائر)) میں تحریر کی ہے کہ حضرت علی اکبر کی ولادت خلیفہ ثالث کے دور اقتدار (۲۳ تا ۳۵ ھ) کے دوران ہوئی۔

ان آراء کی روشنی میں، اگر حضرت علی اکبر کی ولادت خلیفہ ثالث کی حکومت کے آخری برس بھی ہوئی ہو تب بھی واقعہ عاشور کے وقت ان کی عمر تقریباً ۲۷ سال رہی ہوگی۔ اس قول کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ تاریخ نگار اور علم الانساب کے ماہرین متفق ہیں کہ حضرت علی اکبر عمر میں امام سجاد سے بڑے تھے اور واقعہ عاشور کے وقت امام سجاد کی عمر ۲۳ سال تھی اور ان کے فرزند امام محمد باقر علیہ السلام جو ان کے ہمراہ کربلا میں تھے چار سال کے تھے۔

تاریخ نگاروں کے مذکورہ متفقہ قول کی روشنی میں بآسانی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت علی اکبر کی عمر کے بارے میں پیش کی جانے والی باقی آراء حقیقت سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ جیسا کہ کتاب ((منتخب)) میں مرحوم ((طریحی)) کا یہ رائے دینا کہ شہادت کے وقت حضرت علی اکبر کی عمر ۱۷ سال تھی یا ((ارشاد)) میں مرحوم ((شیخ مفید)) اور ((اعلام الوری)) میں مرحوم ((طبری)) کا یہ لکھنا کہ شہادت کے وقت ان کی عمر ۱۸ سال تھی یا ((مناقب سروی)) کے مصنف کا یہ کہنا کہ ان کی عمر ۱۹ سال تھی۔ تعجب کی بات ہے کہ ((مثیر الاحزان)) میں مرحوم ((ابن نما)) کہتے ہیں کہ حادثہ کربلا کے وقت حضرت علی اکبر کی عمر دس سال سے زیادہ تھی۔ اگرچہ یہ جملہ مبہم ہے لیکن عام طور پر ایسے جملے سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۱۲ یا ۱۳ سال تھی اور ((ابن نما)) سے بھی زیادہ تعجب آور خواجہ نصیر الدین طوسی کا قول ہے (۱) جس میں وہ فرماتے ہیں کہ اِنَّ لَهُ يَوْمَ

الطَّفَّ سَبْعَ سِنِينَ (عاشور کے وقت ان کی عمر سات سال تھی)۔ کیونکہ متعدد تاریخی دلائل اور قرائن سے ثابت ہے کہ امام حسین علیہ السلام (اپنے بھائی حضرت عباسؓ کے سوا) تمام اعوان و انصار اصحاب اور اعزہ واقربا کے مقابلے میں حضرت علی اکبرؓ کو ترجیح دیا کرتے تھے اور یہ مقام اور یہ اہمیت اتنی کم عمری بالخصوص سات یا تیرہ برس کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی۔

مثال کے طور پر تمام مورخین متفق ہیں کہ شبِ عاشور عمر ابن سعد سے ملاقات کے وقت امام حسینؓ نے اپنے تمام اصحاب کو حکم دیا کہ وہ خیمے سے باہر رہیں اور صرف حضرت ابوالفضل العباسؓ اور حضرت علی اکبرؓ کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ آپؓ کے ہمراہ خیمے میں آئیں۔ اسی طرح عمر ابن سعد نے بھی اپنے بیٹے حفص اور اپنے ایک خاص غلام کو خیمے میں داخلے کی اجازت دی۔

اسی طرح عاشور کے دن جب امام علیہ السلام کی تقریر کے دوران خواتین کے گریہ و زاری کی آواز بلند ہوئی تو امامؓ نے اپنے بھائی ابوالفضل العباسؓ اور بیٹے علی اکبرؓ کو انہیں خاموش کرانے کی ذمہ داری سونپی: سَكَّتَاهُنَّ فَلَعَمْرِي لَيَكْثُرُ بُكَاءُهُنَّ (تم دونوں انہیں خاموش کرو خدا کی قسم مستقبل میں انہیں بہت زیادہ رونا ہوگا۔)

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جب آٹھ محرم کے دن امام حسینؓ نے اپنے چند اصحاب کو حکم دیا کہ فرات سے پانی لے کر آئیں، تو حضرت علی اکبرؓ کو ان کانگراں بنایا۔

یہ تمام باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ خواجہ نصیر الدین طوسی کی رائے کے برخلاف عاشور کے دن حضرت علی اکبرؓ کی عمر سات سال سے کہیں زیادہ تھی۔ البتہ یہ احتمال بھی دیا جاسکتا ہے کہ خواجہ نصیر الدین طوسی کے کلام میں عشرة (یعنی دس) کا لفظ لکھنے سے رہ گیا ہو اور صحیح عبارت سبعة عشرة (سترہ سال) ہو اور وہ «طریکی» کے نظریے سے متفق ہوں۔ اگرچہ ہمارے خیال میں، اور دیئے گئے شواہد و دلائل کے مطابق، یہ رائے بھی صحیح نہیں۔ لیکن خطاطی اور کتابوں سے قلمی نسخوں کی تیاری کے دوران بعض چیزوں کے اس طرح لکھنے سے رہ جانے کا

قوی امکان پایا جاتا ہے اور ایسا بہت زیادہ ہوتا ہے۔

کیا حضرت علی اکبر صاحبِ اولاد تھے؟

مرحوم عبدالرزاق مقرر اپنے مقتل میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی اکبر کی عمر ۲۷ سال تو تھی ہی اس کے علاوہ ان کے بیوی بچے بھی تھے۔ مرحوم مقرر اپنے اس نظریے کی تائید میں: صَلَّی اللہُ عَلَیْکَ وَ عَلٰی اٰہْلِ بَیْتِکَ وَ عِتْرَتِکَ کو بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ یہ جملہ «کامل الزیارات» میں موجود حضرت علی اکبر کی ایک زیارت سے اخذ کیا گیا ہے جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ عبدالرزاق مقرر یہ احتمال بھی ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت علی اکبر کی کنیت ابوالحسن (حسن کے والد) بھی اسی مناسبت سے تھی کہ ان کا «حسن» نامی ایک فرزند تھا۔

مرحوم مقرر کی تائید کرتے ہوئے راقم مزید اضافہ کرنا چاہتا ہے کہ حضرت علی اکبر کی زیارت کے جس جملے کو مرحوم مقرر نے بطور سند پیش کیا ہے وہ جملہ محض اسی ایک زیارت اور اسی ایک مقام پر نہیں ہے بلکہ متعدد زیارتوں میں اور متعدد مقامات پر درج ہے۔ مثال کے طور پر «کامل الزیارات» ہی کے صفحہ ۲۰۴ اور ۲۳۹ پر بھی یہ جملہ موجود ہے۔

حضرت آیت اللہ العظمیٰ مرعشی نجفی نے کتاب «علی اکبر» پر اپنے مقدمے میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضرت علی اکبر عمر کے لحاظ سے امام سجاد سے بڑے تھے اور اس کی تائید میں ثبوت کے طور پر انہوں نے «ابن ادریس» کا وہ جملہ پیش کیا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ علماء، مورخین اور علم الانساب کے ماہرین کے درمیان سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ صحیح نظریہ یہی ہے کہ حضرت علی اکبر، سید الساجدین سے بڑے تھے اور ان علماء کی رائے حجت ہے کیونکہ وہ اس فن کے متخصص ماہرین (Specialists) ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مندرجہ بالا بحث سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شہادت کے

وقت حضرت علی اکبرؑ کی عمر بیس سال سے زیادہ بلکہ تقریباً ۲۷ سال تھی۔

کیا حضرت علی اکبرؑ کی والدہ کربلا میں موجود تھیں؟

مورخین اور صاحبانِ نظر کے درمیان اس بات پر بھی اختلاف ہے اور اس کے اثبات یا انکار پر کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے۔

مرحوم محدث ثقی فرماتے ہیں: اور آیا آنجناب (حضرت علی اکبرؑ) کی والدہ کربلا میں موجود تھیں یا نہیں؟ ظاہر یہ ہے کہ نہیں تھیں اور معتبر کتابوں میں، میں نے اس بارے میں کوئی چیز نہیں دیکھی۔ (۱)

لیکن ایک مشہور معاصر ادیب، عالم اور مصنف ((مرحوم شیخ محمد سماوی)) یہ بتاتے ہوئے کہ شہدا میں سے ۹ افراد کی مائیں کربلا میں موجود تھیں اور ان کے سامنے ان کے بیٹے میدانِ جنگ کو گئے اور شہید ہوئے، تحریر کرتے ہیں: ان ہی میں سے ایک علی بن حسینؑ ہیں کیونکہ بعض روایات کے مطابق ان کی والدہ لیلیٰ خیمے میں اپنے بیٹے کے لئے دعا کر رہی تھیں اور انہیں جنگ کرتے اور شہید ہوتے دیکھ رہی تھیں۔ (۲)

راقم الحروف کا کہنا یہ ہے کہ مرحوم سماوی نے ان روایات کا کوئی ماخذ پیش نہیں کیا ہے۔ شاید ان کی مراد وہ باتیں ہوں جو اس بارے میں کتاب ((مناقب)) میں درج ہوئی ہیں (۳) یا شاید کچھ اور روایات ان کے علم میں ہوں جن میں ان دوسرے آٹھ شہدا کے نام ہوں جن کی مائیں کربلا میں موجود تھیں۔

اس بحث کو مکمل کرنے کی غرض سے ذیل میں ہم ان آٹھ شہدا کے نام تحریر کر رہے ہیں جن کی مائیں کربلا میں موجود تھیں:

۲- ابصار العین - ص ۱۳۰۔

۱- منتہی الامال۔

۳- مناقب - ج ۴ - ص ۹۹۔

۱- عبداللہ بن حسین (یا علی اصغر) جن کی والدہ کا نام ((رباب)) تھا۔

۲- عون بن عبداللہ بن جعفر ان کی والدہ ((زینب کبریٰ)) تھیں۔ (۱)

۳- قاسم بن حسن مجتبیٰ ان کی والدہ کا نام ((رملہ)) تھا اور وہ بھی کربلا میں موجود تھیں۔

۴- عبداللہ بن حسن مجتبیٰ علیہ السلام ان کی والدہ ((شلیل بن عبداللہ بکلی)) کی صاحبزادی تھیں اور وہ خیموں میں موجود تھیں۔

۵- عبداللہ بن مسلم بن عقیل ان کی والدہ ((رقیہ)) امیر المومنین کی صاحبزادی تھیں اور دیگر خواتین کے ہمراہ کربلا میں موجود تھیں۔

۶- محمد بن ابی سعید بن عقیل ایک کم سن بچہ تھے۔ جب دشمن نے خیموں پر حملہ کیا تو سہم کر خیمے کے ستون سے چٹ گئے۔ لقیط یا ہانی نامی ایک گھڑ سوار نے ان پر حملہ کیا اور وہ اپنی ماں کی آنکھوں کے سامنے شہید ہوئے۔

۷- عمر ابن جنادہ ان کی والدہ بھی کربلا میں موجود تھیں اور انہیں دشمن کے خلاف جنگ کی ترغیب دے رہی تھیں۔ انہیں بھی ان کی والدہ کی آنکھوں کے سامنے شہید کیا گیا۔

۸- مرحوم سید ابن طاؤس کے بیان کے مطابق ایک اور شہید ((عبداللہ کلبی)) ہیں جن کی والدہ اور زوجہ ان کے ہمراہ تھیں اور دشمن کے خلاف ان کی ہمت بڑھاتی تھیں اور انہوں نے انہیں شہید ہوتے دیکھا۔



۱- عبداللہ بن جعفر کے ایک اور فرزند بھی عاشور کے دن شہید ہوئے جن کا نام محمد اور جن کی والدہ کا نام ((خوصاء)) تھا۔

۷۶

آلِ ابی طالب سے فرمایا

«صَبْرًا عَلَى الْمَوْتِ يَا بَنِي عَمُومَتِي صَبْرًا يَا أَهْلَ بَيْتِي

وَاللَّهِ لَا رَأَيْتُمْ هَوَانًا بَعْدَ هَذَا الْيَوْمِ» (۱)

ترجمہ اور تشریح

حضرت علی اکبرؓ کی شہادت کے بعد مسلم ابن عقیلؓ کے کم سن فرزند «عبداللہ» جنگ کیلئے گئے۔ عبداللہ کی والدہ کا نام رقیہ تھا جو امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؓ کی صاحبزادی تھیں۔ عبداللہ نے یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن پر حملہ کیا:

الْيَوْمَ أَلْقَى مُسْلِمًا وَهُوَ أَبِي وَغُصْبَةٌ بَادُوا عَلَى دِينِ النَّبِيِّ

«آج میں اپنے والد مسلم اور ان دلاوروں سے ملاقات کروں گا جو نبی اکرمؐ

کے دین کی راہ میں مارے گئے۔»

عبداللہ نے اسی طرح رجز خوانی کرتے ہوئے تین مرتبہ دشمن پر حملہ کیا اور ہر مرتبہ اسکے

کئی افراد ہلاک کئے۔

لشکرِ کوفہ کے ایک شخص «یزید ابن رقاد» نے عبداللہ کی پیشانی کا نشانہ لے کر ایک تیر

مارا۔ عبداللہ نے بچنے کے لئے اپنا ایک ہاتھ پیشانی پر رکھا لیکن تیر ہاتھ کو چھیدتا ہوا پیشانی میں

۱- تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۳۵۸، مقتل خوارزمی - ج ۲ - ص ۷۸، لہوف - ص ۱۰۱۔

لگا اور ان کا ہاتھ وہیں پیوست ہو گیا۔ وہ اسی عالم میں زمین پر گر پڑے۔ دشمن کے کسی شخص نے ان پر حملہ کیا اور شہید کر دیا۔ «یزید بن رقاد» وہاں پہنچا اور اپنا تیران کی پیشانی سے نکالا لیکن تیر کی نوک پیشانی ہی میں گڑی رہ گئی۔

اس موقع پر چند ہاشمی جوانوں اور آل ابوطالب جیسے عبداللہ ابن جعفر کے بیٹوں محمد اور عون اور محمد بن مسلم نے یکجا ہو کر دشمن پر حملہ کیا۔ جب امامؑ نے ان لوگوں کو دشمن پر عقاب کی مانند حملہ کرتے دیکھا تو انہیں مخاطب کر کے فرمایا:

«صَبْرًا عَلَى الْمَوْتِ يَا بَنِي عُمُومَتِي صَبْرًا..... اے چچا زاد بھائیو

اور اے میرے خاندان والوں، موت کے لئے اتنی بیتابی مت دکھاؤ، خدا کی قسم آج کے بعد کبھی کسی ذلت کا سامنا نہیں کرو گے۔»



۷۷

قاسم ابن حسن کے سرہانے

«بُعْدًا لِقَوْمٍ قَتَلُواكَ وَخَصَمَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيْكَ
جَدُّكَ وَأَبُوكَ عَزَّ وَاللَّهُ عَلَى عَمِّكَ أَنْ تَدْعُوهُ فَلَا
يُجِيبُكَ أَوْ يَجِيبُكَ ثُمَّ لَا يَنْفَعُكَ صَوْتُ وَاللَّهُ كَثُرَ
وَاتِرُهُ وَقَلَّ نَاصِرُهُ..... اَللّٰهُمَّ احْصِهِمْ عَدَدًا وَلَا تُغَادِرْ
مِنْهُمْ أَحَدًا وَلَا تَغْفِرْ لَهُمْ أَبَدًا صَبْرًا يَا أَهْلَ بَيْتِي لَا رَأَيْتُمْ
هَؤُلَاءَ بَعْدَ هَذَا الْيَوْمِ أَبَدًا» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

واتر: وہ جو ناحق مارا گیا ہو اور اس کا قصاص بھی نہیں لیا گیا ہو۔ احصیہم عداداً :
انہیں ایک ایک کر کے گن لئے، کنایہ ہے کہ انہیں اختلاف پریشانی، کمزوری اور زوال میں مبتلا
کردے۔ غادرہ: اسے چھوڑ دیا۔ ہوان: ذلت، خواری۔

۱- تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۳۵۹، تاریخ کامل ابن اثیر - ج ۳ - ص ۲۹۳، طبقات ابن سعد، ارشاد شیخ مفید - ص

۲۳۹، اعلام الوری، مقتل خوارزمی - ج ۲ - ص ۲۷۔

ترجمہ اور تشریح

اہل بیتؑ کے جوانوں میں سے چند کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کے فرزند قاسم ابن حسنؑ جو ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے جنگ کے قصد سے میدان شہادت کو روانہ ہوئے۔ وہ اس عالم میں دشمن کی سمت رواں دواں تھے کہ ان کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا بدن پر (ذرہ کی بجائے) عربی لباس تھا پاؤں میں نعلین تھیں اور ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے تھے۔

قاسم ابن حسن جنگ میں مشغول تھے کہ کچھ دیر بعد ((عمر و ابن سعد)) نامی ایک شخص نے ان پر حملہ کیا اور انہیں زمین پر گرا دیا۔ انہوں نے اپنے چچا امام حسینؑ کو مدد کے لئے پکارا۔ امام حسینؑ جو مسلسل قاسم کو جنگ کرتا دیکھ رہے تھے تیزی سے قاسم کی مدد کے لئے آئے اور جب ان کی نظر قاسم کے خون میں نہائے زخمی جسم پر پڑی تو فرمایا:

«بُعْدًا لِقَوْمٍ قَتَلُوكَ اللہ کی رحمت سے دور رہے وہ قوم جس نے تمہیں قتل کیا۔ قیامت کے دن تمہارے جد امجد اور والد گرامی ان کے مدعی اور مخالف ہوں۔»

پھر فرمایا:

«عَزَّ وَاللّٰهُ عَلٰی عَمِّكَ خدا کی قسم تمہارے چچا کے لئے سخت ناگوار ہے کہ تم مدد کے لئے پکارو اور وہ مدد کو نہ پہنچ سکے یا اس وقت پہنچے جب پھر کوئی فائدہ نہ رہے۔ واللہ آج تمہارے چچا کے دشمن بہت زیادہ ہیں اور اعوان و انصار بہت کم ہیں۔»

((طبری)) لکھتا ہے: امام حسین علیہ السلام قاسم کا جنازہ لے کر خیموں کی طرف آئے اور شہدا کے خیمے میں اپنے فرزند علی اکبرؑ کے جنازے کے ساتھ اسے رکھا اور پھر اہل کوفہ کو ان الفاظ میں بدو عادی:

«اللَّهُمَّ أَحْصِهِمْ عَدْدًا بارِ الہا! ان میں سے ہر ایک کو اپنے
عذاب میں مبتلا کرنا، کسی کو بھی نہ چھوڑنا اور ہر گزان کی مغفرت نہ فرمانا۔»



۷۸

شیرخوار بچے کی شہادت کے موقع پر

«هَلْ مِنْ ذَابٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُولِ اللَّهِ، هَلْ مِنْ مُوَحِّدٍ
يَخَافُ اللَّهَ فِينَا، هَلْ مِنْ مُغِيثٍ يَرْجُو اللَّهَ فِي إِغَاثَتِنَا هَلْ
مِنْ مُعِينٍ يَرْجُو مَا عِنْدَ اللَّهِ فِي إِعَانَتِنَا» (۱)
رَبِّ إِنْ تَكُ حَبَسْتَ عَنَّا النَّصْرَ مِنَ السَّمَاءِ فَاجْعَلْ
ذَلِكَ لِمَا هُوَ خَيْرٌ وَانْتَقِمْ لَنَا وَاجْعَلْ مَا حَلَّ بِنَا فِي
الْعَاجِلِ ذَخِيرَةً لَنَا فِي الْآجِلِ (۲) هَوْنٌ عَلَى مَا
نَزَلَ بِى أَنَّهُ بِعَيْنِ اللَّهِ» (۳)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

ذَبَّ : دفاع کرنا۔ مُغِيثٌ : مدد کرنے والا۔ عَاجِلٌ : دنیا۔ آجِلٌ : آخرت۔ هَوْنٌ :
سہل و آسان۔ بِعَيْنِ اللَّهِ : اللہ کی آنکھ اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ اور التفات کے لئے کنایہ ہے۔

۱۔ مقتل خوارزمی - ج ۲ - ص ۳۲۔

۲۔ تاریخ طبری - ج ۷ - ص ۳۶۰، طبقات ابن سعد، ارشاد مفید۔

۳۔ لہوف - ص ۱۰۳۔

ترجمہ اور تشریح

«طبری» نے «عقبہ ابن بشیر اسدی» سے نقل کیا ہے کہ ایک دن میں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امام نے گفتگو کے دوران مجھ سے فرمایا: اے عقبہ، ہم خاندان اہل بیت کا ایک خون تمہارے قبیلے بنی اسد کی گردن پر ہے۔ پھر امام نے اس کی تفصیل میں فرمایا: عاشور کے دن میرے جد حسین ابن علیؑ کے ایک شیرخوار بچے کو ان کی گود میں دیا گیا۔ اس موقع پر جبکہ بچہ ان کی آغوش میں تھا، تمہارے قبیلے (بنی اسد) کے ایک شخص نے تیر مار کے اس بچے کا گلا چھید ڈالا۔ حسین ابن علیؑ نے بچے کا خون اپنے چلو میں لے کر فضا میں اچھال دیا اور اسکے بعد اللہ کے حضور عرض کیا:

«رَبِّ اِنْ تَكُ حَبَسْتَ عَنَّا النَّصْرَ..... اے پروردگار! اگر اس دنیا

میں ہم سے کامیابی روک لی گئی ہے تو اُس (آخرت کی) دنیا میں اس کامیابی

سے بڑھ کر ہمیں عنایت فرما اور ان خونخوار لوگوں سے ہمارا انتقام لے۔»

«خوارزمی» نے اپنے مقتل میں بغیر کسی سند کے یہی واقعہ زیادہ تفصیل سے اس طرح

بیان کیا ہے: حسین ابن علیؑ کے تمام اصحاب و انصار کے مارے جانے کے بعد جب ان کے

خیموں میں عورتوں، بچوں اور سید سجاد کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا تو امام نے استغاثہ بلند کیا:

«هَلْ مِنْ ذَابٍ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُولِ اللَّهِ..... کیا کوئی ہے جو حرم

پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دفاع کرے؟ کیا کوئی توحید پرست ہے جو

ہمارے معاملے میں خدا سے ڈرے؟ کیا کوئی مدد کرنے والا ہے جو رضائے

الہی کے لئے ہماری مدد کو آئے؟ کیا کوئی ناصر و مددگار ہے جو خدا سے جزا و

ثواب کی امید پر ہماری مدد و نصرت کرے؟»

«خوارزمی» کہتے ہیں: امام علیہ السلام کی ندائے استغاثہ سن کر خیموں سے عورتوں اور

بچوں کی گریہ وزاری کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ امام پلٹ کر خیموں کی طرف تشریف لائے اور فرمایا: میرے بیٹے علی کو لاؤ تاکہ اس سے بھی وداع ہولوں۔ وہ بچہ ابھی امام کی گود ہی میں تھا کہ ((حملہ)) نے تیر مار کرا سے شہید کر دیا۔ امام نے اس کا خون اپنے ہاتھ میں لیا اور آسمان کی طرف اچھال کر فرمایا:

((لہوف)) میں تحریر ہے کہ: امام علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا خون آسمان کی طرف پھینکنے کے بعد یہ بھی فرمایا:

«هُوَ عَلَىٰ مَا نَزَلَ بِهِ إِنَّهُ بِعَيْنِ اللَّهِ»

((یہ مصیبت بھی میرے لئے آسان ہے کیونکہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔))

حضرت علی اصغرؑ کے علاوہ چار اور نابالغ بچے امام علیہ السلام کے ہمراہ کربلا میں شہید ہوئے جن کی شہادت کے بارے میں علیحدہ سے یا ضمنی طور پر اسی کتاب میں تذکرہ ہوا ہے:

- ۱- قاسم بن حسن مجتبیٰ: جن کی شہادت کی تفصیلات گزشتہ صفحات میں بیان ہوئیں۔
- ۲- عبداللہ بن حسن مجتبیٰ: جن کی شہادت کا احوال آئندہ صفحات میں بیان ہوگا۔
- ۳- محمد ابن ابی سعید: جن کی شہادت کا احوال حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے۔

۴- عمر ابن جنادہ: جن کی شہادت اور ان کے بارے میں امام علیہ السلام کے الفاظ گزشتہ صفحات میں علیحدہ سے بیان ہو چکے ہیں۔



حضرت ابو الفضل العباسؑ کی شہادت

..... أَنْتَ صَاحِبُ لَوَائِي (۱)

وَخَالَفْتُمُوَا فِينَا النَّبِيَّ مُحَمَّدًا	تَعَدَّيْتُمْ يَا شَرَّ قَوْمٍ بِيَغْيِكُمْ
أَمَّا كَانَ خَيْرُ الْخَلْقِ أَوْ صَاكُمُ بِنَا	أَمَّا كَانَ خَيْرُ الْخَلْقِ أَوْ صَاكُمُ بِنَا
عَلَى أَخَا خَيْرِ الْأَنَامِ مُسَدَّدًا	أَمَّا كَانَتْ الزَّهْرَاءُ أُمِّي وَوَالِدِي
سَتُصَلُّونَ نَارًا حَرُّهَا قَدْ تَوَقَّدَا (۲)	لُعْنَتُمْ وَأُخْزِيتُمْ بِمَا قَدْ جَنَيْتُمْ

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مُسَدَّد: ہدایت یافتہ ہونا، آگاہ، بصیرت۔ صلی: کھینچا جانا۔ تَوَقَّد: بھڑک جانا۔

ترجمہ اور تشریح

عاشور کے دن، حضرت ابو الفضل العباسؑ بار بار امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر جنگ کی اجازت طلب کرتے۔ لیکن ان کی شجاعت و دلاوری کے پیش نظر اور اس بنا پر کہ آپؑ لشکر حق کے علمدار تھے امامؑ انہیں میدان میں جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور ہر مرتبہ انہیں روکتے اور ان سے فرماتے تھے: أَنْتَ صَاحِبُ لَوَائِي (آپ میرے پرچم

دار ہیں) اور آپ کی شہادت لشکرِ حق کی ہزیمت و شکست اور لشکرِ شیطان کی کامیابی تصور کی جائے گی۔

جب حسین ابن علیؑ کے تمام اصحاب شہید ہو گئے اور ایک بار پھر حضرت ابو الفضل العباسؑ اذن طلب کرنے کے لئے تشریف لائے تو امامؑ نے انہیں اجازت دے دی۔ حضرت ابو الفضل العباسؑ نے جنگ کرتے ہوئے مختلف موقعوں پر کچھ اشعار پڑھے جو ان کے ایمان، عقیدے اور اعلیٰ مقاصد کے ترجمان ہیں۔ ان اشعار میں سے کچھ آپؑ نے اس وقت پڑھے جب دشمن کے روبرو مقابلے کے لئے کھڑے تھے، بعض اشعار اس وقت کے ہیں جب شدید جنگ کے بعد اور پیاس کے عالم میں آپؑ پانی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور کچھ اس وقت کے ہیں جب دشمن نے آپؑ کا سیدھا ہاتھ قلم کیا۔

«البصار العین» میں تحریر ہے: عباس ابن علیؑ نے جب دیکھا کہ بار بار اجازت طلب کرنے کے باوجود ان کے بھائی اجازت نہیں دے رہے تو فرمایا: لَقَدْ ضَاقَ صَدْرِي وَ نَسَمْتُ الْحَيَوٰةَ (اب میرا دل تنگ ہو چکا ہے اور میں زندگی سے اکتا گیا ہوں۔)

امام حسینؑ نے فرمایا: اب جبکہ آپؑ نے جانے کا ارادہ کر لیا ہے تو کوشش کر کے کچھ پانی کی سبیل کیجئے۔ عباسؑ میدانِ جنگ میں گئے اور دشمن کی صفوں کو تہس نہس کرنے کے بعد فرات میں داخل ہوئے۔ جب مشک بھری تو چاہا کہ پانی پی لیں۔ چلو میں پانی لیا، اپنے خشک ہونٹوں تک لائے لیکن پھر فوراً ہی پانی پھینک دیا اور اپنے آپ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يَا نَفْسُ مِنْ بَعْدِ الْحُسَيْنِ هُونِي وَ بَعْدَهُ لَا كُنْتَ أَنْ تَكُونِي

هَذَا الْحُسَيْنُ وَارِ الدَّمَنُونِ وَ تَشْرِيبُنْ بَارِدَ الْمَعِينِ

تَا لَلّٰہِ مَا هَذَا فَعَالٌ دِینِی (۱)

«اے نفس! اگر حسین نہ ہوں تو ذلت اور تباہی تیرا مقدر ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ان کے بعد زندہ رہوں۔ حسین تو میدانِ جنگ میں ہیں اور تو ٹھنڈا پانی پینا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم میرا دین اس بات کی اجازت نہیں رہتا۔»

پھر جب مشک بھر کر خیمے کی سمت واپس تشریف لانے لگے اور اپنے مقابلے میں دشمن کے جمع غنیمت کو دیکھا تو یہ رجز پڑھا:

لَا أَرْهَبُ الْمَوْتَ إِذَا الْمَوْتُ رَقَا حَتَّى أُوَارِيَ فِي الْمَصَالِيتِ لَقَى
نَفْسِي لِسَبْطِ الْمُصْطَفَى الطُّهْرِ وَقَى إِنِّي أَنَا الْعَبَّاسُ اغْدُو بِالسَّقَا
وَلَا اخَافُ الشَّرَّ يَوْمَ الْمُلتَقَى

«موت کی چنگھاڑ سننے کے باوجود میں موت سے نہیں ڈرتا، یہاں تک کہ میرا جسم میدانِ جنگ میں تلواروں کے درمیان چھپ جائے۔ میری جان مصطفیٰ کے پاکیزہ بیٹے پر قربان ہو، میں عباس ہوں اور یہ مشک خیمے تک لے کر جاؤں گا۔ اور دورانِ جنگ مجھے کوئی خوف طاری نہیں ہوتا۔»

اس موقع پر جبکہ ابو الفضل العباس کی انتہائی آرزو یہ تھی کہ پانی کسی بھی طرح خیمہ گاہ تک پہنچا دیں، دشمن کے «زید بن رقاد» نامی ایک شخص نے جو کھجور کے ایک درخت کی آٹ لے بیٹھا تھا، اچانک ایک بزدلانہ حملہ کر کے آپ کا دایاں بازو قلم کر دیا۔ حیدر کراڑ کے بیٹے نے اپنا سیدھا ہاتھ کٹ جانے کے باوجود اپنے اہداف و مقاصد کو دوولولہ انگیز اشعار میں یوں بیان کیا:

وَاللّٰهُ اِنْ قَطَعْتُمْ يَمِيْنِي اِنِّيْ اُحَامِيْ اَبَدًا عَنْ دِيْنِيْ
وَعَنْ اِمَامٍ صَادِقٍ يَّقِيْنٍ نَجَلِ النَّبِيِّ الطَّاهِرِ الْاَمِيْنِ

«خدا کی قسم اگرچہ تم نے میرا دایاں بازو قلم کر دیا ہے لیکن میں ہمیشہ اپنے دین کا دفاع کرتا رہوں گا۔ اور اپنے امام کا دفاع کروں گا جو اپنے ایمان میں سچے ہیں اور پاک و پاکیزہ اور صادق و امین نبی کے فرزند ہیں۔»

آپؐ اپنے بازو کے کٹنے کی پروا کئے بغیر خیموں کی جانب بڑھتے رہے۔ اسی اثنا میں ((حکیم بن طفیل)) نامی ایک اور دشمن نے زید بن رقادہ ہی کی طرح پستی اور بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی کمیں گاہ سے نکل کر حملہ کیا؛ جس سے حضرت عباسؓ کا بایاں بازو بھی جدا ہو گیا۔ اسی دوران دشمن کی طرف سے آپؐ پر تیروں کی بارش بھی ہو رہی تھی۔ انہی میں سے ایک تیر مشک پر اور ایک اور تیر حضرت عباسؓ کے سینے پر لگا؛ جس کے نتیجے میں ان کے لئے آگے بڑھنا محال ہو گیا۔ اس حالت میں دشمن کے ایک شخص نے موقع پا کر نزدیک سے فولادی گرز حضرت عباسؓ کے سر پر مارا جس سے آپؐ کا سر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور آپؐ نے زمین پر گرتے ہوئے صدا دی: عَلَیْكَ مَبْنِی السَّلَامُ یَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ (۱)۔ اپنے بھائی کی آواز سن کر امام عالی مقام ان کے سر ہانے تشریف لائے اور وہیں ان کے غم میں اہل کوفہ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ چار اشعار پڑھے:

تَعْدَيْتُمْ یَا شَرَّ قَوْمٍ بَغِیْكُمْ	وَ خَالَفْتُمْوَا فِیْنَا النَّبِیَّ مُحَمَّدًا
أَمَّا كَانَ خَیْرُ الْخَلْقِ أَوْ صَاكُمُ بِنَا	أَمَّا كَانَ جَدِی خَیْرَةَ اللَّهِ أَحْمَدَا
أَمَّا كَانَتْ الزَّهْرَاءُ أُمِّی وَوَالِدِی	عَلِیُّ أَخَا خَیْرِ الْأَنَامِ مُسَدَّدَا
لُعْنَتُمْ وَ أَخْزِیْتُمْ بِمَا قَدْ جَنِیْتُمْ	سُتْصَلُّونَ نَارًا حَرُّهَا قَدْ تَوَقَّدَا

۱۔ مرحوم مقرر نے اپنے مقتل کے صفحہ ۳۲۶ پر تحریر کیا ہے کہ میں نے ایک فاضل عالم ((شیخ کاظم سبکی)) سے سنا کہ انہوں نے فرمایا: ایک دن معتبر علما میں سے ایک عالم میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے کہا کہ میں حضرت عباسؓ کی طرف سے آپؐ کے لئے ایک پیغام لایا ہوں۔ میں نے حضرت عباسؓ کو خواب میں دیکھا اور محسوس کیا کہ شاید وہ آپؐ سے ناراض ہیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ کیوں شیخ کاظم میرے مصائب کا ذکر نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا: میرے مولا! میں نے کئی مرتبہ آپؐ کے مصائب ان کی زبان سے سنے ہیں۔ فرمایا: یوں نہیں، ان سے کہو کہ میرے یہ مصائب پڑھیں کہ جب کوئی شخص گھوڑے سے زمین پر گرتا ہے تو اپنے ہاتھوں سے اپنے جسم کی حفاظت کی کوشش کرتا ہے لیکن ایک ایسا شخص جس کے سینے میں تیر لگے ہوں اور جس کے ہاتھ بھی کٹے ہوئے ہوں وہ کس طرح اپنے جسم کی حفاظت کر سکتا ہے۔

»اے بدترین لوگو! تم نے ظلم و ستم کی حد کر دی اور ہم اہل بیت کے بارے میں محمد رسول اللہ کے احکام کی مخالفت کی۔ کیا نبی اکرمؐ نے جو اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہیں، تمہیں ہمارے بارے میں ہدایت نہیں دی تھی؟ کیا میرے نانا کو اللہ نے رسالت کے لئے منتخب نہیں کیا تھا؟ کیا سیدہ زہرا میری والدہ ماجدہ نہیں تھیں؟ اور خیر الانام رسول اللہ کے بھائی علیؑ میرے والد نہیں تھے؟ اس ظلم و ستم کی وجہ سے جس کے تم مرتکب ہوئے ہو، تمہیں لعنت اور ذلت کا سامنا کرنا ہوگا اور جلد ہی ایسی آگ کی طرف لے جائے جاؤ گے جس کی حدت بہت شدید ہے۔«

بعض مقاتل جیسے »مقتلِ طریکی« میں حضرت عباسؑ کی شہادت کے موقع پر امام حسینؑ کے متعدد جملات و کلمات اور خود حضرت عباسؑ کے بکثرت اشعار نقل ہوئے ہیں لیکن کیونکہ ہم نے انہیں معتبر کتابوں میں نہیں دیکھا، لہذا انہیں بیان کرنے سے گریز کیا ہے۔

لیکن یہاں نقل ہونے والے یہی چند اشعار اور مختصر نمونے حضرت عباسؑ کے افکار، اہداف و مقاصد ان کے ایمان، عقیدے اور معنوی اور روحانی مقام کو بیان کرنے کے لئے کافی ہیں۔ عباس ابن علیؑ شدید پیاس کے باوجود پانی چلو میں اٹھا کر پھینک دیتے ہیں اور کہتے ہیں: تَاللّٰهِ مَا هَذَا فِعَالٌ دِیْنِی..... (خدا کی قسم میرا دین اس طرزِ عمل کی اجازت نہیں دیتا)۔ اور گھمسان کی جنگ کے دوران دشمن کی تلواروں اور نیزوں کی بوچھاڑ کے مقابل فرماتے ہیں: نَفْسِی لِسَبْطِ الْمُصْطَفٰی الطُّهْرِ وَ قِی (میری جان، فرزند رسولؐ پر فدا ہو۔)

جب اپنے کٹے ہوئے بازو کو دیکھتے ہیں تو فرماتے ہیں: اِنِّیْ اُحَامِیْ اَبَدًا عَنْ

دِیْنِی (میں ہمیشہ اپنے دین کا دفاع کرتا رہوں گا اگرچہ میرا بازو تن سے جدا ہو چکا ہے۔)

اسی طرح امام حسینؑ اپنے اس با وفا اور محبوب بھائی کے ٹکڑے ٹکڑے اور خون میں

نہائے ہوئے بدن کے نزدیک بیٹھ کر دشمن کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لُعِنْتُمْ وَ أُخْزِيتُمْ بِمَا قَدْ جَنَيْتُمْ سَتُصْلَوْنَ نَاراً حَرُّهَا قَدْ تَوَقَّدَا

» اس ظلم و ستم کی وجہ سے تمہیں لعنت اور ذلت کا سامنا کرنا ہوگا اور جلد ہی ایسی

آگ کی طرف لے جائے جاؤ گے جس کی حرارت بہت زیادہ ہے۔«

حضرت ابوالفضل العباسؑ معصومینؑ کی نظر میں

حضرت عباسؑ کے متعلق حسین ابن علیؑ کے فرمودات کے بیان اور ان کی تشریح کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباسؑ کی شخصیت کے بارے میں معصومینؑ اور ائمہ اطہارؑ کے خیالات قارئین کی نذر کریں۔ تاکہ حضرت عباسؑ کی شخصیت سے مزید واقفیت حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کا اندازہ بھی ہو جائے کہ ان کی شجاعت اور بہادری عام پہلوانوں اور شہ زوروں کی سی نہ تھی بلکہ ان کی شجاعت معنوی پہلو کی حامل تھی اور ان کی روحانی شخصیت اس کا سبب تھی۔

بچپن میں حضرت عباسؑ کی بلند معرفت

والدین کی تربیت اور گھر کا ماحول کسی بھی انسان کی شخصیت کی تشکیل میں انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ حضرت عباسؑ کی شخصیت بھی اس عمومی قانون سے مستثنا نہیں۔ آپؑ ام البنین جیسی ماں کی گود میں پروان چڑھنے، امیر المومنینؑ جیسے باپ سے اخلاقی اصول اور معنوی صفات اخذ کرنے اور حسن و حسینؑ جیسے بھائیوں اور زینبؑ و ام کلثومؑ جیسی بہنوں کے ساتھ بچپن گزارنے کے نتیجے میں نہ صرف ابوالفضل (فضیلت والے) بلکہ یقیناً ابوالفضائل (بہت سی فضیلتوں والے) ہی بنتے۔ لیکن حضرت عباسؑ کے بچپن کا جائزہ اور ان کے بارے میں ائمہ اطہارؑ کی تعریف و تجمید سے بخوبی واضح ہے کہ ان کی اخلاقی صفات اور کمالات علمی مقام اور تقویٰ، عبادت اور عرفان اور فداکاری اور جانثاری فقط اکتسابی نہ تھیں، جو تربیت کا ماحول وجود

میں لاسکتا ہے بلکہ ان میں سے کئی صفات ایسی تھیں جو ان کی ذاتی صفات اور سرشت کا حصہ تھیں جنہیں انہوں نے اپنے والد گرامی سے وراثت میں پایا تھا۔

اس بات کی وضاحت کے لئے ہم وہ روایت بیان کریں گے جو «مستدرک الوسائل» اور «مقتل خوارزمی» میں درج ہے۔ ان دونوں کتب میں نقل ہوا ہے کہ: بچپن میں ایک دن حضرت عباسؓ اپنے والد گرامی امیر المومنین علی ابن ابی طالبؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ امامؓ نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے چاہا کہ بچوں کی سی زبان میں ان سے بات کریں۔ لہذا کہا: بیٹا! کہو! ایک۔ حضرت ابوالفضلؓ نے کہا: ایک۔ حضرتؓ نے فرمایا: کہو! دو۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا: پدر گرامی! جس زبان سے میں نے ایک کہا ہے اسی سے دو کہتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے۔ امیر المومنینؓ نے جب اپنے ننھے اور عزیز فرزند سے یہ سنا تو خوشی سے انہیں سینے سے لگالیا اور ان کے بوسے لینے لگے۔ (۱)

فکر کی یہ وسعت کہ چونکہ وحدانیت صرف زمین و آسمان کے خالق اللہ رب العزت کے لئے مخصوص ہے لہذا امامت و ولایت کے تربیت یافتہ عباسؓ کی زبان سے ایسا کوئی کلمہ جاری نہ ہو جس سے خداوند متعال منزہ و مبراہ ہے۔ جی ہاں، بچپن ہی سے فکر کی یہ بلند پروازی جس تک رسائی ان کے ہم عمر بچوں کے لئے تو ناممکن ہے ہی، اکثر سن رسیدہ لوگ بھی اس

۱- مستدرک الوسائل - ج ۲ - ص ۶۳۵ اور ج ۳ - ص ۸۱۵، مقتل خوارزمی - ج ۱ - ص ۱۲۲ - مستدرک کی روایت کا مضمون یہ ہے: لما كان العباس و زينب ولدي علي (عليه السلام) صغيرين قال علي (عليه السلام) للعباس: قل واحد، فقال: واحد، فقال: قل اثنان، قال: استحيى ان اقول باللسان الذي قلت واحد، اثنان، فقيل علي (عليه السلام) عينيه ثم التفت الى زينب و كانت علي يساره و العباس عن يمينه فقالت يا ابتاه اتحبنا قال: نعم يا بني اولادنا اكبادنا. فقالت يا ابتاه حبان لا يجتمعان في قلب المومن حب الله و حب الاولاد و ان كان لا بد فالشفقة لنا و الحب لله خالصاً فازداد علي (عليه السلام) بهما حباً.....

درجے تک نہیں پہنچ پاتے اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت عباسؓ کی یہ معنویت اور ان کا یہ عرفان و معرفت محض اکتسابی اور تحصیل نہیں بلکہ جبلی اور ذاتی ہے جو موروثی طور پر ان کے والد کے ذریعے ان میں منتقل ہوا ہے۔ وہ والد جنہوں نے کہا تھا کہ: لَوْ كُشِفَ الْغَطَا مَا اَزْدَدْتُ يَقِيْنًا (اگر پردے اٹھادیے جائیں تب بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔) اس تمہیدی گفتگو کے بعد ہم حضرت عباسؓ کے بارے میں صرف تین معصومین کے بیانات یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

۱۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا بیان:

امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت ابو الفضل العباسؓ کے بارے میں فرماتے ہیں:

«كَانَ عَمَّنَا الْعَبَّاسُ ابْنُ عَلِيٍّ (عليهما السلام) نَافِذَ الْبَصِيْرَةِ صَلْبِ الْاِيْمَانِ جَاهِدَ مَعَ اَخِيهِ الْحُسَيْنِ (عليه السلام) وَ اَبْلَىٰ بَلَاءً حَسَنًا وَ مَضَىٰ شَهِيدًا.» (۱)

«(ہمارے چچا عباسؓ با بصیرت اور مضبوط اور پختہ ایمان کے مالک تھے انہوں نے اپنے بھائی حسینؓ کے ساتھ رہ کر جہاد کیا اور آزمائش میں بہترین طریقے سے پورے اترے اور شہادت کے ذریعے عالم آخرت میں منتقل ہوئے۔)»

اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابو حمزہ ثمالی (۲) کو جس زیارت کی تعلیم دی اس میں استعمال ہونے والے اعلیٰ و بلند مفاہیم پر مشتمل خوبصورت و دلنشین جملے حضرت عباسؓ کے کامل اخلاص، ان کی روحانی عظمت اور انبیاء و اولیاء کے اہداف و مقاصد کی راہ میں ان کی جانثاری کے ترجمان ہیں۔ نمونے کے طور پر چند جملے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ تنقیح المقال۔

۲۔ ((ابو حمزہ ثمالی)) تاریخ اسلام کی ایک انتہائی اہم شخصیت ہیں۔ وہ امام زین العابدینؓ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

«وَأَشْهَدُوا أَنَّكَ قَدْ بَالِغْتَ فِي النَّصِيحَةِ وَأَعْطَيْتَ غَايَةَ
الْمَجْهُودِ أَشْهَدُ أَنَّكَ لَمْ تَهِنْ وَلَمْ تَنْكَل وَأَنَّكَ
مَضَيْتَ عَلَى بَصِيرَةٍ مِنْ أَمْرِكَ مُقْتَدِيًا بِالصَّالِحِينَ وَامْتَبِعًا
لِلنَّبِيِّينَ.» (۱)

»میں گواہی دیتا ہوں کہ وعظ و نصیحت کے لئے آپ اپنی انتہائی کوششیں
بروئے کار لائے..... میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کبھی کسی قسم کی بزدلی، سستی
اور خوف کا شکار نہیں ہوئے اور آپ نے مکمل بصیرت اور آگہی کے ساتھ
صالحین اور انبیاء کی پیروی میں شہادت کا راستہ اختیار کیا۔»

۲- امام زین العابدین علیہ السلام کا بیان:

«عَنْ الثَّمَالِيِّ قَالَ نَظَرَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ سَيِّدَ الْعَابِدِينَ إِلَى
عَبِيدِ اللَّهِ ابْنِ الْعَبَّاسِ ابْنِ عَلِيٍّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ فَاسْتَعْبَرَ ثُمَّ قَالَ مَا
مِنْ يَوْمٍ أَشَدَّ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ مِنْ يَوْمٍ أُحْدِثَ قَتْلُ فِيهِ عَمَّةٌ حَمَزَةُ بْنُ
عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اسْدَ اللَّهُ وَاسْدَ رَسُولُهُ وَبَعْدَهُ يَوْمَ مَوْتِهِ قَتْلُ فِيهِ
ابْنِ عَمَّةٍ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ . ثُمَّ قَالَ وَ لَا كَيَوْمِ الْحُسَيْنِ إِذْ
دَلَفَ اللَّهُ ثَلَاثُونَ أَلْفَ رَجُلٍ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ كُلِّهَا
يَتَقَرَّبُ إِلَى اللَّهِ عِزُّ وَ جَلُّ بَدَمِهِ وَ هُوَ بِاللَّهِ يَذْكُرُهُمْ فَلَا يَتَعَذَّبُونَ
حَتَّى قَتَلُوهُ بَغْيًا وَ ظُلْمًا وَ عَدْوَانًا .

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں سے ہیں اور ان کے بارے میں
امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ ابو حمزہ اپنے زمانے میں اسی طرح تھے جیسے اپنے دور میں سلمان فارسی تھے۔
۱- کامل الزیارات از ابن قولویہ (وفات ۱۳۶۷ھ) تصحیح و حاشیہ از مرحوم علامہ امینیؒ - ص ۲۵۷۔

ثم قال رحم الله العباس فلقد آثروا بلى و فدا اخاه بنفسه حتى
 قطعت يداه فابدله الله عز و جل بهما جناحين يطير بهما مع
 الملائكة فى الجنة كما جعل لجعفر ابن ابى طالب و ان
 للعباس عند الله تبارك و تعالى منزلة يغبطه بها جميع
 الشهداء يوم القيامة. (۱)

» ابو حمزہ ثمالی فرماتے ہیں: ایک دن علی ابن الحسینؑ کی نگاہ حضرت عباسؑ کے
 بیٹے عبید اللہ ابن عباس پر پڑی تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور
 فرمایا: جنگ احد اور جنگ موتہ کے دن نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی
 حیات کے انتہائی سخت ایام میں شمار کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ جنگ احد میں ان
 کے چچا حمزہ اور جنگ موتہ میں ان کے چچا زاد بھائی جعفر طیار شہید ہوئے۔
 لیکن عاشور کا دن ان دنوں سے بھی زیادہ سخت تھا۔ کیونکہ اس دن تیس ہزار
 دشمنوں نے حسین ابن علیؑ کو اپنے محاصرے میں لیا ہوا تھا اور یہ سب کے سب
 اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہوئے فرزند رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خون
 بہا کر اللہ کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنا چاہتے تھے۔ حسین ابن علیؑ نے انہیں
 جتنی بھی نصیحتیں کیں، سب بے سود رہیں، یہاں تک کہ ظلم و ستم کرتے ہوئے ان
 لوگوں نے انہیں شہید کر دیا۔

پھر (امام سجادؑ نے) فرمایا: خدا میرے چچا عباس پر رحمت کرے کہ اس دن
 سخت ترین امتحان میں سرخرو ہوئے۔ ایسا ایثار کیا کہ اپنی جان اپنے بھائی پر
 قربان کر دی، یہاں تک کہ ان کے دونوں بازو قلم ہو گئے۔ خداوند تعالیٰ نے

ان دو بازوؤں کی جگہ انہیں دو پر عنایت کئے ہیں جن کے ذریعے وہ جعفر طیار کی طرح فرشتوں کے ہمراہ بہشت بریں میں پرواز کرتے ہیں۔
 (امام سجاد نے مزید فرمایا:) اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت عباس کا مقام اتنا اعلیٰ و ارفع ہے کہ قیامت کے دن تمام شہدا ان کے اس مقام پر رشک کریں گے اور اسکے حصول کے آرزو مند ہوں گے۔»

۳- امام حسین ابن علی کا بیان:

اگر ان الفاظ پر توجہ مرکوز کریں جو امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمائے ہیں اور اس جملے پر غور کریں جو انہوں نے حضرت عباسؓ کے لئے استعمال کیا ہے تو حضرت عباسؓ کی عظمت اور ان کی بلند مرتبہ شخصیت مزید واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔
 محرم کی نو تاریخ کو جب لشکر کوفہ نے امام علیہ السلام کے خیموں کی طرف بڑھنا شروع کیا (۱) تو امامؑ نے اپنے بھائی کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

«ارْكَبْ بِنَفْسِي اَنْتَ يَا اَخِي حَتَّى تَلْقَاهُمْ وَ تَسْأَلُهُمْ عَمَّا جَاءَهُمْ.»

«میری جان آپ پر قربان ہواے بھائی! سوار ہو کر جائیے اور ان سے ملاقات کر کے پوچھئے کہ وہ اس طرف کیوں بڑھ رہے ہیں؟»

اس جملے کے مفہوم پر غور و فکر کرتے ہوئے انسان حیرت اور تعجب میں ڈوب جاتا ہے اور فکر انسانی اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہے کہ حضرت عباسؓ کو وہ کونسا مقام اور مرتبہ حاصل ہے کہ امام معصوم اور علت کائنات خود کو ان پر فدا کر رہا ہے؟ اور وہ کیا معنویت اور منزلت ہے کہ بشریت کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز شخصیت اور وہ ہستی جس کے لئے ہم کہتے ہیں کہ بِكُم

فَتَحَ اللَّهُ وَبِكُمْ يَخْتِمُ (۱) وہ حضرت عباس کیلئے اپنی جان فدا کرنے کو کہہ کر انہیں یہ سند افتخار عطا کر رہی ہے۔ (۲)

بہتر یہی ہے کہ ہم اس کے درک و شعور اور اس کی تاویل کو خود انہی کے لئے اٹھا چھوڑیں کیونکہ انہوں نے خود فرمایا ہے کہ: إِنَّ كَلَامُنَا صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ (ہمارا کلام مشکل ہے اور اسے سمجھنا مزید مشکل۔)

بحث کو مکمل کرنے کی غرض سے یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب دکھائی دیتا ہے کہ عاشور گئے دن امام حسینؑ اور حضرت ابو الفضل العباسؑ کے علاوہ امیر المومنین علیؑ علیہ السلام کے چار اور فرزند بھی درجہ شہادت پر فائز ہوئے تھے۔ اس طرح یوں مجموعی طور پر حضرت امیرؑ کے کل چھ بیٹے اس دن شہید ہوئے۔ امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ کے علاوہ اس روز شہید ہونے والے امیر المومنینؑ کے مزید چار فرزند درج ذیل ہیں۔

۱- عبد اللہ ابن علیؑ: شہادت کے وقت ان کی عمر ۲۵ سال تھی اور یہ حضرت عباسؑ سے تقریباً ۹ سال چھوٹے تھے۔

۲- عثمان ابن علیؑ: شہادت کے وقت ان کی عمر ۲۳ سال تھی۔

۳- جعفر ابن علیؑ: ان کی عمر ۲۱ سال تھی۔ ان تین شہدا اور حضرت عباسؑ کی والدہ کا نام فاطمہ ام البنین تھا۔

۱- زیارت جامعہ کے فقرات۔

۲- ممکن ہے کہ قارئین محترم یہ خیال کریں کہ ائمہ اطہارؑ کی جانب سے منقول زیارت میں تمام شہدا کے لئے بابی انت و امی کا جملہ استعمال ہوا ہے لہذا یہاں حضرت عباسؑ کو امام حسینؑ کا اس طرح مخاطب کرنا غیر معمولی بات نہیں۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس زیارت میں خود امامؑ نے شہدا کو مخاطب نہیں کیا ہے بلکہ امام صادق علیہ السلام نے یہ زیارت اپنے ایک صحابی صفوان کو سکھائی تھی کہ وہ شہدا کی زیارت اس طرح کریں۔ اس زیارت کی تفصیلات ((شیخ طوسی)) کی ((مصابح المہجد)) صفحہ ۶۶۰ پر آئی ہیں۔

۴- محمد ابن علی: ان کی والدہ کا نام »لیلیٰ« تھا اور وہ »مسعود ابن خالد« کی صاحبزادی تھیں۔
شہادت کے وقت محمد کی عمر کتنی تھی؟ اس بارے میں ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہے۔
تاریخ کی کتابوں کے علاوہ »زیارتِ ناحیہ« میں ان چاروں شہدا کا ذکر انتہائی عزت و
احترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ نیز ہر ایک کے قاتل کا نام لے کر اسے لعن کی گئی ہے۔



۸۰

عبداللہ بن حسنؑ کی شہادت کے موقع پر

«يَا ابْنَ أَخِي اصْبِرْ عَلَى مَا نَزَلَ بِكَ فَإِنَّ اللَّهَ يُلْحَقُكَ
عَلَى آبَائِكَ الطَّاهِرِينَ الصَّالِحِينَ بِرَسُولِ اللَّهِ وَعَلَى
وَحْمَزَةٍ وَجَعْفَرٍ وَالْحَسَنِ.....»

اَللّٰهُمَّ اَمْسِكْ عَنْهُمْ قَطَرَ السَّمَاءِ وَاَمْنَعُهُمْ بَرَكَاتِ
الْاَرْضِ فَاِنْ مَتَّعْتَهُمْ اِلَى حَيْنٍ فَفَرِّقْهُمْ فِرْقًا وَاَجْعَلْهُمْ
طَرَائِقَ قِدْدًا وَلَا تُرْضِ عَنْهُمْ الْوَلَاةَ اَبَدًا فَاِنَّهُمْ دَعَوْنَا
لِيَنْصُرُوْنَا فَعَدُّوْا عَلَيْنَا فَقَتَلُوْنَا.» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

قَطَر: (تَرْف کے وزن پر) قطرے کی جمع۔ طَرَائِقُ قِدْدًا: ایک دوسرے سے شدید
اختلاف رکھنے والے گروہ۔ عَدُوْا: تیزی سے چلنا، حد سے تجاوز کرنا۔

ترجمہ اور تشریح

((کامل ابن اثیر)) اور ((ارشاد شیخ مفید)) میں تحریر ہے کہ: جب امام حسینؑ میدان جنگ

میں تشریف لائے اور ایک قدرے طولانی جنگ کے بعد دشمن کے محاصرے میں گھر گئے تو امام کے خاندان کا ایک کم سن بچہ خیمے سے نکلا اور دوڑتا ہوا امام علیہ السلام تک پہنچ گیا۔ حضرت زینبؓ اسے خیموں میں واپس لانے کے لئے اس کے پیچھے آئیں لیکن وہ یہ کہتے ہوئے بھاگتا رہا کہ: نہیں، خدا کی قسم میں اپنے چچا کے ساتھ رہوں گا۔ اسی دوران دشمن کے ایک فرد ((بحر ابن کعب ابن تیم)) نے تلوار سے امام حسین علیہ السلام پر وار کیا۔ بچے نے جب یہ دیکھا تو چلا کر کہا کہ: **يَا ابْنَ الْخَيْثَةِ أَتَقْتُلُ عَمِّي** (اے خبیث عورت کے بیٹے! کیا تو میرے چچا کو قتل کرنا چاہتا ہے؟) اور یہ کہتے ہوئے اپنے چچا کو بچانے کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ ((بحر ابن کعب)) کی تلوار پڑی، بچے کا ہاتھ کٹا اور کھال سے لٹک کر رہ گیا۔

بچے نے شدید درد اور تکلیف کے عالم میں امام کی طرف رخ کیا اور صدادی: **يَا عَمَّاه** (ہائے چچا) میری مدد کیجئے اور مجھے اس درد سے نجات دلائیے۔

امام نے بچے کو سینے سے لگا لیا اور کہا:

«يَا ابْنَ أَحْسَى اصْبِرْ عَلَىٰ مَا نَزَلَ بِكَ اے میرے بھتیجے! اس مصیبت پر صبر کرو خدا تمہیں تمہارے پاک و پاکیزہ اجداد رسول اللہ، علی، حمزہ، جعفر اور حسن سے ملائے گا۔»

پھر امام علیہ السلام نے لشکرِ کوفہ کو بدعادی سے روک دیا:

«اللَّهُمَّ اَمْسِكْ عَنْهُمْ بارِ الہا! اس ظالم قوم کو بارش اور زمین کی برکتوں سے محروم کر دے۔ اور اگر انہیں زندگی دے تو ہمیشہ انہیں اختلاف اور تفرقے میں مبتلا رکھ، ان کے حکام کو ان سے کبھی خوش نہ رکھنا، ان کے اور ان کے حکام کے درمیان ہمیشہ عداوت رکھنا۔ ان لوگوں نے مدد و نصرت کا وعدہ کر کے ہمیں دعوت دی اور پھر ہمارے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑے

ہوئے۔»

یاد رہے کہ عاشور کے دن امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے تین فرزند شہید ہوئے تھے۔

۱- عبداللہ: ان کی والدہ «شلیل بن عبداللہ بجلی» کی صاحبزادی تھیں۔

۲ اور ۳- قاسم اور ابوبکر: ان دونوں بھائیوں کی والدہ کا نام «رملہ» تھا۔



رخصت کے موقع پر

(خواتین سے رخصت ہوتے وقت فرمایا)

«ثُمَّ إِنَّهُ وَدَّعَ عِيَالَهُ وَ أَمَرَهُمْ بِالصَّبْرِ وَ لَبَسِ الْأُزْرَ وَ قَالَ :
اسْتَعِذُّوا لِلْبَلَاءِ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ حَامِيكُمْ وَ حَافِظُكُمْ
وَ سَيُنْجِيكُمْ مِنْ شَرِّ الْأَعْدَاءِ وَ يَجْعَلُ عَاقِبَةَ أَمْرِكُمْ إِلَى
خَيْرٍ وَ يُعَذِّبُ عَدُوَّكُمْ بِأَنْوَاعِ الْعَذَابِ وَ يُعَوِّضُكُمْ عَنْ
هَذِهِ الْبَلِيَّةِ بِأَنْوَاعِ النِّعَمِ وَ الْكَرَامَةِ فَلَا تَشْكُرُوا وَلَا
تَقُولُوا بِالسِّنَتِكُمْ مَا يَنْقُصُ مِنْ قَدْرِكُمْ» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

اُزْر (الف اور زے پر پیش، ازار کی جمع) : وہ لباس جسے دوسرے کپڑوں کے اوپر
اوڑھا جاتا ہے اور یہ بات پیش نظر رکھتے ہوئے کہ حرم کی خواتین سفر اور قیام دونوں حالتوں
میں اپنی اوڑھنیاں لیا کرتی تھیں، یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں اُزْر سے مراد ایسا خاص قسم کا لباس

۱- مندرجہ بالا عبارت منقول مقرر صفحہ ۳۳۷ سے یہاں نقل کی گئی ہے۔ منقول مقرر اور نفس المہموم میں اسے ((جلاء

العیون)) سے نقل کیا گیا ہے۔

ہے جسے سنبھالنا اور سفر کے دوران اور دشمن کے سامنے جس سے استفادہ کرنا آسان تر ہے۔ بلاء: امتحان، شدید غم و اندوہ۔ بَلِیَّہ: امتحان اور مصیبت۔ حفاظت و حمایت: بعض ماہرین لغت کے اقوال اور ان دو الفاظ کے استعمال کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ حفاظت کا لفظ زیادہ تر خود چیزوں کی حفاظت کے سلسلے میں استعمال کیا جاتا ہے جبکہ حمایت کو ان سے وابستہ اشیا کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر درہم اور دینار کے لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حفظہ اور کوئی نہیں کہتا کہ یہ حمیہ۔ اور کسی کے زیر اختیار چراہ گاہوں کے لئے کہا جاتا ہے کہ حمی القوم کیونکہ اس کا مطلب وہاں کے پودوں اور نباتات کی حفاظت ہے نہ کہ پانی اور زمین کی۔

ترجمہ اور تشریح

اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ عاشور کے دن امام حسین علیہ السلام کی اپنے اہل بیت سے آخری رخصت خود امامؑ ان کے اہل بیت اور اسی طرح امام سجاد علیہ السلام کے لئے روزِ عاشور کا سخت ترین وقت تھا۔ کیونکہ ایک طرف تو مخدراتِ اہل بیت یہ دیکھ رہی تھیں کہ تمام مردوں اور جوانانِ بنی ہاشم کی شہادت کے بعد اب ان کے واحد بچہ و ماوا اور امام و پیشوا بھی وداع ہو رہے اور جدائی کا اعلان فرما رہے ہیں، ایسی جدائی جس کے بعد ملنے کا کوئی امکان بھی نہیں اور اب ان کے بعد وہ اس وسیع و عریض بیابان میں کیا کریں گے اور اس بے کسی اور غربت کے عالم میں کس کی پناہ لیں گے؟ یہ چند لاچار عورتیں اور بچے دشمن کے حملے اور یلغار سے کس طرح اپنا بچاؤ کریں گے؟ اور کس سے فریاد کریں گے؟ لہذا یہ خواتین اور بچے آخری مرتبہ صرف چند لمحوں کے لئے ایک بار پھر امامؑ کے گرد جمع ہو گئے تھے، ان کا دامن تھام کر، ان سے مدد طلب کر رہے تھے اور اپنا دردِ دل ان سے کہہ رہے تھے۔

دوسری طرف وہ مہربان و شفیق امامؑ وہ پیکرِ غیرت و شجاعت معصوم بچوں کے اس گروہ کو

دیکھ رہے تھے جن کے نالہ و فغاں سے سرزمینِ کربلا گونج رہی تھی، یتیم ہو جانے والی بچیوں کی چیخ و پکار سن رہے تھے جو دشمنوں سے بچنے کے لئے پناہ گاہ اور پیاس دور کرنے کے لئے پانی کے چند گھونٹ مانگ رہی تھیں۔ ان کی نگاہیں ان غم زدہ عورتوں کی جانب بھی تھیں جو رنج و الم کی افراط اور مصائب و مشکلات کی شدت سے مبہوت اور حیران و پریشان لبوں پر سکوت کے تالے لگائے خاموش بیٹھی تھیں، اور اب ان میں بات کرنے تک کی توانائی نہ رہی تھی۔

قارئین محترم! ذرا سوچئے، اس دل ہلا دینے والے پہاڑوں کو لرزہ دینے والے وقت میں امام علیہ السلام کا ردِ عمل کیا ہوگا؟ ان غم زدہ عورتوں اور بچیوں سے جن کا اندوہ و الم ان کی ہڈیوں تک میں اتر گیا تھا انہوں نے کیا فرمایا ہوگا؟

کیا انہوں نے یہ افسوسناک منظر دیکھنے کے بعد اور مستقبل میں پیش آنے والے حالات کا ہولناک تصور کر کے ضعف و کمزوری کا اظہار کیا ہوگا؟ اپنے افکار و اعصاب پر کنٹرول سے محروم ہو گئے ہوں گے؟ اور اسکے نتیجے میں خواہ چند لمحوں کے لئے ہی سہی کیا اپنے عالی اہداف و مقاصد کو بھول گئے ہوں گے؟

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہر کوئی اس منظر کی علیحدہ علیحدہ تصویر کشی کرتا ہے۔ ہر مصنف اپنے انداز میں امام کا جواب لکھتا ہے۔ ہر خطیب اپنے طرزِ ادا کے مطابق اس موقع کی منظر کشی کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام اظہار ان کے اپنے اپنے طرزِ فکر کے مطابق ہوتے ہیں جنہیں وہ امام سے منسوب کرتے ہیں اور امام کی عظیم و عالی شخصیت کو اپنی جیسی شخصیت کے بطور مجسم کرتے ہیں۔

پس، کیا ہی اچھا ہو کہ اس موقع پر بھی ہم وہی طریقہ اختیار کریں جو ہم نے مدینہ سے کربلا تک رونما ہونے والے تمام واقعات میں اختیار کیا ہے۔ یعنی اپنے بیان کی بجائے ائمہ اطہار کے ان اقوال سے مدد لیں جو بزرگ اور اہل فن علما کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں، اور امام کے اقوال اور ان کے فرامین کے محرکات کو معتبر کتب سے یہاں نقل کریں۔

«ثُمَّ إِنَّهُ وَدَّعَ عِيَالَهُ ایک بار پھر (امام علیہ السلام نے) اپنے اہل بیت کو الوداع کہا، انہیں صبر و بردباری کی تلقین کی اور لباس (لباس ازرق) جس کی تفصیل الفاظ کی تشریح میں بیان ہوئی (پہننے کی ہدایت کی۔ پھر فرمایا: مصیبتوں اور مشکلات کے دنوں کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یاد رکھو کہ اللہ تمہارا محافظ اور حامی ہے، وہی بہت جلد تمہیں دشمنوں کے شر سے نجات دلائے گا اور تمہاری عاقبت کو خیر کرے گا اور تمہارے دشمنوں کو سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اور جو رنج و مصائب تم اٹھاؤ گے اسکے بدلے میں تمہیں بیش بہا نعمتیں اور کرامتیں عنایت فرمائے گا۔ لہذا نہ گلہ و شکوہ کرنا اور نہ کوئی ایسی بات زبان پر لانا جس سے تمہاری قدر و منزلت کم ہو۔»

مذکورہ بالا گفتگو کو ((علامہ مجلسی)) نے امام محمد باقر علیہ السلام کی ایک روایت کے ذیل میں نقل کیا ہے، جس کے بارے میں قوی امکان ہے کہ اسی روایت کا تتمہ اور امام محمد باقر علیہ السلام ہی کا کلام ہو اور اس روایت سے علیحدہ ہونے کی صورت میں بھی یہ ایک دوسری روایت سے ماخوذ ہو جو مرحوم علامہ مجلسی کی نظر میں قابل اعتبار اور موثق ہے (۱) اور اسی بنیاد پر تاریخ اور حدیث کے ایک عالم اور محقق علما اور علمی شخصیات میں سے ایک ((مرحوم مقرر)) جنہوں نے مندرجہ بالا گفتگو کو علامہ مجلسی کی ((جلاء العیون)) سے نقل کیا ہے اور اسکے تمام جملات کا ایک قابل اعتماد روایت اور حسین ابن علی سے ایک صحیح نقل کی صورت میں جائزہ لیا ہے، فرماتے ہیں کہ: اس گفتگو میں امام حسین علیہ السلام کے پیش نظر دو ایسے انتہائی اہم موضوعات کا بیان تھا کہ

۱۔ کیونکہ مرحوم مجلسی نے ((جلاء العیون)) کے مقدمے میں اس کتاب کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ: تاریخ عاشورا کے بارے میں جو کچھ اب تک عربی یا فارسی میں لکھا گیا ہے، وہ یا تو نامکمل ہے یا پھر تاریخ اور حدیث کی ناقابل اعتبار کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں محض معتبر روایات کے ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے اور ان احادیث کو نقل نہیں کیا گیا ہے جنہیں فاضل علمائے امامیہ کی تائید حاصل نہیں رہی۔

آج تک کوئی مورخ اور حسین ابن علی کی تحریک کا تجزیہ کرنے والا کوئی شخص ان دو موضوعات کی جانب متوجہ نہیں ہوا ہے۔

ایک یہ کہ امام حرم کی خواتین کو بتانا چاہتے تھے کہ وہ اس طویل سفر اور دشمن کے چنگل میں ہونے کے باوجود ان کے ہاتھوں قتل نہیں ہوں گی اور صحیح و سالم اپنے وطن واپس لوٹیں گی۔ اور دوسرے یہ کہ ان کے لباس اور سر پر لپیٹے جانے والے کپڑے نہیں لوٹے جائیں گے۔

اس گفتگو کے متن سے جو بات سمجھ آتی ہے اسکی تائید میں مرحوم مزید ارشاد فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ امام علیہ السلام کی طرف سے اچھی طرح لباس کس لینے کا حکم دینے کے بعد حمایت اور حفاظت جیسے الفاظ استعمال کرنے سے (جبکہ ان میں سے کوئی ایک لفظ بھی مفہوم کی ادائیگی کے لئے کافی تھا) مذکورہ بالا دو انتہائی اہم موضوع حاصل ہوتے ہیں۔ امام کے کلام کی بلاغت اس بات میں ہے کہ ہم کہیں کہ: اِنَّ اللّٰهَ حَامِيْكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ دشمنوں کی لوٹ مار کے دوران خاندان عصمت کی حمایت کرے گا اور حافظکم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ انہیں قتل اور شہادت سے محفوظ رکھے گا۔ (۱)



۱۔ ہم نے حمایت اور حفاظت کے مفہوم کے درمیان فرق کے بارے میں ماہرین لغت کی جو رائے نقل کی ہے مرحوم مقدم کا بیان بالکل اسکے مطابق ہے۔

(امام سجاد علیہ السلام سے رخصت ہوتے ہوئے فرمایا)

(۱)

« وعن زين العابدين عليه السلام قال : ضمنني والدي
عليه السلام الى صدره يوم قتل والدماء تغلى وهو
يقول : يا بني احفظ عني دعاء علمتنيه فاطمة عليها
السلام وعلمها رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم
وعلمه جبرئيل عليه السلام فى الحاجة والمهم والغم
والنازلة اذا نزلت والأمر العظيم الفادح قال : أدع
بحق يس والقرآن الحكيم و بحق طه والقرآن العظيم
يا من يقدر على حوائج السائلين يا من يعلم ما فى
الضمير يا منفس عن المكر و بين يا مفرج عن
المغمومين يا راحم الشيخ الكبير يا رازق الطفل
الصغير يا من لا يحتاج الى التفسير صلى على محمد
و آل محمد و افعل بى كذا و كذا...» (۱)

۱- اس دعا کو علامہ مجلسی نے مرحوم راوندی کی کتاب ((دعوات)) سے ((بحار الانوار کی جلد ۹۵، صفحہ ۱۹۶)) پر درج کیا ہے۔ یہی دعا ((شیخ عباس قمی)) نے ((باقیات الصالحات)) میں کسی ماخذ کا ذکر کئے بغیر لکھی ہے۔ جبکہ بعض فارسی کتابوں میں بھی یہی دعا متن کے کچھ فرق کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(۲)

..... عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ عَلِيٌّ
 بْنُ الْحُسَيْنِ الْوَفَاةَ ضَمَنِي إِلَى صَدْرِهِ ثُمَّ قَالَ : يَا بُنَيَّ
 أَوْصِيكَ بِمَا أَوْصَانِي بِهِ أَبِي حِينَ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ وَ بِمَا
 ذَكَرَ أَنْ أَبَاهُ أَوْصَاهُ بِهِ يَا بُنَيَّ أَيَّاكَ وَ ظَلَمَ مِنْ لَا يَجِدُ
 عَلَيْكَ نَاصِرًا إِلَّا اللَّهُ... (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

ضَمَنِي إِلَى صَدْرِهِ : مجھے اپنے سینے سے لگالیا۔ وَ الدَّمَاءُ تَغْلِي (غَلَى يَغْلِي
 سے) : اس سے خون ابل رہا تھا۔ نَازِلُهُ : انسان پر نازل ہونے والی کوئی شدید مصیبت۔ أَمْرٌ

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) کتاب ((دعوات)) کا صرف قلمی نسخہ دستیاب تھا اور یہ ایک نادر کتاب تھی جسے کچھ
 عرصے قبل ((مدرسہ امام مہدی - قم)) نے شائع کیا ہے اور اس کے صفحہ ۵۴ پر یہ دعا موجود ہے۔ جس طرح اس
 کتاب سے بحار الانوار کے مصنف نے ((بحار)) کی تالیف میں استفادہ کیا تھا اسی طرح ((مرحوم محدث نوری))
 نے بھی کتاب ((مستدرک الوسائل)) کی تالیف میں اس سے استفادہ کیا ہے اور ((مستدرک)) کے آخر میں اس
 کتاب کے تعارف اور اس کی اہمیت کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

مرحوم ((محدث قمی)) نے ((دعوات)) کے مولف ((مرحوم قطب راوندی)) کے بارے میں ((ہدیۃ
 الاحباب)) میں یوں تحریر کیا ہے: شیخ قطب الدین، پیشوائے دین، بہت بڑے عالم، ناقد، فقیہ، مفسر اور محقق تھے۔
 نامور محدث ((ابن شہر آشوب)) کے اساتذہ میں سے تھے۔ انہوں نے مختلف علوم میں پر مغز کتب تالیف کی
 ہیں۔ قطب راوندی نے ۵۷۳ھ میں وفات پائی اور شہر قم میں حضرت فاطمہ معصومہ سلام اللہ علیہا کے حرم مطہر
 کے صحن میں ان کی قبر خاص و عام کے لئے زیارت گاہ ہے۔

۱۔ خصال شیخ صدوق۔ باب اول، تحف العقول۔ ص ۱۷۶۔

فَادِحٌ : انتہائی مشکل اور ناقابل برداشت امر۔ نَفْسٌ اَى فَرَجٌ : فعل امر یعنی نجات دو۔ مُنَفَّسٌ : نجات دینے والا۔ اِیَّاکَ : (اسم فعل ہے) : ہوشیار رہو۔

ترجمہ اور تشریح

خواتین سے رخصت ہونے کے بعد (معمول کے مطابق) امام حسین علیہ السلام سید سجاد سے رخصت ہونے کی غرض سے ان کے خیمے کی طرف آئے۔ امام حسینؑ کس طرح اپنے بیٹے اور اپنے بعد اپنے جانشین سے رخصت ہوئے اور اس حساس موقع پر ان باپ بیٹوں کی کیا کیفیت تھی، اس کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں معلوم۔ البتہ اس سلسلے میں «مسعودی» نے کچھ تحریر کیا ہے جو بظاہر بعض روایات سے لیا گیا ہے اور جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام علیہ السلام نے امام سجاد سے وداع ہوتے وقت انہیں امامت سے متعلق کچھ خاص وصیتیں کیں اور ان سے کہا کہ وہ امامت کی مخصوص میراث جیسے کتاب اور اسلحہ وغیرہ جو ام سلمہؓ کے پاس ہیں واپسی پر ان سے لے لیں۔ (۱)

وداع کے اس موقع کے حوالے سے جو کچھ قول کی صورت میں نقل ہوا ہے وہ دو باتیں ہیں، اور دونوں ہی باتیں امام سجاد علیہ السلام سے منقول ہیں، جو اس موقع پر خیمے میں موجود معصومینؑ میں سے ایک ہیں اور سوائے ان کے اور ان کے والد گرامی کے کوئی اور اس موقع پر وہاں موجود نہ تھا۔

۱۔ پروردگار کے حضور توجہ

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: جس دن میرے والد شہید ہوئے، انہوں نے مجھے اپنے گلے سے لگایا، جبکہ خون آپ کے تمام بدن سے بہہ رہا تھا، اور فرمایا: اے میرے بیٹے! یہ

دعا مجھ سے سیکھ لو۔ بوقتِ ضرورت، کسی اہم کام، کسی پریشانی، کسی مصیبت یا انتہائی مشکل حوادث کے موقع پر اسکے ذریعے خدا کو پکارنا۔ یہ وہ دعا ہے جسے مجھے حضرت فاطمہ نے اور انہیں یہ دعائی اکرم نے تعلیم فرمائی تھی اور انہوں نے اسے جبرئیل سے حاصل کیا تھا۔ پھر فرمایا:

« بحق یس و القرآن الحکیم و بحق طہ و اے وہ جو مانگے والوں کی حاجتوں سے باخبر ہے، اے وہ جو باطن میں چھپے امور سے مطلع ہے، اے غم و اندوہ میں مبتلا لوگوں کو تسلی دینے والے، اے پریشانیوں سے دوچار لوگوں کو نجات دلانے والے، اے وہ جو عمر رسیدہ اور ضعیف افراد پر رحم کرتا ہے اور چھوٹے بچوں کو ان کا رزق دیتا ہے، اے وہ جسے کسی تفسیر کی ضرورت نہیں، محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیج اور میری مشکل کو اور میرے لئے یوں، (اس موقع پر اپنی حاجت کا ذکر کرے) کر دے۔

۲۔ بدترین ظلم سے بچو

ابو حمزہ ثمالی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میرے والد گرامی امام سجادؑ نے اپنی وفات کے وقت مجھے اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا: میں تمہیں وہی وصیت کر رہا ہوں جو میرے والد (حسین ابن علیؑ) نے اپنی وفات و شہادت کے موقع پر مجھ سے کی تھی۔ اس موقع پر ان کی وصیتوں میں سے ایک وصیت یہ تھی کہ:

«یا بنی ایاک و ظلم من لا یجد علیک ناصرًا الا اللہ.»

«اے میرے بیٹے! اس شخص پر ظلم کرنے سے خوف کھانا جس کا خدا کے سوا کوئی

اور مددگار نہ ہو۔»

یہ وہ دو وصیتیں تھیں جو امام حسین علیہ السلام نے امام سجاد علیہ السلام سے رخصت ہوتے وقت کی تھیں۔ البتہ ممکن ہے کہ یہ دو وصیتیں دو علیحدہ علیحدہ الوداعی ملاقاتوں میں ہوئی ہوں۔ دو

مختلف عبارتوں کا استعمال کرنا یعنی «یوم قتل و الدماء تغلی» اور «حین حضرته الوفاة» دو ملاقاتوں پر قرینہ ہو سکتا ہے۔

نتیجہ: ان تین وصیتوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ نمونہ صبر و ثبات، تمام مومن اور پاک باز انسانوں کے امام، مقتدا اور پیشوا حسین ابن علیؑ، کفر اور شرک کے خلاف اپنے جہاد کے دوران پہلے دن سے آخری دن تک ایک لمحے کے لئے بھی کبھی معمولی سے شک و تردید کا شکار نہ ہوئے بلکہ آپؑ قدم بقدم آگے بڑھے اور زمانی و مکانی حالات کی مناسبت سے اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا۔

آپؑ پر اوّل روز ہی سے اپنا مقصد واضح تھا اور آپؑ مضبوطی کے ساتھ اس پر قائم تھے۔ آپؑ روزِ عاشورا اپنے اہل حرم سے رخصتِ آخر کے موقع پر (جبکہ آپؑ کی شہادت اور اہل حرم کی اسیری کے درمیان صرف چند گھڑیوں کا فاصلہ رہ گیا تھا) اسی طرح مطمئن تھے جس طرح اپنے وطن مدینہ میں اہل مدینہ کی جانب سے عزت و احترام کے اظہار کے ہمراہ ایک آسودہ زندگی بسر کرتے ہوئے اطمینان سے رہتے تھے۔

یہی نہیں بلکہ آپؑ کے لئے اس حساس لمحے اور مکہ مکرمہ میں خانۂ امن الہی، بیت اللہ کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے اور عراق کی جانب اپنے ریگستانی سفر کے درمیان بھی کوئی فرق نہ تھا۔ بلکہ آج آپؑ ان افکار کو عملی شکل دے رہے تھے جو مدینہ سے مکہ تک کے سفر کے دوران آپؑ کے ذہن میں موجزن تھے اور اپنی اس گفتار کو جامہٴ عمل پہنا رہے تھے جو مدینہ سے کربلا تک آپؑ کی زبانِ مبارک پر جاری تھی۔

اگر اس روز رسول اکرمؐ کے روضہٴ اقدس پر آپؑ نے یہ فرمایا تھا کہ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّ الْمَعْرُوْفَ وَ اُکْبِرُ الْمُنْکَرَ، (بارِ الہا! مجھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا پسند ہے) اور اگر مدینہ میں یہ فرمایا تھا کہ: وَ یَزِیْدُ رَجُلٌ شَارِبُ الْخَمْرِ.... وَ مِثْلِیْ لَا یُبَایِعُ مِثْلَهُ

(یزید شراب خور ہے..... اور میرا جیسا اس جیسے کی بیعت ہرگز نہیں کرے گا) اور اگر مدینہ ہی میں اپنی تحریک کا آغاز کرتے ہوئے آپؐ یہ فرما چکے تھے کہ: وَ عَلَى الْإِسْلَامِ السَّلَامُ إِذَا بُلِيتِ الْأُمَّةُ بِرَأْعٍ مِثْلَ يَزِيدَ (اسلام کا خدا ہی حافظ ہو جبکہ امت پر یزید جیسا حاکم مسلط ہو) اور اگر وہیں ان الفاظ میں قسم کھائی تھی کہ: لَا وَاللَّهِ لَا أُعْطِيهِمْ بِيَدِي إِعْطَاءَ الدَّلِيلِ وَلَا أَفِرُّ مِنْهُمْ فِرَارَ الْعَبِيدِ. (نہیں، خدا کی قسم ہرگز پست اور کم ہمت لوگوں کی طرح اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں نہیں دوں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح راہِ فرار اختیار کروں گا) اور اگر آپؐ کعبہ کے قریب خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اپنے مستقبل کا نقشہ کھینچ چکے تھے اور اگر منزلِ بیضہ پر پیغمبر اسلامؐ کے قول کی سند کے ساتھ آپؐ نے یہ بتا دیا تھا کہ یزید کے خلاف جہاد ان کی ذمہ داری ہے..... آج بھی آپؐ اپنے حرم کی خواتین کو قطعی اور حتمی لہجے میں یہ ہدایت دے رہے تھے کہ سفر کا لباس زیب تن کر لیں اور ایسا لباس پہن لیں جو طویل سفر کے دوران انہیں دشمنوں اور نامحرموں کی نظروں سے محفوظ رکھے اور خود کو بلاؤں اور مصیبتوں کے لئے تیار کر لیں اور کوئی ایسا لفظ زبان سے نہ نکالیں جس میں اسیری اور قیدی بنائے جانے کا لگہ اور دشمن کی جانب سے روارکھی جانے والی سختیوں کا شکوہ ہو۔ تو اس تمام اہتمام و احتیاط کی حکمت یہ ہے کہ آپؐ کا مقصد اور ہدف صرف اور صرف رضائے الہی کا حصول ہے اور اس راہ میں ان مشکلات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

جی ہاں! اگر کوئی انسان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا قیام چاہتا ہے سرکش حکمرانوں کو مسترد کرتا ہے اور کسی حال میں ذلت قبول کرنے پر تیار نہیں تو اس کے لئے لازم ہے کہ پھر ہر قسم کی سختیاں اور مصائب جھیلنے اور قید و بند اور ظلم و ستم کی سختیاں سہنے پر آمادہ رہے۔ یہی نہیں بلکہ اس سے بھی اہم ترین بات یہ ہے کہ ان تمام مراحل کا ایسی پامردی اور ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرے اور ان کے دوران ایسی معنویت کا مالک رہے کہ ایک لفظ بھی جی ہاں! ایک لفظ بھی ایسا اس کے منہ سے نہ نکلے جو اسکی عدمِ رضامندی، اپنے مقصد میں شک و شبہ، اپنی

قربانیوں اور اپنے جوانوں کی جانثاری پر ناگواری کا اشارہ دے۔ کیونکہ یہ اسکے جہاد کی اہمیت کے ختم ہو جانے اور اجر و پاداش میں کمی کا موجب ہوگا۔

«اِسْتَعِذُّوْا لِلْبَلَاءِ... وَ لَا تَقُوْا بِالْاِسْنَتِكُمْ مَا يَنْقُصُ مِنْ قَدْرِكُمْ.»

اور جہاں تک تعلق اس وصیت کا ہے جو امام حسینؑ نے امام سجاد علیہ السلام کو کی، تو اسے دو مختلف پہلوؤں سے دیکھا جاسکتا ہے، ایک خصوصی پہلو، جو خاص امام سجاد کے حوالے سے ہے اور دوسرا عمومی پہلو، جس کا تعلق تمام مسلمانوں سے ہے۔

الف: وصیت کا خصوصی پہلو

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی وصیت کے یہ دونوں حصے (جن میں سے ایک دعا کی صورت میں ہے اور دوسرا امام زین العابدینؑ کے لئے نصیحت اور رہنمائی کے قالب میں) ان حالات میں سید سجاد کے لئے تقویتِ قلب اور اطمینانِ خاطر کا بہترین وسیلہ تھے جب آپؑ پر ہر طرف سے مصائب و آلام کی بوچھاڑ تھی اور دشمن کی جانب سے روارکھا جانے والا ظلم و ستم اپنی انتہاؤں کو چھو رہا تھا۔

کیونکہ ایک طرف تو اس وصیت نے آپؑ کی تمام تر توجہات کو ربِّ ذوالجلال کی بارگاہ کی طرف مبذول کر کے اس دنیا میں پیش آنے والے تمام مصائب و آلام سے آپؑ کو بے پروا کیا اور دوسری طرف اہل کوفہ پر عنقریب نازل ہونے والے اس عذاب سے مطلع کر کے، جو ان کے انتظار میں منہ کھولے کھڑا تھا، ان کے غم و آلام میں تخفیف اور ظلم و ستم کے اثرات میں کمی کا موجب ہوا۔

ب: وصیت کا عمومی پہلو:

امام سجادؑ کی اس حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے کہ اپنے پدر بزرگوار کی شہادت کے بعد آپؑ ہی نے امت کی امامت اور معاشرے کی رہنمائی کا بار گراں اٹھانا تھا، حسین ابن علیؑ اپنے

ارشاد فرمائے ہوئے تفصیلی خطبات کے باوجود اپنی حیات کے آخری لمحات میں اپنے فرزند کے توسط سے ایک مرتبہ پھر عالم بشریت اور اپنے شیعوں اور پیروکاروں کو دعا کے قالب میں حقیقی توحید اور خداوند عالم کی جانب توجہ (جو تمام انبیائے الہی اور آسمانی پیشواؤں کا بنیادی ترین مقصد اور ذمہ داری ہے) کی دعوت دیتے ہیں اور مناجات کی شکل میں انسانوں کو خداوند عالم کی قدرتِ کاملہ اور تمام افرادِ بشر کی پوشیدہ باتوں اور ان کے باطن کے بارے میں اس کے علم سے مطلع فرماتے ہیں اور اسکے لطف و محبت اور رزاقیت کی صفت کی جانب متوجہ کرتے ہیں۔

پھر وصیت کے دوسرے حصے میں انہیں نصیحت کرتے ہیں اور ظلم و ستم کی بدترین قسم جو ہمیں آج بھی اس وسیع و عریض دنیا کے ہر گوشے میں ہر روز طرح طرح کی شکلوں میں نظر آتی ہے، یعنی بے بس اور لاچار افراد پر ظلم و ستم کی جانب متوجہ کرتے ہیں اور اسکے ارتکاب سے متنبہ اور منع فرماتے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ ان وصیتوں کا عمومی پہلو ان کی خصوصی حیثیت پر مقدم ہے۔ کیونکہ ایک تو امامت و رہبری کی عمومی اور عالی ذمہ داری کا تقاضا یہی ہے اور دوسرے یہ دیکھتے ہوئے کہ امام سجاد مقام عصمت پر فائز ہیں اور ان سے کسی قسم کا ظلم و ستم سرزد نہیں ہو سکتا اس لئے وہ ایسا کلام و ظلم جیسے کلام کے مخاطب نہیں ہو سکتے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگرچہ ان وصیتوں کے ظاہری الفاظ دیکھے جائیں تو خطاب امام سجاد ہی سے ہے لیکن قرآن کریم کے بکثرت خطابات اور معصومین کی اکثر وصیتوں کی مانند درحقیقت روئے سخن تمام انسانوں یا تمام مسلمانوں کی طرف ہے۔

حسین ابن علی کے عقیدتمندوں کے لئے ایک یاد دہانی

محترم قارئین! یہ وہ وصیت تھی جو امام حسین علیہ السلام نے اپنے آخری وداع کے موقع پر کی اور جو معتبر و موثق ماخذ (Sources) اور معصومین کے ذریعے ہم تک پہنچی۔ البتہ ممکن

ہے کہ امام عالی مقام کی اور وصیتیں بھی نقل ہوئی ہوں، جو ہم تک نہ پہنچی ہوں، لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے واضح کیا انہی تین بظاہر مختصر وصیتوں کے ذریعے ولایت کے عالی مقام اور امامت کے عزم صمیم اور پختہ ارادے سے واقف ہوا جاسکتا ہے اور ان جملات کے ذریعے اپنی اختیار کردہ راہ کے سلسلے میں امام کی استقامت اور ثابت قدمی کو واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مقتل کی بعض ناقابل اعتماد کتابوں اور بعض ذاکرین اور خطیبوں کی زبانی امام کی رخصت آخر کے بارے میں ایسی باتیں نقل ہوتی ہیں کہ نہ تو معتبر کتابوں میں اس قسم کی باتوں کا تذکرہ موجود ہے اور نہ ہی یہ امامت اور رہبری کے مقام اور سید الشہد امام حسین علیہ السلام کے اہداف عالیہ سے کوئی جوڑ اور مطابقت رکھتی ہیں۔ ایسی بے بنیاد باتوں کی پیدائش اور تشہیر بالآخر درج ذیل دو نکات کو ظاہر کرتی ہے:

۱۔ ایسی باتیں ان مصنفین یا خطیبوں کی بنائی ہوئی ہیں جن کے پیش نظر صرف اور صرف رونے اور رلانے کا ثواب تھا اور یہ لوگ جعلی اور بے بنیاد باتیں گھڑنے یا انہیں نقل کرنے کے اثراتِ بد اور گناہ سے غافل تھے یا پھر اپنی کم علمی کی وجہ سے ان باتوں کے جعلی ہونے سے بے خبر تھے۔

۲۔ ایسی بعض باتوں کا بیان ہونا ولایت کے ارفع و اعلیٰ مقام کی صحیح صحیح معرفت نہ ہونے اور امامت کے عالی رتبے کو گھٹانے کی کوشش پر ایک واضح دلیل ہے۔ یہ طرزِ عمل عقیدے کے لحاظ سے ایک نقص اور عیب ہے جس کے ازالے کے لئے علمائے اسلام کو توجہ دینا چاہئے جو عقائد و احکام اسلامی کی سرحدوں کے محافظ ہیں۔

قارئین کی اجازت سے اس بارے میں جلیل القدر عالم، ((علامہ محدث نوری)) کی سودمند گفتگو اور نصائح پیش کر رہے ہیں اور پھر امام حسین کی رخصت آخر سے متعلق ایک گھڑی ہوئی داستان انہی کی زبانی نقل کریں گے۔ یاد رہے کہ علامہ محدث نوری کی پوری زندگی احادیث و روایات کی تحقیق اور چھان پھٹک کرتے بسر ہوئی ہے۔ آپ نے مستدرک الوسائل

اور دوسری کئی گرا نقدر کتب بطور یادگار چھوڑی ہیں؛ (۱) جبکہ مرحوم محدث قسبی اور الذریعہ (نامی کتاب) کے مصنف «آقا بزرگ تہرانی» جیسے شاگرد اسلامی معاشرے کے حوالے کئے ہیں۔
 مرحوم نوری نے اپنی کتاب «لؤلؤ و مرجان» (۲) میں جھوٹ کی اقسام اس کے نقصانات اور اس گناہ کبیرہ کے عذاب کے تذکرے اور یہ بیان کرنے کے بعد کہ اگر حدیث نقل کرتے ہوئے اور مناقب و مصائب کے ذکر میں جھوٹ بولا جائے تو اس کا نقصان اور خرابی اور اسی طرح اس کا عذاب و سزا دوسرے جھوٹ اور دروغ سے کہیں زیادہ ہوگی، فرمایا ہے کہ:

«جو لوگ ذکر مصائب اور عاشورا کے جاں گداز حادثے کو بیان کرنا چاہتے ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ اپنی مجالس میں دوسروں سے سنی سنائی باتیں بیان کرنے پر اکتفا نہ کریں اور کسی جملے کے عربی ہونے کی بنا پر اسکی صحت پر یقین پیدا نہ کر لیں، جیسے کہ عام طور رائج ہے کہ کچھ لوگوں کی نظر میں کسی جملے کا محض عربی زبان میں ہونا، ان کے لئے اسکی سند اور متن کی صحت کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ حتیٰ انہیں چاہئے کہ کتب اور تالیفات کا مطالعہ کرتے ہوئے بھی انتہائی احتیاط کو ملحوظ رکھیں۔ اس لئے کہ کسی کتاب میں کسی بات کا تحریر ہونا اسکی صحت پر دلیل نہیں بن سکتا، کیونکہ ممکن ہے وہ کتاب کسی انجانے شخص کی تالیف ہو اور ممکن ہے جانا پہچانا اور معروف مولف ہو لیکن علمی لحاظ سے اس مقام پر فائز نہ ہو کہ

۱- مستدرک الوسائل تین بڑی اور ضخیم جلدوں پر مشتمل اور معصومین کی تیس ہزار احادیث کا مجموعہ ہے۔ جلیل القدر مولف نے اس کتاب کے ابواب «وسائل الشیعہ» کے ابواب کے مطابق ترتیب دیئے ہیں۔ اسکے علاوہ ایک مفصل فہرست اور اختتامیہ بھی تحریر کیا ہے جو «درایہ» اور «رجال» کے علوم پر لکھی گئی مفید ترین کتابوں میں سے ایک ہے اور حقیقت یہ ہے کہ: وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ (اس میں وہ سب کچھ ہے جس کی دل تمنا کرے اور آنکھوں کو بھلا لگے۔ سورہ زخرف ۴۳- آیت ۷۱)

۲- اردو زبان میں اس گرا نقدر کتاب کا ترجمہ «آداب اہل منبر» کے نام سے دستیاب ہے۔

صحیح اور غلط اور سلیم اور سقیم کے درمیان تمیز کر سکے۔ حد تو یہ ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک مولف علمی لحاظ سے قوی ہو، صحیح اور غلط میں فرق بھی کر سکتا ہو، لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر اسکی کوئی تالیف وثوق اور اعتبار کے قابل نہ ہو، مثلاً وہ اسکے دورِ جوانی کی تالیف ہو، جبکہ وہ نا تجربہ کار اور کافی معلومات سے بے بہرہ تھا، اور اُس تالیف کو اس سے صرف نسبت کی وجہ سے عوامی سطح پر شہرت اور اعتبار مل گیا ہو۔»

محدث نوری نے بطور ثبوت، اس قسم کی چند تالیفات کا ذکر کرنے کے بعد، چند مشہور لیکن بے اساس قصے بیان کئے ہیں۔ اسی ضمن میں چوتھا قصہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

«انتہائی غم انگیز لہجے میں بیان کرتے ہیں کہ روزِ عاشورا اہل بیت اور اصحاب کی شہادت کے بعد، سید الشہداء حضرت امام حسینؑ، امام زین العابدین علیہ السلام کے سرہانے تشریف لائے۔ پس امام زین العابدینؑ نے اپنے والدِ گرامی سے ان کے اور دشمنوں کے درمیان معاملے کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرتؑ نے انہیں بتایا کہ جنگ تک نوبت جا پہنچی تھی۔ پھر امام زین العابدینؑ نے کچھ اصحاب کے نام لئے اور ان کا حال پوچھا تو حضرتؑ نے جواب دیا کہ وہ سب قتل ہو گئے۔ یہاں تک کہ امام زین العابدینؑ نے بنی ہاشم کے بارے میں دریافت کیا اور ابوالفضل العباسؑ اور حضرت علی اکبرؑ کے احوال دریافت کئے تو حضرتؑ نے وہی جواب دیا کہ وہ بھی قتل ہو گئے اور فرمایا کہ اب میرے اور تمہارے سوا خیام میں کوئی مرد باقی نہیں۔»

مرحوم نوری مزید فرماتے ہیں کہ:

«یہ اس قصے کا خلاصہ تھا، اسے بہت طول طویل کیا گیا ہے۔ یہ قصہ کھلے لفظوں میں یہ دلالت کرتا ہے کہ جنگ کی ابتدا سے لے کر امام حسینؑ کے میدانِ جنگ

کی طرف جانے تک امام سجاد علیہ السلام کو انصار و اقربا اور میدانِ جنگ کے حالات کی یکسر خبر نہ تھی۔»

ہم «مرحوم محدث نوری طبرسی» کے اس خیال کی تائید کرتے ہیں کہ روزِ عاشور امام سجاد کے مرض کی نوعیت ایسی نہ تھی کہ آپؑ اس دن رونما ہونے والے حوادث و واقعات سے یکسر لاعلم رہتے اور اس سلسلے میں عرض کرتے ہیں کہ:

☆ تاریخ کا تفصیلی مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ عاشور کے دن کے بعض واقعات براہِ راست امام زین العابدینؑ کی زبانی نقل ہوئے ہیں اور یہ روایات صاف واضح کرتی ہیں کہ امام سجادؑ خود اس موقع پر موجود اور ان واقعات کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔

☆ ایک روایت کے مطابق جب تمام اصحاب شہید ہو گئے اور امام حسینؑ تنہا رہ گئے تو امام سجادؑ اپنے خیمے سے نکل کر دشمن کی صفوں کی طرف بڑھے جبکہ آپؑ کا حال یہ تھا کہ آپؑ بیمار تھے اور اسلحہ اٹھانے کی طاقت بھی آپؑ میں نہ تھی۔ جنابِ ام کلثومؑ انہیں آواز دیتی ہیں کہ: بیٹا! واپس آ جاؤ۔ امامؑ جواب دیتے ہیں: پھوپھی جان! مجھے جانے دیجئے میں فرزندِ رسولؐ کے ساتھ مل کر دشمن کے خلاف جنگ کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں تک کہ خود امام حسینؑ صدا دیتے ہیں کہ: اے بہن! انہیں خیمے میں واپس لے جائیے کہیں ایسا نہ ہو کہ روئے زمین نسلِ آلِ محمدؐ سے خالی ہو جائے۔ (۱)

یہ واقعہ اس بات پر ایک اور دلیل ہے کہ اپنی بیماری اور طبیعت کی ناسازی کے باوجود امام سجادؑ اس دن رونما ہونے والے ایک ایک واقعے کو نظر میں رکھے ہوئے تھے اور جب آپؑ نے اپنے امام کو تنہا دیکھا تو ان کے دفاع کے لئے خود دشمن کی صفوں کی طرف بڑھے تھے۔ آخر میں اپنے محترم قارئین سے معذرت کے ساتھ اس مقام پر امام حسینؑ کی رخصت

اور آپ کی گفتگو کے بارے میں بحث کو (جو گزشتہ ابحاث کی نسبت ذرا تفصیلی اور طولانی ہو گئی) مرحوم محدث نوری کے تذکر اور نصیحت کو مکمل کرتے ہوئے ختم کرتے ہیں۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا ((محدث نوری)) نے بعض بے بنیاد احادیث کے صحیح اور مستند روایات میں خلط ملط ہو جانے اور ان میں سے صحیح اور غلط کی پہچان نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ احادیث عربی زبان میں پڑھی جاتی ہیں۔ اور ان کے عربی زبان میں ہونے کو بعض لوگ ان کے متن اور سند کی صحت پر دلیل سمجھتے ہیں۔

ہماری رائے میں محدث نوری کی نصیحت کا یہ حصہ سچائی کی راہ پر چلنے والوں اور حق اور حقیقت کے پیروکاروں کے لئے ایک عظیم درس ہے اور ایک ایسا انتباہ (Warning) ہے جو مقررین کو امام حسینؑ کی جانب الفاظ و مفاہیم کو نسبت دیتے ہوئے زیادہ سے زیادہ تحقیق و جستجو اور تدبر سے کام لینے پر ابھارتا ہے۔ کیونکہ مرثیوں، ذکر مصائب اور اشعار سے لے کر امام حسینؑ کی جانب سے رحم طلب کرنے اور آپؑ کے شعائر تک میں بکثرت ایسے عربی جملے نظر آتے ہیں جنہیں امامؑ کی طرف نسبت دی جاتی ہے، جبکہ ان میں سے بعض یکسر بے بنیاد طور پر آپؑ سے منسوب کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں مذکورہ تین موضوعات پر شاہد و گواہ کے طور پر چند نمونے یہاں پیش کر رہے ہیں:

☆ کہتے ہیں کہ دشمن کی صفوں پر حملہ کرتے ہوئے امام علیہ السلام نے جو رجز پڑھے اور شعائر بلند کئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ان کان دین محمد (ص) لم یستقم الا بقتلی فیاسیوف خذینی۔ (اگر دین محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بقا اسی میں ہے کہ میں مارا جاؤں تو اے تلوار و آؤ اور مجھ پر برس پڑو۔)

☆ اسی طرح امام حسین علیہ السلام کی جانب نسبت دی جاتی ہے کہ انہوں نے یزید اور بنی امیہ کے خلاف اپنی تحریک اور بنی امیہ کے خلاف اپنے جہاد کی اہمیت کے بارے میں فرمایا: انما الحیاة عقیدة و جہاد۔ (زندگی تو صرف عقیدہ اور اس کی راہ میں جہاد کا نام ہے۔)

☆ شعر کے بارے میں کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے اپنے فرزند علی اکبرؑ کے سر ہانے یہ شعر پڑھے کہ:

یا کوکباً ما کان اقصر عمره و کذاک عمر کو اکب الاسحار
فاذا نطقت فانت اول منطقی و اذا سکت فانت فی اضماری
☆ اسی طرح اہل کوفہ سے رحم کی درخواست کے بارے میں کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے اہل کوفہ اور اپنے دشمنوں سے پانی طلب کرتے ہوئے فرمایا: یا قوم! اسقونی شربة من الماء فقد نشفت کبدی من الظمأ. (اے لوگو! مجھے پانی دے دو، پیاس سے میرا کلیجہ خشک ہوا جا رہا ہے۔)

جہاں تک مذکورہ بالا شعائر کا تعلق ہے، تو اس حقیر کو اپنی تحقیقات کے دوران کسی بھی معتبر یا حتیٰ غیر معتبر کتاب میں بھی یہ دو شعائر نہیں ملے۔ البتہ لوگوں کی زبانوں پر چند رسالوں اور رسالوں ہی کی طرح کی چند کتابوں میں یہ شعائر دکھائی دیتے ہیں۔

جہاں تک اشعار کی بات ہے تو یہ دو اشعار مصر کے معروف شیعہ ادیب اور شاعر ((ابو الحسن علی ابن محمد تہامی)) کے ہیں، جو انہوں نے اپنے چھوٹے بیٹے کی وفات کے موقع پر کہے تھے۔ تہامی کو ۴۱۶ھ میں مصر میں قتل کیا گیا۔ ان کے اس قصیدے میں مجموعی طور پر ۸۴ بیت ہیں۔ (۱)

۱- اسی قصیدے میں درج ذیل اشعار بھی ہیں۔

ماہذہ الدنیا بدار قرار	حکم المنیۃ فی البریۃ جار
والمرء بینہا خیال سار	فالعیش نوم والمنیۃ یقظۃ
وَوَفَّقْتُ حین تحرکت الأم دار	أبکیہ ثم أقول معتذر الہ
شأن بین جوارہ وجواری	جاورث أعدائی وجاور ربہ

تہامی کے بارے میں مزید معلومات کے لئے درج ذیل کتب سے رجوع (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

اور آخر میں رہا امام حسینؑ کا دشمن سے رحم کی درخواست کرنے اور اس سے پانی طلب کرنے کا مسئلہ تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ جس طرح اسکا ذکر کیا جاتا ہے اس طرح یہ کسی بھی تاریخی ماخذ میں موجود نہیں ہے اور بظاہر عبارت کو صحیح طور پر نہ سمجھنے اور اس کے سیاق و سباق کو مد نظر نہ رکھنے کے نتیجے میں اس بات نے جنم لیا ہے۔

اس مسئلے کی وضاحت میں عرض ہے کہ: امام حسین علیہ السلام کی طرف سے پانی طلب کرنے کی بات تین مواقع پر دو مختلف عبارتوں میں کی جاتی ہے۔ ان میں سے دو مواقع کا زیر بحث موضوع اور اہل کوفہ سے پانی طلب کرنے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں سے ایک موقع پر یوں درج ہے: فقصدہ القوم و هو فی ذلک یطلب شربة من ماء فکلما حمل بفرسه علی الفرات حملوا علیہ بأجمعهم حتی اجلوه عنه (۱) (اہل کوفہ نے امام پر اس وقت حملہ کیا جب آپ حصول آب کے لئے کوشاں تھے۔ وہ اپنے گھوڑے کو لے کر فرات تک پہنچنے کی جتنی بھی کوشش کرتے اہل کوفہ انہیں فرات سے دور رکھنے کے لئے اتنی ہی شدت سے یلغار کرتے۔)

اسی طرح دوسرے موقع کے بارے میں تحریر ہے: وجعل الحسین یطلب الماء و شمر یقول له واللہ لا تردہ او ترد النار (۲) (حسین پانی کے حصول کی کوشش کر رہے تھے اور شمر ان سے کہہ رہا تھا کہ بخدا آپ پانی تک پہنچنے سے پہلے (نعوذ باللہ) داخل جہنم ہوں گے۔)

جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں ان دونوں مواقع پر اگرچہ یطلب شربة من ماء

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) فرمائیے۔ وفیات الاعیان - ج ۳ - ص ۳۷۸، قاموس الاعلام - ج ۳ - ص

۱۷۱۰، الکنی والالقباب - ج ۱ - ص ۴۶، ریحانة الادب - ج ۱ - ص ۳۵۶۔

۱- مقتل خوارزمی - ج ۲ - ص ۳۳ اور ۳۴، بحار الانوار - ج ۴۵ - ص ۵۱۔

۲- مقاتل الطالبیین - ص ۸۶، بحار الانوار - ج ۴۵ - ص ۵۱۔

اور یطلب الماء کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں لیکن فرات پر حملے اور پانی تک پہنچنے کے قرینے سے واضح ہے کہ یہاں «یطلب» سے مراد اہل کوفہ سے پانی طلب کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم فرات تک پہنچ کے اور اس میں داخل ہو کے پانی حاصل کرنا ہے۔

صرف تیسرے موقع پر «نافع ابن ہلال» کے بیان میں یوں آیا ہے کہ: فاستقی فی

تلك الحالة الماء (۱) (انہوں نے اپنی شہادت سے پہلے پانی طلب کیا۔)

اس مقام پر یہ فقہی سوال پیش آتا ہے کہ اگر خطیب روزے سے ہو اور «نافع بن

ہلال» کے اس مذکورہ کلام کی بنیاد پر یا ان کے کلام سے ہٹ کر بھی نہ صرف یہ کہ کسی بھی کلام کو

امام کی طرف نسبت دے بلکہ «استقی» اور اسی طرح کے کسی اور لفظ سے از خود «یا قوم

اسقونی شربة من الماء فقد نشفت کبدی من الظمأ» کا جملہ بنا ڈالے تو کیا ایسے

مقرر یا خطیب کا روزہ صحیح رہے گا یا باطل ہو جائے گا؟



میدانِ شہادت میں امام حسینؑ کی رجز خوانی

الْمَوْتُ أَوْلَىٰ مِنْ رُكُوبِ الْعَارِ وَالْعَارُ أَوْلَىٰ مِنْ دُخُولِ النَّارِ (۱)
 أَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ أَلَيْتُ أَنْ لَا أَتَّشَنَّى
 أَحْمَىٰ عِيَالَتِ أَبِي أَمْضَىٰ عَلَىٰ دِينِ النَّبِيِّ



أَنَا ابْنُ عَلِيٍّ الْخَيْرِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ كَفَانِي بِهَذَا مَفْخَرًا حِينَ أَفْخَرُ
 وَجَدَى رَسُولُ اللَّهِ أَكْرَمُ مَنْ مَضَىٰ وَنَحْنُ سِرَاجُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ نَزْهَرُ
 وَفَاطِمَةُ أُمِّي ابْنَةُ الطُّهْرِ أَحْمَدُ وَعَمِّي يُدْعَىٰ ذُو الْجَنَّةِ حِينَ جَعْفَرُ
 وَفِينَا كِتَابُ اللَّهِ أَنْزَلَ صَادِعًا وَفِينَا الْهُدَىٰ وَالْوَحْيُ بِالْخَيْرِ يُذَكَّرُ
 وَنَحْنُ أَمَانُ اللَّهِ فِي الْخَلْقِ كُلِّهِمْ نَسِرُ بِهَذَا فِي الْأَنَامِ وَنَجْهَرُ
 وَنَحْنُ وَلَاءَةُ الْحَوْضِ نَسْقَىٰ مُحِبَّنَا بِكَاسٍ وَذَاكَ الْحَوْضُ لِلْسَقَىٰ كَوَثَرُ
 فَيَسْعَدُ فِينَا فِي الْقِيَامِ مُحِبَّنَا وَمُبْغِضُنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَخْسَرُ (۲)



كَفَرَ الْقَوْمُ وَقَدْماً رَغِبُوا عَنْ ثَوَابِ اللَّهِ رَبِّ الثَّقَلَيْنِ
 قَتَلُوا قَدْماً عَلِيّاً وَابْنَهُ حَسَنَ الْخَيْرِ وَجَاءَ وَاللُّحُسَيْنِ
 خَيْرَةُ اللَّهِ مِنَ الْخَلْقِ أَبِي بَعْدَ جَدِّي وَأَنَا ابْنُ الْخَيْرَتَيْنِ (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

آلِیْتُ (ایلاء سے): قسم کھانا۔ اِنْشَاء: عاجزی، ذلت قبول کر لینا، یہاں اس لفظ سے امام نے باطل کے سامنے جھکنا مراد لئے ہیں۔ اَمْضَى: مارا جاؤں گا، قتل ہو جاؤں گا۔ نَزْهَرُ (زَهْرَ زَهْوَرًا سے): چمکنا۔ صَادَع (صَدَع سے): مطلب بیان کرنا، کسی مسئلے کو سامنے لانا اور حل کرنا۔ رَغَب: اگر عن کے ساتھ متعدی ہو تو اس کا مطلب رخ پھیرنا، دور ہونا ہے۔

ترجمہ اور تشریح

عاشور کے دن جس وقت حسین ابن علیؑ نے تنہا، بنفسِ نفیس دشمن کے خلاف جنگ کا آغاز کیا، اس وقت سے آپؑ کی شہادت تک کے درمیانی عرصے میں، تین قابلِ توجہ اور اہم باتیں آپؑ سے نقل کی گئی ہیں، جنہیں ہم اس کتاب کے خاتمے پر حسن اختتام کے طور پر اپنے عزیز قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ باتیں درج ذیل ہیں:

۱: امام کے رجز۔

۲: امام کا آفاقی پیغام۔

۳: امام کا اللہ رب العزت سے راز و نیاز۔

میدانِ جنگ میں امام علیہ السلام کی رجز خوانی کے حوالے سے کتبِ تاریخ میں بہت سے مختلف اشعار نقل ہوئے ہیں۔ ہم یہاں ان میں سے محض تین کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

کتاب «عوالم» کے مصنف اور «ابن نما» نے لکھا ہے کہ حسین ابن علی دشمن کی صفوں پر حملہ کرتے ہوئے یہ رجز پڑھ رہے تھے:

الْمَوْتُ أَوْلَىٰ مِنْ رُكُوبِ الْعَارِ وَالْعَارُ أَوْلَىٰ مِنْ دُخُولِ النَّارِ
أَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ أَلَيْسَتْ أَنْ لَا أَتَّشَنَّى
أَحْمَىٰ عِيَالَاتِ أَبِي أَمْضَىٰ عَلَىٰ دِينِ النَّبِيِّ

«موت ذلت قبول کرنے سے بہتر ہے اور ذلت قبول کر لینا آتش جہنم میں

جانے سے بہتر ہے۔ میں حسین ابن علی ہوں، میں نے قسم کھائی ہے کہ دشمن کے

سامنے ہرگز سر نہ جھکاؤں گا۔ میں اپنے والد کے اہل و عیال کی حفاظت کروں

گا اور نبی کے دین کی راہ میں مارا جاؤں گا۔»

«خوارزمی» کہتے ہیں کہ: حسین ابن علی اس حال میں دشمن کے مقابل آئے کہ آپؑ

گھوڑے پر سوار تھے آپؑ کے ہاتھ میں تلوار تھی، آپؑ کو اپنی زندگی کی کوئی پروا نہ تھی اور آپؑ

موت و شہادت کا پکا عزم کئے ہوئے تھے اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے آپؑ نے دشمن کی صفوں پر

حملہ کیا:

أَنَا ابْنُ عَلِيٍّ الْخَيْرِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ كَفَانِي بِهَذَا مَفْخَرًا حِينَ أَفْخَرُ
وَجَدَى رَسُولُ اللَّهِ أَكْرَمُ مَنْ مَضَى وَنَحْنُ سِرَاجُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ نَزْهَرُ
وَفَاطِمَةُ أُمِّي ابْنَةُ أَطْهَرِ أَحْمَدَ وَعَمِّي يُدْعَى ذُو الْجَنَّةِ حِينَ جَعْفَرُ
وَفِينَا كِتَابُ اللَّهِ أَنْزَلَ صَادِعًا وَفِينَا الْهُدَى وَالْوَحْيُ بِالْخَيْرِ يُذَكَّرُ
وَنَحْنُ أَمَانُ اللَّهِ فِي الْخَلْقِ كُلِّهِمْ نَسْرُ بِهَذَا فِي الْأَنَامِ وَنَجْهَرُ
وَنَحْنُ وُلَاةُ الْحَوْضِ نَسْقِي مُحِبِّينَا بِكَاسٍ وَذَاكَ الْحَوْضُ لِلْسَقَى كَوْنُ
فَيَسْعَدُ فِينَا فِي الْقِيَامِ مُحِبِّينَا وَمُبْغِضُنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَخْسَرُ

«میں علی کا بیٹا ہوں جو آلِ ہاشم کے بہترین فرد ہیں اور یہی میرے لئے سب

سے بڑا افتخار ہے۔ میرے جد امجد رسولِ خدا ہیں جو تاریخ کی بہترین شخصیت ہیں اور ہم اللہ کے وہ چراغ ہیں جو زمین پر روشن رہتے ہیں۔ میری ماں فاطمہ ہیں جو احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پاکیزہ بیٹی ہیں اور میرے چچا جعفر ہیں جو ذوالجناحین کے لقب سے مشہور ہیں۔ اللہ کی کتاب ہمارے پاس ہے، وہ کتاب جو ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اور وحی اور ہدایت ہمارے پاس ہے جسے اچھے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہم تمام مخلوقات کے لئے اللہ کی طرف سے پناہ گاہ ہیں، یہ وہ حقیقت ہے جس کا کبھی ہم کھل کر اعلان کرتے ہیں اور کبھی پوشیدہ طور سے بتاتے ہیں۔ ہم حوض کے ساتھی ہیں اور قیامت کے دن اپنے چاہنے والوں کو خاص پیالوں سے سیراب کریں گے، اور یہ حوض وہی حوض کوثر ہے۔ قیامت کے دن ہمارے چاہنے والے ہمارے ذریعے سعادت و کامیابی پائیں گے اور ہمارے دشمن اس دن نقصان اٹھائیں گے۔»

«خوارزمی» لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام حملہ کرتے ہوئے یہ اشعار بھی پڑھ رہے تھے:

كَفَرَ الْقَوْمُ وَقَدْ مَارَغُبُوا عَنْ ثَوَابِ اللَّهِ رَبِّ الثَّقَلَيْنِ
قَتَلُوا قَدْ مَاءً عَلِيًّا وَابْنَهُ حَسَنَ الْخَيْرِ وَجَاءَ وَاللُّحُسَيْنِ
خَيْرُهُ اللَّهُ مِنَ الْخَلْقِ أَبِي بَعْدَ جَدِّي وَأَنَا ابْنُ الْخَيْرَتَيْنِ

«ان لوگوں نے کفر اختیار کیا اور پہلے بھی ان لوگوں نے جن و انس کے پروردگار کے ثواب سے اپنے آپ کو دور رکھا تھا۔ پہلے بھی (ان لوگوں نے) علی اور ان کے نیک سیرت بیٹے حسن کو قتل کیا تھا اور اب حسین کو قتل کرنے پر کمر بستہ ہیں۔ میرے جد امجد (رسولِ کریم) کے بعد میرے والد (علی مرتضیٰ)

اللہ کی بہترین مخلوق تھے اور میں ان دو بہترین ہستیوں کا فرزند ہوں۔»



قتل گاہِ کربلا سے امام کا آفاقی پیغام

«يَا شَيْعَةَ آلِ أَبِي سُفْيَانَ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ دِينٌ وَكُنْتُمْ
لَا تَخَافُونَ الْمَعَادَ فَكُونُوا أَحْرَاراً فِي دُنْيَاكُمْ وَارْجِعُوا
إِلَى أَحْسَابِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ عَرَباً كَمَا تَزْعُمُونَ..... أَنَا الَّذِي
أَقَاتِلُكُمْ وَتَقَاتِلُونِي وَالنِّسَاءُ لَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ فَأَمْنَعُوا
عُنَاتِكُمْ عَنِ التَّعَرُّضِ لِحَرَمِي مَا دُمْتُ حَيًّا» (۱)

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

جُنَاح: گناہ۔ عُنَات (غائبی کی جمع): ظالم، ستمگر۔

ترجمہ اور تشریح

«خوارزمی» کا بیان ہے کہ امام حسین علیہ السلام دشمن پر پے در پے حملے کرتے ہوئے سخت جنگ میں مشغول تھے۔ ہر حملے میں آپ دشمن کے متعدد افراد کو خاک و خون میں نہلا دیتے۔ یکبارگی دشمن نے فیصلہ کیا کہ امام پر نفسیاتی ضرب لگا کر ان کے گھٹنے ٹکوا دیں۔ لہذا وہ امام اور اہل حرم کے خیام کے درمیان حائل ہو گئے اور خیموں پر حملہ شروع کر دیا۔

اس موقع پر امام علیہ السلام نے بلند آواز میں پکار کر کہا:

«يَا شَيْعَةَ آلِ أَبِي سُفْيَانَ! إِنَّ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ..... اے خاندان ابو سفیان کے پیروکارو! اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے اور قیامت کا بھی تمہیں کوئی خوف نہیں ہے تو کم از کم اس دنیا میں آزاد انسانوں کی طرح زندگی بسر کرو اور اگر خود کو عرب سمجھتے ہو تو اپنے اجداد (کی سیرت) ہی کو پیش نظر رکھو۔»

شمر نے کہا: مَا تَقُولُ يَا حُسَيْنُ (اے حسین! کیا کہہ رہے ہو؟)

جواب میں امام نے فرمایا:

«أَنَا الَّذِي أَقَاتِلُكُمْ..... میں تم سے لڑ رہا ہوں اور تمہاری جنگ مجھ سے ہے»

ان عورتوں کی کوئی تقصیر نہیں، اپنے ان سرکشوں سے کہو کہ جب تک میں زندہ ہوں میرے حرم پر حملہ نہ کریں۔»

شمر نے کہا: لَكَ ذَلِكَ يَا ابْنَ فَاطِمَةَ (فاطمہ کے بیٹے میں تمہیں یہ حق دیتا

ہوں)۔ یعنی آپ حق بجانب ہیں۔

پھر شمر نے اپنے سپاہیوں کو آواز دے کر کہا: إِلَيْكُمْ عَنْ حَرَمِ الرَّجُلِ وَ اقْصُدُوهُ

بِنَفْسِهِ لَهُوَ كُفُوٌ كَرِيمٌ (ان کے حرم سے دور ہو جاؤ اور خود انہی پر حملہ کرو تمہارا مد مقابل بہت کریم النفس ہے۔)

آفاقی پیغام

حسین ابن علیؑ کا یہ کلام اگرچہ بظاہر ایک خاص موقع سے مختص نظر آتا ہے۔ آپؑ نے

ان الفاظ کے ذریعے اہل کوفہ کو اس وقت مخاطب کیا جب ان لوگوں نے انتہائی بے غیرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اہل حرم کے خیام پر حملے کا آغاز کیا تھا، لیکن دراصل یہ کربلا کے مقتل سے ہر دور سے تعلق رکھنے والے تمام انسانوں کے لئے ایک عمومی اعلامیہ اور عالمی منشور کی حیثیت

رکھتا ہے۔ آپ کا پیغام تھا کہ: اے انسانو! اگر تم آسمانی احکام اور اللہ کے قوانین کے معتقد اور پابند نہیں، تو کم از کم اپنے قومی رسم و رواج ہی کا خیال رکھو۔ اور آج کی زبان میں «بین الاقوامی قوانین» ہی کے تابع ہو جاؤ۔

جنگ اور دفاع کے حوالے سے تمام آسمانی ادیان، بالخصوص دین مقدس اسلام نے جو دستور اور اصول فراہم کئے ہیں ان میں فریق مخالف کے ہر قسم کے حقوق پر تجاوز سے منع کیا گیا ہے، حتیٰ اس صورت میں بھی جبکہ جارحیت بھی اسی کی طرف سے ہوئی ہو۔

«وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ.»

«جو لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں (اور تمہارے خلاف جنہوں نے جنگ کا آغاز کیا ہے) تم بھی ان سے راہِ خدا میں جہاد کرو اور زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔» (سورہ بقرہ ۲-آیت ۱۹۰)

یعنی وہ لوگ جو خود جنگ میں شریک ہیں، ان کے سوا تم دشمن کے دوسرے افراد کو نقصان مت پہنچاؤ۔ حملہ آوروں کے گھروں کو تباہ نہ کرو، ان کے درختوں کو مت کاٹو، ان پر پانی بند نہ کرو، دشمن کے زخمیوں کا علاج معالجہ کرو، میدان چھوڑ کر بھاگنے والے دشمن کا پیچھا مت کرو اور عورتوں اور بوڑھوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ حد یہ ہے کہ حملہ کرنے والوں کو برا بھلا بھی مت کہو۔

جی ہاں! «لَا تَعْتَدُوا» کا حکم نازل ہونے اور حسین ابن علیؑ کے مذکورہ آفاقی پیغام کے اعلان کے صدیوں بعد عالم بشریت اور متمدن کہے جانے والے قانون سازوں نے بھی جنگوں کے لئے اصول و قوانین وضع کئے ہیں۔ البتہ ان کے بنائے ہوئے یہ اصول و قوانین، اسلام کے پیش کردہ قوانین سے کہیں درجے کم حیثیت کے حامل ہیں۔

بے شک یہ دو پیروں پر چلنے والا حیوان، ہر درندے سے زیادہ درندہ صفت ہو جانے والا یہ خود غرض انسان، جب تک آسمانی ادیان کی تربیت سے فیضیاب نہ ہو، اور جب تک انسانیت

کے مرحلے میں داخل نہ ہو (جو صرف اور صرف انبیائے الہی کی تعلیمات پر عمل ہی کی صورت میں ممکن ہے) کیا اپنے آپ کو ان دساتیر، اعلامیوں، اور قوانین کا پابند کر سکتا ہے؟

ہم نے دیکھا کہ شمر جس نے امام کے مقابلے کے دوران اپنے سپاہیوں کو خیام حسیٹی پر یورش سے روکا، تو ان وحشیوں کا یہ پیچھے ہٹنا صرف وقتی طور پر تھا، اور امام کے کلام کی معنوی تاثیر تھی جس نے اس وقت شمر کو متاثر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ امام کی شہادت کے بعد ان اشقیاء نے ایک مرتبہ پھر اہل حرم کے خیموں پر حملہ کیا، ان کا مال و اسباب لوٹا اور عورتوں اور بچوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔



حسین ابن علی کی آخری مناجات

«اللَّهُمَّ مُتَعَالَى الْمَكَانِ عَظِيمِ الْجَبَرُوتِ شَدِيدِ الْمَحَالِ
 عَنِّي غَنَى عَنْ الْخَلَائِقِ عَرِيضُ الْكِبَرِيَاءِ قَادِرٌ عَلَى
 مَا تَشَاءُ قَرِيبُ الرَّحْمَةِ صَادِقُ الْوَعْدِ سَابِغُ النِّعَمَةِ حَسَنُ
 الْبَلَاءِ قَرِيبٌ إِذَا دُعِيَ مُحِيطٌ بِمَا خَلَقْتَ قَابِلُ التَّوْبَةِ
 لِمَنْ تَابَ إِلَيْكَ قَادِرٌ عَلَى مَا أَرَدْتَ تُدْرِكُ مَا طَلَبْتَ
 شُكُورٌ إِذَا شُكِرْتَ ذُكُورٌ إِذَا ذُكِرْتَ أَدْعُوكَ مُحْتَاجاً
 وَارْغَبُ إِلَيْكَ فَقِيراً وَأَفْرَعُ إِلَيْكَ خَائِفاً وَأَبْكَى
 مَكْرُوباً وَأَسْتَعِينُ بِكَ ضَعِيفاً وَأَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ كَافِياً
 اللَّهُمَّ احْكُمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا فَإِنَّهُمْ غَرُّوْنَا وَخَذَلُونَا
 وَغَدَرُوا بِنَا وَقَتَلُونَا وَنَحْنُ عَتْرَةُ نَبِيِّكَ وَوُلْدُ حَبِيبِكَ
 مُحَمَّدٍ (ص) الَّذِي اصْطَفَيْتَهُ بِالرَّسَالَةِ وَأَتَمَّنْتَهُ عَلَى
 الْوَحْيِ فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا فَرَجاً وَمَخْرَجاً يَا أَرْحَمَ
 الرَّاحِمِينَ.

.....صَبْرًا عَلَىٰ قَضَائِكَ يَا رَبِّ لَا إِلَهَ سِوَاكَ يَا غِيَاثَ
 الْمُسْتَغِيثِينَ مَالِي رَبِّ سِوَاكَ وَلَا مَعْبُودٌ غَيْرُكَ صَبْرًا
 عَلَىٰ حُكْمِكَ يَا غِيَاثَ مَنْ لَا غِيَاثَ لَهُ يَا دَائِمًا لَا نَفَادَ
 لَهُ يَا مُحْيِي الْمَوْتَىٰ يَا قَائِمًا عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ
 أَحْكُمْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ»

اہم الفاظ کا ترجمہ اور تشریح

مُتَعَال : اعلیٰ، بلند۔ جَبْرُوت (مبالغے کا صیغہ ہے) : طاقت، غلبہ۔ مِحَال (میم پر
 زیر کے ساتھ) : باریک بینی، اختیار۔ عَرِيض : پھیلا ہوا۔ کِبْرِيَاء : عظمت و کبریائی۔ سَابِغ :
 وسیع۔ شَكُور : شکر کرنے والا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم جس کے معنی ہیں کم چیز کے
 بدلے میں زیادہ جزا دینے والا۔ ذَكُور : یاد دلانے والا بہت زیادہ ذکر کرنے والا۔ بَلَاء :
 امتحان، آزمائش۔ رَغَبَ إِلَيْهِ : گریہ و آہ و زاری کی۔ فَقِيرٌ : ضرورت مند۔ فَرَعَ إِلَيْهِ : اس
 سے پناہ مانگی۔ كَرُب : غم و اندوہ۔ غَرُونَا (غَرَّ سے) : ہمیں دھوکا دیا۔ غَدْر : خیانت کرنا۔
 غِيَاث : مدد۔ اسْتِغَاثَهُ : مدد مانگنا۔ نَفَاد : ختم ہو جانا۔

ترجمہ اور تشریح

«مصباح المتجید» میں شیخ الطائفہ شیخ طوسی اور کتاب «اقبال» میں سید ابن طاووس لکھتے
 ہیں کہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں حسین ابن علیؑ نے آنکھیں کھولیں، آسمان کی طرف نگاہ
 ڈالی اور آخری مرتبہ اپنے پروردگار سے ان الفاظ میں مناجات کی۔ (۱)

۱۔ ان دونوں علمائے نے یہ دعا اور مناجات تین شعبان کی دعاؤں میں تحریر کی ہے اور اسے پڑھنے کی تاکید کی ہے۔
 قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ دونوں نے اس سلسلے میں عاشور کے دن کو «یوم کوثر» سے تعبیر کیا ہے۔

«اللَّهُمَّ مُتَعَالَى الْمَكَانِ عَظِيمٍ اے خدا! اے صاحبِ عظمت اور بلند مرتبت! اے شدید غضب والے! تیری قدرت ہر قدرت سے بڑھ کر ہے۔ تو اپنی ہر مخلوق سے بے نیاز ہے اور تیری بڑائی ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ تو قادر ہے کہ جو چاہے انجام دے۔ تیری رحمت اپنے بندوں سے نزدیک ہے۔ تیرا وعدہ سچا ہے، تیری نعمتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ تیرے امتحان میں خوبصورتی ہے۔ اپنے ان بندوں سے تو نزدیک تر ہے جو تجھے پکارتے ہیں۔ اپنی مخلوقات پر تیری مکمل گرفت ہے۔ جو کوئی توبہ کرے تو اسکی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ تو جو بھی ارادہ کرے اسے انجام دینے پر قدرت رکھتا ہے اور جو چاہے حاصل کر سکتا ہے۔ جب تیرا شکر ادا کیا جاتا ہے تو، تو شکریہ قبول کرتا ہے اور جب تیرا ذکر ہو تو تو ذکر کرنے والے کو یاد رکھتا ہے۔ میں تجھے اس حالت میں پکار رہا ہوں کہ تیری مدد کی مجھے ضرورت ہے، اور اس حالت میں تیری جانب میری توجہ ہے کہ سخت ضرورت میں ہوں۔ اس خوف کے عالم میں، میں تجھے پکار رہا ہوں اور تیرے سامنے اپنے درد و غم کے لئے گریہ و زاری کرتا ہوں اور اپنی کمزوری کے عالم میں تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں اور تجھ ہی پر میرا انحصار ہے اور تو میرے لئے کافی ہے۔

بارِ الہا! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان تو ہی فیصلہ کر دے۔ انہوں نے ہمیں دھوکا دیا، ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا، اور ہمارے ساتھ وعدہ خلافی کی۔ انہوں نے ہمیں قتل کیا جبکہ ہم تیرے نبی کی عمرت اور تیرے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد ہیں۔ وہ محمدؐ جنہیں تو نے اپنی رسالت کے لئے منتخب کیا اور اپنی وحی کا امانت دار بنایا۔

پس اے پروردگار! ہمارے لئے مدد اور راہِ نجات نازل فرما، اے سب رحم

کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے۔»

امام نے ان جملات پر اپنی مناجات ختم کی کہ:

«..... صَبْرًا عَلَى قَضَائِكَ يَا رَبَّ بَارِ الْهَیْ! ہم تیری قضا و قدر کے

سامنے صابر و شاکر ہیں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اے فریاد کرنے والوں کے

فریاد رس، تیرے سوا میرا کوئی پالنے والا نہیں ہے اور نہ ہی کوئی معبود ہے، میں

تیرے حکم پر صبر کرنے والا ہوں۔ اے اس کی مدد کرنے والے جس کا کوئی

مددگار نہ ہو، اے ہمیشہ زندہ رہنے والے جس کا کوئی اختتام نہیں ہے، اے

مردوں کو زندہ کرنے والے اور ہر ایک کے اعمال کے مطابق اس کا حساب

کرنے والے، تو ہی میرے اور ان (لوگوں) کے درمیان فیصلہ فرما اور تو ہی

فیصلہ کرنے والوں میں سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔»

پھر جب خاک پر اپنا چہرہ رکھا تو فرمایا:

بِسْمِ اللَّهِ وَ بِاللَّهِ وَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ عَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ. (۱)



مصادر و ماخذ

نام کتاب	مؤلف	مطبوعہ
ارشاد	شیخ مفید (متوفی ۴۱۳ھ)	نجف اشرف
انساب الاشراف	بلاذری (تیسری صدی ہجری کے مورخ)	بیروت ۱۳۹۷ھ
اصول کافی	شیخ کلینی (متوفی ۳۲۹ھ)	تہران ۱۳۸۸ھ
اثبات الوصیہ	مسعودی (متوفی ۳۲۶ھ)	قم
الامامۃ والسیاسہ	ابن قتیبہ دینوری (متوفی ۲۷۶ھ)	مصر ۱۳۸۸ھ
اخبار الطوال	احمد بن داؤد دینوری (متوفی ۳۸۱ھ)	مطبعہ عبد الحمید - مصر
صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاری (متوفی ۲۵۵ھ)	
امالی	شیخ صدوق (متوفی ۳۸۱ھ)	تہران
ابصار العین فی انصار الحسین	سماوی (چودھویں صدی ہجری کے عالم)	مطبعہ بصیرتی، قم
اعلام الوری	امین الاسلام طبرسی (چھٹی صدی کے عالم)	مطبعہ اسلامیہ تہران ۱۳۳۸ھ

ادب الحسین	صابری ہمدانی (معاصر عالم) قم
بجار الانوار	علامہ مجلسی (متوفی ۱۱۱۰ھ) مطبعہ اسلامیہ تہران
البدایۃ والنہایۃ	ابن کثیر دمشقی (متوفی ۷۷۴ھ) بیروت ۱۳۸۷ھ
بصائر الدرجات	محمد بن حسن صفار (متوفی ۲۹۰ھ) تبریز ۱۳۸۰ھ
تاریخ طبری	محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) لیدن
تاریخ الخلفاء	جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) دار الفکر بیروت ۱۳۹۴ھ
تاریخ یعقوبی	ابن واضح یعقوبی (متوفی ۲۸۴ھ) دار صادر بیروت ۱۳۷۹ھ
تاریخ ابن عساکر	ابن عساکر دمشقی (متوفی ۵۷۱ھ) بیروت ۱۳۹۸ھ
تحف العقول	حسن بن شعبہ حرانی (پچھنی صدی ہجری کے عالم) قم ۱۳۹۴ھ
تذکرۃ الخواص	سبط ابن جوزی نجف ۱۳۶۹ھ
تہذیب التہذیب	ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) حیدر آباد ہند ۱۳۲۶ھ
تنقیح المقال	مامقانی (متوفی ۱۳۵۱ھ) نجف ۶۵۴-۱۳۵۰ھ
مروج الذهب	مسعودی (متوفی ۳۴۶ھ) قاہرہ ۱۳۸۴ھ
سفینۃ البحار	حاج شیخ عباس (متوفی ۱۳۵۹ھ) تہران
طبقات ابن سعد	محمد بن سعد کاتب واقدی (متوفی ۲۳۰ھ)
عقاب الاعمال	صدوق (متوفی ۳۸۱ھ) تہران
کامل الزیارات	محمد بن قولویہ (متوفی ۳۶۷ھ) نجف اشرف ۱۳۵۶ھ
الکامل	معز الدین ابن اثیر (متوفی ۶۳۰ھ) بیروت ۱۳۸۷ھ
کنز العمال	متقی ہندی (متوفی ۹۷۵ھ) بیروت ۱۳۹۹ھ
شرح نہج البلاغہ	ابن ابی الحدید (متوفی ۶۵۶ھ) مصر ۱۳۷۸ھ
لہوف	سید بن طاووس (متوفی ۶۷۳ھ) تہران ۱۳۲۱ھ

مثیر الاحزان	ابن نما (متوفی ۶۴۵ھ) تہران
مقتل خوارزمی	خطیب خوارزمی (متوفی ۵۶۸ھ) قم
مقتل مقرم	عبدالرزاق مقرم (متوفی ۱۳۹۱ھ) مطبعہ آداب نجف ۱۳۹۲ھ
مقتل عوالم	عبداللہ بن نورالدین بحرانی
مستدرک صحیحین	(بارہویں صدی کے ایک عالم) تہران
مستدرک الوسائل	حاکم نیشاپوری (متوفی ۴۰۵ھ)
مناقب	محدث نوری (متوفی ۱۳۲۰ھ) نجف
نور الثقلین	ابن شہر آشوب (متوفی ۵۸۸ھ) قم
دعوات راوندی	ابن جمعہ جوزی (گیارہویں صدی کے ایک عالم) مطبعہ اسلامیہ تہران
وقعہ صفین	قطب الدین راوندی (متوفی ۵۷۳ھ) قم
شرح صحیح بخاری	نصر بن مزاحم (متوفی ۲۱۲ھ) مصر
وسائل الشیعہ	ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) مصر
ینابیع المودہ	شیخ حرعالمی (متوفی ۱۱۰۴ھ) تہران
اخبار الزینیات	شیخ سلمان قندوزی (متوفی ۱۲۹۴ھ) عراق ۱۳۸۵ھ
	عبیدلی (متوفی ۳۱۴ھ) قم
اور دوسری کتب جن کا ذکر کتاب کے حاشیوں میں کیا گیا ہے۔	



کتاب کے مصادر و ماخذ کے بارے میں چند گزارشات

۱- جیسا کہ آپ نے مصادر و ماخذ کی فہرست میں ملاحظہ کیا، اس کتاب کے اکثر مندرجات میں ہم نے اوّل درجے کی اور معتبر و موثق شیعہ اور سنی کتب کو سند قرار دیا ہے، دوسرے درجے کے بعض مصادر سے صرف خاص مواقع پر بطور تائید کے استفادہ کیا ہے۔

۲- اہل فضل و دانش اچھی طرح جانتے ہیں کہ مختلف کتب میں نقل ہونے والے بعض تاریخی مسائل، روایات اور احادیث میں مفہوم کے لحاظ سے یا الفاظ و عبارات کے اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ایک ہی واقعے کا کچھ حصّہ کسی ایک کتاب میں نقل ہوا ہو اور دوسرا حصّہ کسی دوسری کتاب میں درج ہوا ہو۔ لہذا قارئین اگر اس کتاب کے کسی حصّے کے مصادر و ماخذ سے رجوع کرنا چاہیں تو انہیں چاہئے کہ حوالے کے طور پر دی گئی تمام کتب کا مطالعہ کریں۔

۳- کتاب ہذا میں جن مصادر و ماخذ سے ہم نے استفادہ کیا ہے ان میں سے ایک «طبقات ابن سعد» ہے جو ابتدائی مصادر میں سے ایک ہے۔ لیکن اس سلسلے میں یہ یاد دہانی ضروری ہے

کہ بد قسمتی سے اس کتاب کے تمام مطبوعہ نسخے ایک ناقص مخطوط نسخے سے لئے گئے ہیں، جن میں سے اہل بیت پیغمبرؐ کے چند افراد کا تذکرہ چھوٹ گیا ہے، جن میں حضرت امام حسن مجتبیٰ اور امام حسین الشہید علیہم السلام بھی شامل ہیں۔ البتہ خوش قسمتی سے مذکورہ کتاب کا ایک مکمل مخطوط نسخہ استنبول کے توپ کاپی کتب خانے سے دستیاب ہوا ہے، اور ابھی حال ہی میں اس نسخے کی چند فوٹی کاپیاں تیار کی گئی ہیں اور «طبقات ابن سعد» میں موجود امام حسین ابن علیؑ کی شہادت سے متعلق روایات کو فاضل محقق آقائی محمودی نے «تاریخ ابن عساکر» کی اس جلد میں نقل کیا ہے جو سید الشہداء سے مربوط ہے اور جسے ان کی تحقیق کے ساتھ بیروت سے شائع کیا گیا ہے۔ زیر نظر کتاب میں «طبقات ابن سعد» سے ہمارا استناد «ابن عساکر» کے اسی نسخے کے توسط سے ہے۔ امید ہے کہ «طبقات ابن سعد» کا مکمل نسخہ مستقبل قریب میں حوزہ علمیہ قم کے بعض فضلاء کے ذریعے طبع اور نشر ہوگا۔

